افادات درسِ قرآن

سورۂ کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مؤمنون، نور، فرقان، شعراء، نمل

علمی واصلاحی اور دعوتی وتربیتی مضامین
قرآن پاک کی روشنی میں

افادات

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

بانی جامعہ عربیہ ہتھورا، ضلع باندہ (یوپی)

ضبط و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

افادات درسِ قرآن

سورہ کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مؤمنون، نور، فرقان، شعراء، نمل

علمی واصلاحی اور دعوتی وتربیتی مضامین قرآن پاک کی روشنی میں

حضرت مولانا قاری سیّد صدیق احمد صاحب باندویؒ

ضبط وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب	:	افادات درسِ قرآن
ضبط وترتیب	:	محمد زید مظاہری ندوی
صفحات	:	۴۱۶
ناشر	:	ادارہ افادات اشرفیہ
اشاعت اول	:	۱۴۳۲ھ
تعداد	:	گیارہ سو
قیمت	:	۱۶۰/روپئے
برائے رابطہ	:	muftizaid@gmail.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند سہارنپور کے جملہ کتب خانے
☆ مدرسہ جامعہ خیر العلوم بورگاؤں خرد کھنڈوہ (ایم پی)
☆ ندوی بکڈپو ندوہ لکھنؤ
☆ مکتبۃ الفرقان، نظیر آباد لکھنؤ
☆ مکتبہ اشرفیہ ہردوئی
☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا باندہ

اجمالی فہرست

فہرست

افادات درسِ قرآن

سورۂ کہف

افادات درس قرآن

سورۂ انبیاء پ۱۷

افادات درسِ قرآن

سورۂ نمل ۳۶۵

☆☆☆

☆☆

☆

مقدمہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

احقر نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں
حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے افادات کا منتخب مجموعہ
(جو حضرتؒ کے ملفوظات ،مکتوبات اور افادات درس قرآن پر مشتمل تھا)
پیش، کیا حضرتؒ نے بڑی محبت سے اس کو لے کر رکھ لیا اور چند روز کے بعد
اس پر مقدمہ تحریر فرما کر عنایت فرمایا، وہ مقدمہ یہ ہے:

الحمد لله وسلا م علی عباده الذين اصطفیٰ۔ اما بعد۔

اہل علم اور اہل نظر جانتے ہیں جن کی دعوت واصلاح کی تاریخ ، اہل اللہ بزرگان دین ، مشائخ و مصلحین امت کے فیوض وبرکات اور ان کی اصلاحی وتربیتی کارناموں پر نظر ہے کہ ان کی اصلاح وتربیت کے وسائل ان کے ارشادات ورہنمائی اور ان کے فیوض وبرکات کے شیوع وانتشار اور بقاء وحفاظت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ان کے وہ افادات وملفوظات تھے جو انہوں نے اپنی مجالس عمومی وخصوصی میں ارشاد فرمائے یا وہ مکتوبات تھے جو ان حضرات نے بعض مخلص عقیدت مندوں اور طالبین حق ومعرفت کے رسائل وعرائض کے جواب میں لکھے یا لکھوائے ،ملفوظات مکتوبات کے ان مجموعوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ایک مختصر تعارفی وتمہیدی مقالہ میں پیش نہیں کی جاسکتی، یہاں پر صرف ایک مجموعہ کا نام لکھا جاتا ہے، جو حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے، اور اس کا بلیغ ومعنی خیز نام ''فوائد الفوائد'' ہے۔

ان ملفوظات اور کسی حد تک ان مکتوبات کی خصوصیت میں تنوع، حقیقت پسندی، امراض اور کمزوریوں کا تعین اور ان کی تشخیص، ان کے علاج اور ازالہ کے طریقے کی طرف صحیح رہنمائی، **كلموا الناس علیٰ قدر عقولهم** (لوگوں کے فہم ودانش اور ان

کے ذہنی سطح کے مطابق تفہیم وموعظت کی کوشش) شامل ہے ان ملفوظات ومکتوبات کو سامنے رکھ کر ایک سلیقہ مند انسان اس وقت کی زندگی اور معاشرہ کی صحیح تصویر پیش کرسکتا یا دیکھ سکتا ہے، اسی طرح وہ نفس، اخلاق ومعاملات اور انفرادی واجتماعی زندگی کے بہت سے ایسے عیوب اور کمزوریوں سے واقف اور ان کے ازالہ وعلاج کے ان قابل عمل طریقوں سے آگاہ ہوسکتا ہے جن کو وہ اخلاق اور تصوف وسلوک کی دقیق عمیق اور قابل قدر واحترام کتابوں کے صفحات ومضامین سے حاصل نہیں کرسکتا۔

ہمارے اس عہد قرب وجوار اور علم وواقفیت کے دائرہ میں (بلا کسی تملق وتصنع کے لکھا جاتا ہے) مولانا سید صدیق احمد صاحب مظاہری بانی جامعہ عربیہ ہتورا (ضلع باندہ) کی ذات انہیں ربانی علماء اور مربی ومصلح شیوخ میں ہے جن کو اللہ تعالی نے اخلاص وللّٰہیت، جذبۂ اصلاح وتبلیغ، فہم سلیم، حقیقت شناسی اور حقیقت بینی اور راہِ خدا میں جفا کشی وبلند ہمتی کے اوصاف سے متصف فرمایا ہے، اور اظہار حق اور صحیح مشورہ کی جرأت بھی عطا فرمائی ہے۔

آپ کی مجالس[1] میں صحیح طریقہ کی رہنمائی، نفسانی اور قلبی بیماریوں اور کمزوریوں کی نشان دہی، معاشرہ میں پھیلے ہوئے عیوب، خلاف شرع اور خلاف سنت طریقوں اور رواجوں کی مذمت اور ان کے ازالہ کے عزم اور جدوجہد کی دعوت، بزرگان سلف اور عہد کے مستند اور جلیل القدر مشائخ ومصلحین کے اقوال وحکایات اور طریق عمل کا بیان اور ان کی شوق انگیز اور ایمان خیز واقعات ومشاہدات ملتے ہیں، جن کو مولانا کی مجالس میں شرکت اور تعلیم وتربیت سے استفادہ کا موقع ملا ان کو ان مضامین وبیانات کی افادیت اور اثر انگیزی کا اندازہ ہے۔

---

[1] حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ بکثرت فرماتے تھے کہ بزرگوں کے یہاں مجالس ہوتی ہیں، ہماری مجلس تو یہی درس قرآن ودرس بخاری ہے (حضرتؒ جلالین شریف اور بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے اسی کے متعلق فرمایا کہ) لوگ استفادہ کے لئے آتے ہیں، ادھر ادھر ٹہلا کرتے ہیں، درس میں بیٹھا کریں تو ان کو فائدہ ہو، ہماری مجلس تو یہی ہے، بعض آنے والے مہمان اور مستفیدین حضرات درس میں شریک ہوتے تھے، اس وقت حضرتؒ خاص طور پر اصلاحی باتیں قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

خدا کا شکر ہے کہ فاضل عزیز مولوی محمد زید صاحب نے ان افادات وملفوظات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، یہ ایک قابل قدر اصلاحی وتربیتی ذخیرہ تھا جو ان کے مجالس کے ملفوظات ومکتوبات میں پھیلا ہوا تھا، اس کا اندیشہ تھا کہ یہ بیش قیمت ذخیرہ یا تو امتداد زمانہ کے نذر ہو جائے یا خطوط ومکاتیب کے صفحات میں محدود رہ جائے۔

مولانا محمد زید مظاہری ندوی صاحب قارئین معاصرین، مدارس کے فضلاء طلباء، طالبین حق اور اپنی اصلاح وتربیت کے خواہش مندوں کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک مجموعہ میں ان کو جمع کر دیا ہے، جس کا نام "علمی[1] واصلاحی ملفوظات ومکتوبات" (مجالس صدیق) رکھا ہے، اس قابل قدر ذخیرہ میں تنوع بھی ہے اور وحدت بھی، وسعت بھی اور مقصد ونتیجہ کی ترکیز بھی، اس سے فضلاء وطلباء مدارس دینیہ، ملت کے مختلف طبقات کے افراد اور انفرادی واجتماعی اصلاح کا کام کرنے والے اور تزکیۂ نفس کے خواہشمند فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالی اس سعی کو قبول فرمائے، جامع ملفوظات ومکتوبات کو جزائے خیر دے، اور قارئین کو اس سے پورے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔والله لا يضيع اجر المحسنين۔

ابوالحسن علی ندوی

۲۴ رصفر ۱۴۱۷ھ

---

[1] جو مجموعہ حضرت مولاناؒ کے پیش نظر تھا وہ علمی واصلاحی ملفوظات ومکتوبات اور درس قرآن پر مشتمل تھا، بعد میں ملفوظات کے حصہ کو علیحدہ افادات صدیق اور مجالس صدیق کے نام سے شائع کیا گیا، اور مکاتیب صدیق علیحدہ شائع کئے گئے، درس قرآن کا حصہ آپ کے پیش نظر ہے، اسی انداز پر انشاء اللہ درس بخاری بھی آئے گا واللہ الموفق (مرتب)

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی مدظلہٗ العالی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ خاتم النبیین
محمدبن عبداللہ الامین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین
ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین أمابعد........

قرآن مجید اللہ رب العالمین کا کلام ہے، وہ اسی نسبت سے بڑی طاقت رکھتا ہے ،اس کی طاقت وعظمت کو خود اللہ تعالیٰ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ اگر وہ پہاڑ پر اتارا جاتا تو پہاڑ لرز جاتا اور پھٹتا ہوا نظر آتا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق انسانی کو اس بات کا شرف عطا فرمایا کہ اس کو بقدر ضرورت برداشت کر سکے، اس کے الفاظ کو سنے اور پڑھے، اور بقدر ضرورت سمجھنے کا فائدہ اٹھائے، تاکہ وہ اس کو سمجھنے پر اپنی زندگی کو اس کی روشن کرنوں سے روشن سکے، مگر یہ خصوصیت قدرت الٰہی کی طرف سے انسان کو کلام الٰہی کے مقام سمجھنے اور اوراس کی قدر کرنے پر ہی دی جاتی ہے، جو اس کے لئے خصوصی انعام اور عظیم فائدہ کی بات ہے، قرآن مجید پڑھنے اور سننے والے کو اس کے الفاظ کا صحیح ترجمہ معلوم ہونے پر اس کے معانی سے استفادہ کا موقع ملتا ہے، اور اس کے الفاظ کے معانی نہ جاننے پر کم ازکم اپنی زبان اور کان کو ان کی برکت سے مستفید ہونے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو ایک شرف کی بات ہے، اور ایسا شرف ہے کہ اس کے ہر حرف پر دس نیکیوں کے برابر اجر حاصل ہوتا ہے، اور ان کے معانی سے بھی واقفیت ہو تو زندگی میں شر سے خیر کی طرف آنے میں رہنمائی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی خود حفاظت کرنیکا وعدہ فرمایا ہے ﴿انانحن نزلنا الذکر وانا لہ' لحافظون﴾

یہ حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان ذرائع سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رکھے ہیں، اس میں خود انسان بھی ہیں، جو ہر زمانہ میں اپنے رب کی توفیق سے لاکھوں کی تعداد میں اس کو پڑھنا سیکھتے ہیں اور تلاوت کرتے ہیں، اور ہزاروں ہزار اسکو اپنے سینہ میں ریکارڈر کی طرح محفوظ کرتے ہیں، نمازوں میں اس کا پڑھنا اور خاص طور پر تراویح میں اس کا سنانا بھی مزید اس کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اور اس کا پڑھنا پڑھنے والوں کے لئے عبادت کا عمل بھی ہے۔

قرآن مجید کے مضامین ومطالب کا ترجمہ کیا جانا اور اس کی تلقین عربی نہ جاننے والوں کے لئے کرنا قرآن مجید کے مطالب ومعانی سے استفادہ زیادہ وسیع طریقہ سے ہوتا ہے، لہٰذا علماء کرام نے اس ذریعہ سے عوام الناس کو فائدہ پہونچایا، اور ترجمہ وتفہیم وتشریح کا کام کیا، اور اس ذریعہ سے قرآن مجید سے استفادہ کے مواقع بہت بڑھا دیئے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر قرآن مجید کے وسط کے پانچ پاروں کی تشریح وتوضیح ہے، جو ایک بڑے بزرگ وعالم ومربی شخصیت حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب ناظم جامعہ اسلامیہ باندہ کی ہے، جو انہوں نے اپنے تفسیری درس میں کی ہے، اس کو محفوظ کیا جاتا رہا تھا، اب وہ اس کی علمی خصوصیات کا لحاظ رکھتے ہوئے مرتب کرکے لائق اشاعت کیا گیا ہے، جو کہ ندوۃ العلماء کے فاضل استاذ مولانا مفتی زید صاحب نے انجام دیا ہے، حضرت قاری صاحب کی حیثیت ایسی معروف شخصیت ہے کہ ان کا نام ہی علم وارشاد کے حلقوں کے لئے کافی ہے، وہ علمی وتربیتی خوبیوں کے ساتھ بڑے اللہ والے بزرگ شخصیت کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے مضامین اور ملفوظات اور درسی افادات دیکھ کر ان کی علمی اور دینی عظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، ان کے یہ تفسیری افادات بھی اس کی بڑی دلیل ہیں، ان سے عام مسلمان اور اہل علم دونوں

اچھا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن ان کے افادات علمیہ ودینیہ کی افادیت کا سلسلہ برابر قائم ہے، اوراس میں مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی کی فکر وتوجہ کا بڑا دخل ہے، وہ اپنے عہد کے بزرگوں کے افادات کو محفوظ اور عام کرنے کا کام بہت توجہ اور قابلیت سے کرتے ہیں، اوراس میں اپنی علمی ودینی صلاحیت سے اس میں مدد لیتے ہیں، جوایک بہت اچھا علمی ودینی کام ہے، وہ خود بھی معروف عالم دین ہیں، ہم اس پر اپنی قدر دانی کا اظہار کرتے ہیں۔

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا سید حبیب احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم
ناظم جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ
جانشین حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ

''ہتورا'' کی گمنام بستی سے یتیمی کاداغ سینہ پر سجائے ایک خاک کا پتلا اٹھا، گاؤں کے مکتب سے بابرکت علمی وروحانی سفر کا آغاز کیا کانپور، پانی پت، ٹونک، مظفر پور، دھلی، مرادآباد کے چمن زاروں اور علمی اورادبی گلستانوں سے اکتساب فیض کرتا ہوا سہارنپور کے آبِ حیواں پر پہنچا، سیراب ہوااور جی بھر کر سیراب ہوا۔

زہدواتقاء، انسانیت اور آدمیت، علم وعمل کا پیکر جمیل، عزم واستقلال کا کوہ گراں، دنیائے فضل وکمال کا تاجدار، آسمانِ رشدوہدایت کا بدرِ تمام، گونڈہ وفتح پور کو ضیاء بار بناتا ہواارضِ وطن لوٹا، اورارتداد کی بادسموم سے جھلسی بستیوں کو فکرومحنت کا میدان بنایا، محنتیں باثمر ہوئیں، خدابیزاری کا طوفان تھما، لوگ حظیرہ ایمان میں پھر سے اقامت گزیں ہوئے۔نونہالانِ امت کو علم ومعرفت کا تازہ بہ تازہ آکسیجن مہیا رہے اس جذبہ سے سرشار ہو کر اس فرید دہر، یگانۂ روزگار، جنیدوقت اور شبلی زمانہ نے ایک تربیت گاہ کی داغ بیل ڈالی جسے دنیا ''جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ'' کے مبارک نام سے جانتی ہے۔یہ مرد باصفا راقم السطور کے والدِ گرامی عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ ہیں۔

غمِ امت جن کی غذا تھی، اشاعتِ دین، اصلاحِ فرد اور تشکیلِ معاشرہ جن کے شب وروز تھے، لذاتِ دنیا اور تنعّماتِ زیست سے کنارہ کش ہوکر قریہ بہ قریہ کُو بہ کُو ایمان وعمل کی منادی کرتے، غافلوں کو جگاتے، پھوٹی قسمت والوں کو سنوارتے، ڈگمگاتے ہوؤں کو سنبھالتے اور نصیبہ وروں کو واصل بحق بنادیتے۔

سنگلاخ علاقوں اور بنجر زمینوں میں اپنے سوز دروں اور قلب بے تاب کی تپش سے ایمان ویقین کی جوت جگادیتے، زندگی کیا تھی! حرکتِ مسلسل، ریاضت ومجاہدہ، درس وتدریس، ذکر وتذکیر، وعظ وتلقین، تصنیف وتالیف، خدمتِ خلق، اخلاق واحسان کی جلوہ نمائی، جو، ان سے چھوگیا وہ بامراد ہوگیا، جو، ان سے قریب ہوا اسے شوق کے پر لگا کر اور اس کی خاک کو جگنو بنا کر اڑایا۔

انہیں طالع یاور اور بخت رسا لوگوں میں مکرمی مفتی محمد زید صاحب ہیں جو حضرت والد صاحب کے خلوت اور جلوت کے حاضر باش لوگوں میں سے تھے۔ خوب خدمت کی اور خوب ،خوب دامنِ مراد کو گوہر ہائے نایاب سے بھرا، اعتماد کی دولت پانے میں کامیاب ہوئے۔

حضرت ممدوح کے دُروس پابندی سے قلمبند کرتے رہے۔ حضرت والد صاحبؒ جملہ خوبیوں کے ساتھ ایک کامیاب اور باکمال مدرس بھی تھے، حضرتؒ کا درسِ بخاری شریف اور درس جلالین شریف بڑی اہمیت کا حامل ہوتا، فنایت اور عشقِ نبوی میں ڈوب کر کلامِ الٰہی کی ترجمانی اور احادیث رسول کا بیان ہوتا، جو سنتا دم بخود ہوکر رہ جاتا، دل کی کیفیت بدل جاتی اور حرارتِ ایمان کی تپش بڑھ جاتی، سبق کیا ہوتا علم وعرفانی کی بزم سجی ہوتی، سوختہ جاں آتے اور منزل جاناں کا سراغ پاجاتے، تشنہ لب آتے اور شادکام ہوکر جاتے، مےنوشوں کا جمگھٹ ہوتا اور وسیع الظرف ساقی دونوں ہاتھ بھر بھر کر جام لنڈھاتا ؎

یہ رتبہ بلند ملا جسے بس اس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

یہ گنہگار بھی حضرت والد صاحبؒ کے درسِ جلالین میں شریک ہوا کرتا تھا، مفتی زید صاحب بڑے اقبال مند ہیں کہ جنھوں نے دل کے کانوں سے وہ دروسِ قرآنی سنے اور نہ صرف یہ کہ لوحِ قلب پر انہیں نقش کیا بلکہ افادۂ عام کی غرض سے سینہ سے سفینہ پر لے آئے اور پانچ پاروں کی تفسیر پر مشتمل افاداتِ درس کی پہلی قسط شائقین علم وعرفان کی جناب میں ہدیۂ قلب ونگاہ کر دیا۔

دل سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والد صاحبؒ کے ان علمی شہ پاروں کو قبولِ عام عطا فرمائے اور مفتی صاحب موصوف کو تمام محبین ومتوسلینِ حضرت کی طرف سے مبارکباد ہو اور اس جانفشانی کا بہترین بدلہ اور دارین میں عزت وسرخروئی مرحمت ہو۔

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

حبیب احمد باندوی

خادم جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ، (یوپی)

۷/۲/۱۴۳۳ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد عبید اللہ صاحب الاسعدی مدظلہٗ العالی

استاد حدیث وصدر مفتی جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندوی علیہ الرحمۃ ایک جامع کمالات وصفات شخصیت کے مالک تھے معرفت میں بلند پایہ کے ساتھ علم کے بحر زخار تھے ہرفن سے مناسبت، اس کے باکمال مدرس وشارح تھے ان کے درس کے شرکاء نیز ان کی تصنیفات اس کی شاہد ہیں۔

حضرت نے دوسرے علوم کے ساتھ تفسیر وحدیث کا بھی درس دیا اور حق ادا کیا، تفسیر کے درس کے قیمتی علمی افادات کو برادر مکرم جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب زیداحترامہٗ (استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے ضبط کیا جیسے انہوں نے حضرت کے دوسرے افادات کو جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

زیر نظر کتاب حضرت کے قرآنی وتفسیری افادات کا ایک حصہ ہے جس کو برادر مکرم نے جمع وترتیب وتہذیب کے بعد شائع کیا ہے۔ حق تعالیٰ قبول فرما کر اس کے نفع کو عام فرمائے۔

فقط محمد عبید اللہ اسعدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

علمی واصلاحی افادات قرآن وحدیث کی روشنی میں

احقر جامع ومرتب نے حضرتؒ کا درس قرآن ودرس بخاری جلد اول لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے پسند فرمایا اور جا بجا اصلاحات بھی فرمائیں، نشر واشاعت کی غرض سے احقر نے جو مقدمہ لکھا تھا وہ بھی حضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا، حضرت نے بغور اس کو ملاحظہ فرمایا، اور مشورے بھی دیئے، یہ مقدمہ حضرتؒ کا نظر فرمودہ وتصحیح کردہ ہے۔(مرتب)

حضرت اقدسؒ کے افادات کا معتد بہ حصہ درس قرآن ودرس حدیث سے ماخوذ ہے، اور آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ نیز قصص وحکایات سے نتائج ونصائح اور عبرت کے مضامین مستنبط کرنے کا سلسلہ بہت قدیم ہے، اگرچہ بعض اصولیین کی تصریح کے مطابق وہ آیات قرآنیہ جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کی کل تعداد پانچ سو ہے، لیکن ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

اذغالب القرآن لا یخلومن ان یستنبط منه حکم شرعی"

(التقریر والتجبیر ص ۲۹۳)

یعنی قرآن کا اکثر وبیشتر حصہ ایسا ہے جس سے کوئی نہ کوئی حکم شرعی ضرور مستنبط ہوتا ہے

نجم الدین طوفی الحنفی ''شرح ابن بدران علی روضۃ الناظر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

والصحیح ان هٰذاالتقدیر غیر معتبر، وان مقدار ادلةالأاحکام فی ذالک غیر منحصرة۔

فان احکام الشرح کماتستنبط من الاوامر والنواهی کذالک

تستنبط من الأقاصيص والمواعظ ونحوها فقل ان يوجد فی القرآن الکريم آية الا ويستنبط شیء من الاحکام۔

''یعنی شرعی احکام جسطرح اوامر ونواہی سے مستنبط ہوتے ہیں اسی طرح واقعات اور مواعظ سے بھی مستنبط ہوتے ہیں، شاید ہی کوئی آیت ایسی ہو جس سے کوئی نہ کوئی حکم مستنبط نہ ہوتا ہو، (شرح ابن بدران ص۲۰۴ ج ۲، اسلامی عدالت ص ٦٦)

واقعات سے احکام مستنبط کرنے کی مثالیں متقدمین کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا واقعہ جو سورۃ کہف اور حدیث کی کتابوں میں آیا ہے۔ علامہ عینیؒ پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد حدیث کی تشریح کے ضمن میں فرماتے ہیں ''**ذکر مایستفاد منها** '' کہ اس واقعہ سے بہت سے فوائد معلوم ہوئے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ:

(۱) موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق سفر کے حال سے معلوم ہوا کہ عالم کو اپنے کسی چھوٹے سے خدمت لینا، اور خادم کا کھانا پانی عالم کی خدمت میں پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں، **لابأس علی العالم ان يخدمه علی المفضول۔**

(عینی ص ٦٥ ج ۲)

(۲) اور فرماتے ہیں: **فيه جواز سؤال الطعام عندالحاجة** یعنی حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت کھانے کا سوال کرنا جائز ہے۔ (ص۱۹۲ ج ۲)

(۳) حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ازواج سے ناراضگی اور صحابہ کے درمیان طلاق کی شہرت کا ذکر پھر حضرت عمر کا اپنی بیٹی حفصہ کے یہاں جانے کا تذکرہ آیا ہے۔ اس حدیث کے تحت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **فيه جواز دخول**

الآبـاء عـلـى البنات بغير اذن ازواجهن والتفتيش عن الاحوال سيما عما يتعلق بالمزاوجة ، وفيه جواز ضرب الباب ودقه (عینی ص۱۰۵ج۲)

''یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ والدین کا اپنی بیٹی کے پاس ان کے شوہر کی اجازت کے بغیر آنا جائز ہے ، نیز بیٹی کے احوال ،خیریت وغیرہ خصوصا وہ احوال جو ازدواجی معاملات (یعنی اختلاف وغیرہ) سے متعلق ہوں ضرورت کے وقت ان کی تفتیش کرنا جائز ہے، نیز اس حدیث سے دروازہ کے کھٹکھٹانے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

(۴) امام مسلمؒ نے کتاب الوصیۃ میں حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفاۃ اور شدت تکلیف کا ذکر ہے۔اس کے تحت امام نوویؒ شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ خطرناک سے خطرناک مہلک مرض نہ تو نبوت کے منافی ہے اور نہ ہی یہ کوئی بری حالت کی علامت اور دلیل ہے، **مـنـهـا أن الامراض ونحوها لاتنافى النبوة ولا تدل على سوء الحال۔**

(مسلم شریف ص۱۷۱ج۲)

بطور نمونہ کے یہ چند مثالیں ہیں ورنہ اس قسم کے استنباطات بکثرت محدثین ومفسرین نے تحریر فرمائے ہیں ۔ ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس طرح کے استنباطات خاص تصوف کے موضوع پر بکثرت تحریر فرمائے ہیں ،چنانچہ بیان القرآن میں تصوف کے مسائل کو آیات قرآنیہ سے ثابت اور مؤید فرمایا ہے جسکا عنوان ''مسائل السلوک'' ہے جو مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے، نیز احادیث سے بھی اس طرح کے استنباطات کئے ہیں چنانچہ التشرف اور التکشف کا خاص موضوع ہی یہی ہے۔

اسی نوع کے ہمارے حضرت کے بھی افادات ہیں جن کا کوئی خاص موضوع متعین نہیں بلکہ حالات حاضرہ ،اصلاح معاشرہ اور ضرورت کے مطابق جو مضمون بروقت حضرت کے ذہن میں آیا بلا تکلف حضرت نے بیان فرمادیا بسا اوقات مہمان بھی

شریک درس ہوتے تھے اس وقت سلسلۂ کلام طویل ہوجاتا تھا۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں جب کہ وہ اپنی اہلیہ کی راحت رسانی کے لئے آگ لینے جارہے تھے۔حضرت نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کو اپنی بیوی کی راحت کا خیال رکھنا چاہئے ،ضرورت کی اشیاء خود مہیا کرنا چاہئے۔ ہمیشہ اس سے خدمت ہی نہ لیتا رہے بلکہ ضرورت کے وقت اس کو راحت بھی پہنچائے ،اور مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے مفصل واقعہ کے ضمن میں جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو غائب پایا حضرت نے بیان فرمایا کہ:اس سے معلوم ہوا کہ بڑے اور ذمہ دار کو چاہئے کہ اپنے ماتحتوں اور چھوٹوں کی نگرانی کرتا رہے، اور ان کی حاضری بھی لیتا رہے ، غیر حاضر ہونے پر تنبیہ وتہدید بھی کرے ، عذر پیش کرے تو اس کی تحقیق کرے ،معقول عذر ظاہر ہونے پر عفو کا معاملہ کرے۔

اور مثلا بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے حضرت علی کو وہاں نہ پایا معلوم ہوا کہ ناراض ہوکر چلے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے ، دیکھا کہ زمین پر لیٹے ہوئے ہیں، آپ نے شفقت سے فرمایا''قم یاابا تراب''پورواقعہ حدیث پاک میں موجود ہے۔

حضرت والا اس حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں کسی وجہ سے اختلاف ہوجائے تو میاں صاحب کو یہ نہیں چاہئے کہ غصہ میں آکر بیوی سے لڑنے بیٹھ جائیں بلکہ اس وقت شوہر کو علیحدہ ہوجانا چاہئے ،یہی طریقہ قرآن نے بیان کیا ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف زوجین کے وقت لڑکی والوں کو یہ نہیں چاہئے کہ ہمیشہ بیٹی ہی کی طرفداری کریں اور بیٹی کی حمایت میں اس کے شوہر سے لڑنے جھگڑنے اور سختی کا برتاؤ کرنے لگیں، اور اس موضوع پر حضرت نے تفصیلی کلام فرمایا۔بس صرف اسی نوع کے افادات احقر نے درس قرآن وحدیث سے جمع کئے ہیں۔

ورنہ یہ افادات درس قرآن وحدیث اس معنی کر نہیں ہیں کہ ان میں آیات واحادیث کی تفسیر وتشریح اور ان کا شان نزول وشان ورود، سیاق وسباق اور دیگر علمی مباحث ذکر کئے گئے ہوں، بلکہ احقر نے صرف علمی واصلاحی افادات ہی کو ضبط کرنے کا اہتمام کیا ہے جس کا معتدبہ (سات پارے) حصہ حضرت نے خود ملاحظہ فرمالئے ہیں۔

البتہ اس طرح کے فوائد سے بظاہر تفسیر بالرای کا شبہ ہوسکتا ہے، لیکن یہ شبہ تفسیر بالرای کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔

علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے فیض الباری کتاب التفسیر میں اس کی حقیقت بیان فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ''تفسیر بالرای کا مصداق صرف یہ ہے کہ ایسی تفسیر جو کسی متواتر مسئلہ یا اسلاف کے متفق علیہ عقیدہ کے خلاف ہو، بس یہ تو تفسیر بالرای ہے، ورنہ عمیق علم، صحیح فکر، ثاقب ذہن کے ساتھ جو بات (آیت یا حدیث کی روشنی میں) سمجھی سمجھائی جائے وہ تفسیر بالرای نہیں بلکہ یہ تو علماء راسخین کا حصہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ مفسرین کی تفسیریں اس نوع کی تفسیر سے بھری پڑی ہیں۔

ان التفسير اذالم يوجب تغييراً لمسألة اوتبديلا في عقيدة السلف فليس تفسيراً بالرأى، فاذااوجب تغييراً لمسألة متواترة أوتبديلا لعقيدة مجمع عليها فذالك هو التفسير بالرأى، وهذاالذى يستوجب صاحبه النار ،وحينئذٍ لاقلق فيما فسره المفسرون من أذهانهم الثاقبه وأفكارهم الصحيحة،ومن يطالع كتب باالتفسير يجدها مشحونة تفسير بالرأى فهذالنوع من التفسير بالرأى حظ أولى العلم ونصيب العلماء المستنبطين (فيض البارى شرح بخارى ص ١٥٠ ج ٤)۔ [1]

[1] حضرتؒ نے مقدمہ کو ملاحظہ فرمایا اس وقت احقر نے عرض کیا کہ اس عبارت کو حذف کردیا جائے، حضرت نے فرمایا نہیں اس کو باقی رکھو۔

اس لئے حضرت والا کے افادات میں اگر واقعی ایسا کوئی مضمون ہو جو نصوص اور فقہاء کی واضح تصریحات، یا متفق علیہ مسائل یا اسلاف کے عقیدہ وعمل کے خلاف ہے تو ظاہر ہے کہ وہ بلا دلیل شرعی ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگا، اس پوری تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان افادات کو ملاحظہ فرمایئے، اہل علم کسی علمی غلطی پر مطلع فرمائیں گے ان کا ممنون ہوں گا، اس نوع کے افادات کی بڑی خوبی یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں جن کو احقر ضبط کرتا رہتا تھا، بسا اوقات بروقت ضبط نہ کر سکنے کی وجہ سے تاخیر سے ضبط کرنے کا موقع ملا اس لئے ممکن ہے کہ پوری بات حضرتؒ کے الفاظ میں نہ آسکی ہو، لہٰذ عبارت میں کسی نوع کا سقم یا تکرار محسوس فرمائیں تو اس کو احقر کا قصور سمجھیں۔

اخیر میں تمام قارئین سے درخواستِ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اپنی رضا، وخوشنودی، اور احقر کی نجات اور حضرت اقدس کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین یارب العالمین وماتوفیقی اِلا باللہ علیه توکلت وِالیه اُنیب ربنا لاتـؤاخذنا ان نسینا أو أخطأنا ،ربنا تقبل منااِنک أنت السمیع العلیم، وتب علینـا انک أنـت التـواب الـرحیـم ، سبـحـان الـلہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العـظیـم،سبـحـان ربک رب العـــزۃ عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمدوعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین ، برحمتک یاارحم الراحمین۔

حررہ العبد محمد زید غفرلہٗ
الجامعۃ العربیۃ ہتورا ضلع باندا، ۱۹/ اگست ۹۷ء

افاداتِ درسِ قرآن

سورۂ کہف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات درسِ قرآن سورۂ کہف

سورۂ کہف کی خصوصیت اور اس کے فضائل

سورۂ کہف کی بہت سی خصوصیات ہیں، ایک تو یہی کہ یہ سورت ایسی ہے کہ ایک ہی مرتبہ میں پوری سورت نازل ہوئی، اور اس سورت کو ستر ہزار فرشتے لے کر نازل ہوئے تھے۔ اس سورت کے فضائل اور خواص میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن اس سورت کو پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی میں ایک ایسا نور پیدا فرما دیتا ہے جو دوسرے ہفتہ تک باقی رہتا ہے، زمین سے آسمان تک اس کے لئے نور ہوتا ہے۔

جمعہ کے دن اس سورت کو پڑھ لینے سے ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور دوران ہفتہ اگر دجال کا ظہور ہوگا تو اس کے شر سے وہ شخص محفوظ رہے گا۔ اس سورت کی شروع اور اخیر کی آیات کو اگر کوئی شخص پڑھ لیا کرے تو وہ بھی دجال کے شر اور فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

سورۂ کہف کا شانِ نزول اور انشاء اللہ کہنے کی اہمیت

اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ قریش کے کچھ سمجھدار قسم کے لوگوں نے حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کی تحقیق کرنا چاہی، اور کہا کہ اگر واقعی یہ سچے نبی ہیں تو ان کی بات مان لینا چاہئے، علماء یہود سے اس کی تحقیق کی تو انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو ہم تم کو کچھ سوالات بتلاتے ہیں وہ سوالات تم جا کر محمد ﷺ سے کرو، اگر ان کے جوابات وہ دے دیں تو سمجھو کہ واقعی سچے نبی ہیں، کیوں کہ نبی کے علاوہ کوئی شخص ان سوالوں کے جوابات نہیں دے سکتا، یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے گئے اور جا کر پہلا سوال یہ کیا کہ:

روح کیا چیز ہے؟ دوسرا سوال یہ کیا کہ ان سات آدمیوں کا کیا قصہ ہے جو ایک غار میں جا کر چھپ گئے تھے؟ تیسرا سوال یہ تھا کہ وہ کون ہے جس نے دنیا کے ایک کونے سے

دوسرے کو نے تک سفر کیا اور پوری دنیا میں سلطنت کی؟

حضور ﷺ نے ان کے سوالوں کے جوابات کی بابت فرمایا کہ کل بتلاؤں گا اور انشاء اللہ کہنا بھول گئے، کئی دن گزر گئے اور وحی نازل نہ ہوئی۔ حضور ﷺ سخت پریشان ہو گئے اور یہ کفار و یہود بڑے خوش تھے کہ دیکھو جواب نہیں دے سکے، جھوٹے نبی ہیں، لوگوں میں اس کا شہرہ ہو گیا کہ یہ جھوٹے نبی ہیں۔ (نعوذ باللہ)

آپ کو بے حد افسوس اور رنج و غم تھا، ایک تو اس بات کا کہ وحی کیوں نہیں آ رہی؟ تقریباً پندرہ دن تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، دوسرے کفار کے طعنے کہ نعوذ باللہ یہ جھوٹے ہیں، ان کے اللہ نے ان کو چھوڑ دیا اور اس سے بھی کہ دشمنوں اور مخالفین کو ہنسنے کا موقع ملا جو نہایت تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔

معمولی غلطی میں بھی گرفت ہوسکتی ہے لہٰذا ہر شخص کو ڈرتے رہنا چاہئے

ایسی حالت میں آپ کتنا پریشان ہوئے ہوں گے اور آپ پر کیا گزری ہوگی، پندرہ دن کس مصیبت سے کٹے ہوں گے، نبی کو کتنا کسا گیا اور کتنا رلایا گیا جس سے جتنا کام لینا ہوتا ہے اس کو اتنا کسا بھی جاتا ہے۔ معمولی معمولی باتوں میں گرفت اور پکڑ ہوتی ہے، غیر اختیاری مجاہدے کرنے پڑتے ہیں۔ پندرہ دن کے بعد وحی نازل ہوئی:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَداً اِلَّآ أَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ کہ آپ کسی کام کے بارے میں یہ مت کہئے کہ میں کل اس کو کر دوں گا مگر یہ کہ انشاء اللہ کہہ لیا کیجئے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب معمولی سی غلطی کی بنا پر سید الانبیاء کی گرفت ہوسکتی ہے وہ بھی ایسی غلطی جو آپ سے سہواً ہوگئی تھی، آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔ ایک معمولی چیز کے چھوٹ جانے سے جب اتنی گرفت ہوگئی تو کیا غیر نبی کی گرفت نہیں ہوسکتی، حالاں کہ

دیکھنے میں معمولی سی بات تھی کہ انشاء اللہ نہیں کہا، توکل آپ کا اللہ ہی پر تھا، صرف زبان سے انشاء اللہ نہیں کہا تھا اس پر اتنی گرفت ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سی باتیں دیکھنے میں معمولی ہوتی ہیں، لیکن وہ معمولی نہیں ہوتیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی اہمیت ہوتی ہے، ان کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، لوگ سنتوں کو معمولی چیز سمجھتے ہیں اور ان کو چھوڑ دیتے ہیں، بسا اوقات اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔

اصحاب کہف کا مختصر واقعہ

اصل قصہ یہ ہوا تھا کہ اصحابِ کہف کے زمانہ میں لوگ بت پرستی کا شکار تھے، اس زمانہ کا بادشاہ بھی بت پرست تھا، اس علاقہ میں ایک میلہ لگتا تھا، جس میں خوب کھل کر بت پرستی ہوتی تھی، بادشاہ کا حال یہ تھا کہ اپنے کو سجدہ کرواتا تھا۔ ایک مرتبہ میلہ میں جب بت پرستی ہو رہی تھی تو کچھ لوگ اس سے بیزار ہو کر علیحدہ آ کر بیٹھ گئے اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کیوں بیٹھے ہیں، جب گفتگو ہوئی تو ہر ایک نے یہی وجہ بیان کی کہ بت پرستی سے بچنے کی وجہ سے میں یہاں بھاگ کر آ گیا، اس طرح ایک جماعت بن گئی ان سب نے مشورہ کیا کہ ہم کو تو واقعی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنی چاہئے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے، ان بتوں نے تو ہم کو نہیں پیدا کیا۔ اس کی اطلاع جب بادشاہ کو پہنچی تو بادشاہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور تحقیق کی کہ یہ کون لوگ ہیں، ان میں سے بعض لوگ وہ تھے جو سابق بادشاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، شاہی جوڑا ان کے بدن پر تھا، بادشاہ نے ان کو اپنے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا، لیکن ان سب نے انکار کر دیا، بادشاہ بہت برہم ہوا، اور شاہی جوڑا ان کے بدن سے اتروا کر ننگے بدن کر دیا اور کہا کہ مجھ کو تمہاری نوجوانی پر رحم آتا ہے، ورنہ ابھی میں تم کو قتل کر دیتا، تم کو مہلت دی جاتی ہے، سوچنے کا موقع دیا جاتا ہے، غور کر لو ورنہ میں سخت قسم کی سزا دوں گا۔ اسی درمیان میں وہ لوگ بھاگ نکلے اور ایک غار میں جا کر پناہ لی۔

مبہم چیزوں کو مبہم ہی رہنے دو

وہ غار کہاں ہے؟ اور وہ لوگ کہاں کس جگہ موجود ہیں؟ اس کا صحیح علم تو بجز اللہ کے کسی کو نہیں، ظنی طور سے بہت سے لوگوں نے باتیں کہی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ غار عراق میں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ شام میں ہے، متعدد اقوال ہیں۔

ایک غار کے بارے میں بہت شہرت تھی کہ اصحابِ کہف کا یہی غار ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ وہاں جانے کا ارادہ کیا، چند لوگوں کو اپنے ساتھ لیا، لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا کہ جب حضور ﷺ کو دیکھنے سے اشارۃً منع فرمایا گیا ہے۔ لَوَلّیْتَ مِنْھُمْ رُعْباً۔ تو پھر آپ کیوں دیکھنے جائیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ زندہ تھے، اب وہ بات نہیں رہی، چناں چہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، لیکن اس قدر طوفان آیا کہ واپس آ گئے۔

اور بہت سے لوگوں نے متعدد واقعات بتلائے کہ فلاں مقام پر تابوت ملے اور ایک کتے کا ڈھانچہ ملا۔ الغرض اس سلسلہ میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یقینی علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، اور اس کی تحقیق اور کاوش میں زیادہ نہ پڑنا چاہئے۔ فرمایا گیا ہے: اَبْھِمُوْا مَا اَبْھَمَ اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو مبہم رکھا ہو تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو) کیوں کہ اس تحقیق سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی یہ مقصود ہے، اصل چیز جو مقصود ہے وہ خود اس واقعہ کے اندر موجود ہے۔

واقعہ کا مقصد

مقصود تو صرف یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ باطل کے مقابلہ میں کچھ اہل حق کھڑے ہوئے ہیں، اور انہوں نے اہل باطل کی مخالفت اور ان کا مقابلہ کیا ہے، بادشاہ بھی ان کے مخالف ہو گیا تو ان اہل حق نے بادشاہ کا بھی مقابلہ کیا، لیکن حق کا دامن نہیں چھوڑا پھر اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔

دعوت وتبلیغ کا اہم اصول اور مبلغین کو ضروری ہدایت

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ عَلیٰ اٰ ثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُوْمِنُوْا بِھٰذَاالْحَدِیْثِ اَسَفًا : کفار کی حالت کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان اور رنجیدہ ہوتے تھے، ان کی حالت پر افسوس کرتے تھے کہ آخر یہ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی اور فرمایا کہ شاید آپ اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے، اس بنا پر کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، آپ کے ذمہ فرض نہیں ہے کہ وہ ایمان ہی لے آئیں، ہم آپ سے اس کی باز پرس نہ کریں گے کہ وہ ایمان کیوں نہ لائے تھے، آپ کا کام تو محض تبلیغ کر دینا ہے۔ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلاَ غُ ۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ داعی کی طبعیت اور اس کا مزاج ایسا ہونا چاہئے کہ دوسروں کی بدحالی اور بات نہ ماننے پر رنج وافسوس ہو، یہ طبعی اور فطری بات ہے، سچے داعی میں یہ فطری غم ضرور ہوگا، اس کو اس بات کی کڑھن ہوگی کہ یہ لوگ راہِ راست پر کیوں نہیں آجاتے۔

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ داعی کا مزاج تو ایسا ہوتا ہے (کہ اس کو لوگوں کی بدحالی دیکھ کر بے انتہا رنج ہوتا ہے) لیکن داعی کو چاہئے کہ وہ یہ نہ دیکھے کہ ہم نے جو کیا ہے اس کا ثمرہ اور نتیجہ سامنے آیا یا نہیں، لوگ ہماری بات مانتے ہیں یا نہیں؟ بلکہ وہ تو صرف یہ دیکھے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں یا کہہ رہا ہوں، واقعی اس کا حق ادا ہو رہا ہے یا نہیں؟ بس اپنے اختیار میں جتنا ہو کرتا رہے، ثمرات پر نظر نہ کرے اور کسی کے پیچھے نہ پڑے کہ فلاں شخص بات کیوں نہیں مانتا؟ ثمرات اور نتائج کے پیچھے پڑے گا تو کام ہی نہ کر سکے گا، جس قدر کاوش کرے گا پیچھے پڑے گا اور نتائج کا منتظر رہے گا، اس کے رنج وغم میں اضافہ ہی ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی تعطل کا شکار ہو جائے گا، جو کر رہا ہے وہ بھی سب چھوٹ جائے گا، یہ بھی شیطانی چال ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے محنت کی اور ثمرات پر نظر نہیں کی، انسان تو محنت کرنے کا مکلّف ہے، ہدایت اس کے اختیار میں نہیں، محنت پر نتائج مرتب کرنا، اس میں کامیابی اور

ہدایت دینا یہ تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور یہ اسی کا کام ہے۔ باقی لوگوں کے ایمان نہ لانے پر جو رنج ہوتا ہے اس میں بھی اجر وثواب ملتا ہے، اتنا غم نہ ہونا چاہئے کہ آدمی مایوسی اور تعطل کا شکار ہو جائے، اس درجہ غم سے نبی کو بھی منع کیا گیا۔

مبلغین کو ایک اہم ہدایت

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ: بعض کفار اللہ تعالیٰ کے لئے ولد (لڑکا) ہونا ثابت کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی اذیت پہنچتی تھی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کتنی بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور یہ جملہ کتنا سخت ہے، اللہ پر صریح بہتان ہے۔

کلمة: کہنے میں کہ یہ حکمت معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ کلمة کے معنی زخمی کر دینے اور چھید دینے کے ہوتے ہیں، (کیوں کہ یہ مشتق ہے کلم سے اور اس کے یہی معنی ہوتے ہیں) قول میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی کہ یہ باتیں جس طرح ہم برداشت کر رہے ہیں تم بھی برداشت کرو، جو شخص اس قسم کی باتیں کہے اس کو نظر انداز کر جاؤ، ہر مبلغ اور داعی کی یہی شان ہونی چاہئے۔

کسی کی برائی کرنے کا اثر نہ لینا چاہئے

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ: حضرت تھانویؒ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص آپ کی بہت برائی کرتا ہے، ایسی ایسی باتیں کہتا ہے کہ سنا نہیں جاتا، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ برداشت نہیں ہوتا تو نہ سنا کرو، وہاں بیٹھا ہی نہ کرو، وہاں بیٹھتے کیوں ہو؟ حضرتؒ نے اس کے اس طرح کہنے کا کچھ اثر ہی نہ لیا، اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ اگر کوئی کسی کو کچھ کہہ دے تو زیادہ اثر نہ لینا چاہئے، اس کے پیچھے اور تحقیق میں نہ پڑ جائے، کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ اپنا معاملہ خدا سے صاف ہونا چاہئے۔

انسان کی سب سے اچھی حالت، حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کے پاس لکھا کہ آں عزیز کے عرصہ سے حالات نہیں معلوم ہوئے، حضرت گنگوہیؒ نے جواب تحریر فرمایا: حضرت میں کیا اور میرے حالات کیا ہاں حضرت اقدس کی جوتیوں کے طفیل اتنی بات ضرور ہے کہ احقر کی نگاہ میں مادح اور ذام سب برابر ہیں (یعنی تعریف کرنے والا اور مذمت کرنے والے سب برابر ہیں) یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، اور آسانی سے حاصل نہیں ہوتی، بڑے مجاہدوں اور نفس کو کچلنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، یہ کیا کہ اگر کسی نے تعریف کردی تو پھول کے کُپّا بن گئے، پھولے نہیں سمارہے، اور اگر کسی نے برائی کردی تو آگ بگولہ ہوگئے، آپے سے باہر ہوگئے۔ یہ داعی کی شان نہیں۔

نوجوانی کی اہمیت

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ۔ فــتـــيــه: نوجوان کو کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ کہف نوجوان تھے، نئی عمر کے لوگ تھے، انسان کی اصل زندگی نوجوانی ہی کی زندگی ہوتی ہے، اس عمر میں اپنے آپ کو جیسا بنالے اور ڈھال لے ویسا ہی بن جاتا ہے، پھر اخیر عمر میں اس کے اندر تبدیلی مشکل سے ہوتی ہے، اخیر عمر میں تو اپنے بیتے ہوئے اوقات کو گزارتا ہے۔

جس مقام میں رہ کر اللہ کی عبادت نہ ہوسکتی ہو وہاں سے ہجرت کرجانا چاہیئے

اصحابِ کہف جن کی تعداد سات بتلائی جاتی ہے، ان لوگوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر غار کی طرف ہجرت فرمائی، محض اس وجہ سے کہ ڈر اس بات کا تھا کہ بادشاہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں رکاوٹ ڈالتا تھا، وہ خود اپنی عبادت کروانا چاہتا تھا، اس لئے ان لوگوں نے ہجرت فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی کسی جگہ ایسے حالات آئیں کہ ان حالات میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا مشکل ہو، اور اپنا ایمان بچانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں اس جگہ سے ہجرت کر جانا چاہئے، وہاں سے نکل جانا چاہئے، پھر اپنی راحت اور مصیبت کا خیال نہ کرے اور یہ نہ دیکھے کہ یہاں تو بہت آرام ہے، اور جہاں ہجرت کر کے جانا ہے معلوم نہیں کہ وہاں کچھ انتظام ہو سکے گا یا نہیں، یہ لوگ غار میں چلے گئے تھے، کیا وہاں پر پہلے سے کوئی رہائش کا انتظام تھا یا وہاں پر من وسلویٰ نازل ہوتا تھا؟۔

جو اللہ کے واسطے قربانی دیتا ہے اللہ اس کی مدد فرماتا ہے

حق تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ جو دین کی راہ میں اللہ کے واسطے قربانی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی غیب سے مدد فرماتا ہے، شروع میں کچھ پریشانیاں ہوتی ہیں، لیکن جو اللہ کے واسطے ان پریشانیوں کو برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرماتا ہے، چنانچہ ان اللہ کے بندوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی، اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کی مدد فرمائی۔

اللہ کی طرف سے مدد آنے کی مختلف شکلیں

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی راحت کا انتظام فرمایا اور وہ اس طرح سوئے کہ سونے کی حالت میں ان پر دھوپ نہ آسکی، اور آرام سے وہ لوگ سوتے رہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے سونے کی مدت تین سو سال ہے، اتنی مدت تک سوتے رہنا اور بھوک و پیاس کی وجہ سے بے چین نہ ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔

کرامت کسی کے اختیار میں نہیں

ان حضرات کے سونے کی کیفیت یہ تھی کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور سو رہے ہیں، دیکھنے والا سمجھ رہا ہے کہ یہ جاگ رہے ہیں اور ان پر ایک خاص ہیبت اور رعب طاری کر دیا گیا، یہ سب بھی اللہ کی طرف سے مدد اور بطور کرامت کے تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ دوسرے

لوگ ان کو جاگتا ہوا سمجھ کر ان کا سامان وغیرہ نہ لے جاسکتے تھے، اور ان کا رعب طاری تھا۔ کرامت کسی کے اختیار میں نہیں ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس سے کرامت صادر کروادیتا ہے، ہوسکتا ہے کہ صاحب کرامت کو خود اس کا علم نہ ہو کہ مجھ سے کرامت صادر ہورہی ہے، اتنی مدت تک اس طرح سوئے رہنا یہ ان کی کرامت ہی تو تھی۔ جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں اور دین کے کام میں لگتے ہیں، اس کی خاطر قربانی دیتے ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ ان سے کرامت ظاہر کروادیتا ہے، اور ہر طرح سے اس کی مدد کرتا ہے اور مدد کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے (یعنی کرامت) لیکن یہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے؛ بلکہ من جانب اللہ ہوتی ہے۔

کرامت اس کو کہتے ہیں جو بطور خرق عادت یعنی عادت کے خلاف ہو، اگر متبع شریعت اور متبع سنت سے صادر ہو تو کرامت ہے، ورنہ استدراج، اور اگر نبی سے صادر ہو تو اسی کا نام معجزہ ہے۔

اللہ والوں کی معیت اور ان کی محبت کا فائدہ

اصحابِ کہف کے ساتھ ایک کتا بھی رہا کرتا تھا جو دراصل ان کے گھر کی حفاظت اور چوکیداری کیا کرتا تھا، لیکن جب اصحابِ کہف نے ہجرت فرمائی تو یہ کتا بھی ان کے ساتھ پیچھے پیچھے لگ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو بھی قبول فرمالیا اور قرآنِ پاک میں اس کا بھی ذکر آ گیا۔ جب کتے کے پیچھے لگ جانے کا یہ اثر ہے تو اگر کوئی انسان کسی کا دامن تھام لے، کسی اللہ کے نیک بندے کے پیچھے لگ جائے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہ فرمائے گا؟ اللہ والوں کی محبت بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ والوں کے ساتھ رہ کر ان سے محبت اور ان کی اطاعت کرکے آدمی اپنے کو کامیاب بھی بنا سکتا ہے، اور اگر ان کی ناقدری اور ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرتا ہے تو اپنے لئے ہلاکت کا سامان کرلیتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! قیامت

کب آئے گی؟ حضور نے فرمایا تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے، جو اس طرح کا سوال کررہے ہو؟ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! تیاری تو کچھ بھی نہیں بس اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے، حضور نے فرمایا قیامت کے دن جس کو جس سے محبت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے ساتھ کردیں گے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ کہ انسان کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔

اس لئے اللہ والوں سے تعلق رکھنا چاہئے، ان سے محبت رکھنی چاہئے، اگر محبت نہ ہو تو کم از کم ان کو تکلیف تو نہ پہنچائے ان کو ستائے تو نہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک بزرگ کو کسی نے ستایا پریشان کیا، ان بزرگ نے فرمایا ارے اس سے جلدی انتقام لے لو، بدلہ لے لو، بدلہ لینے میں کچھ دیر ہوئی کہ فوراً ہی اللہ نے اس کو ہلاک کردیا۔ تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ والوں کو ستانے سے ہاتھوں ہاتھ پکڑ ہوتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین، اہل اللہ کبھی کسی سے بدلہ صرف اس واسطے لیتے ہیں؛ تا کہ وہ اللہ کی پکڑ سے بچ جائے، اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے، ان کے بدلہ لینے میں یہ مصلحت ہوتی ہے، وہ لوگ اپنے نفس کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیتے، اس لئے اللہ والوں سے بدگمان نہ ہونا چاہئے۔

دنیا دارالاسباب ہے توشہ رکھنا خلافِ توکل نہیں

اصحابِ کہف نے ہجرت کی تو اپنا توشہ یعنی کھانے پینے کا سامان اپنے ساتھ لے کر گئے، زادِراہ کا انتظام کرکے گئے، روپئے پیسے ان کے پاس جو اس وقت موجود تھے ساتھ لے گئے اس سے معلوم ہوا کہ توشہ کا انتظام کرنا توکل کے خلاف نہیں۔

یہ دنیا دارالاسباب ہے، اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے یہاں تو اسباب کو اختیار کرنا ہی ہوگا، اللہ تعالیٰ کو قدرت تو ہر طرح کی ہے، وہ بغیر اسباب کے بھی کھلا

سکتا ہے، لیکن ہم کواسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، ہم کواللہ تعالیٰ کا امتحان لینے کا حق نہیں ہے کہ دیکھیں اسباب کے بغیر کیسے کھلا سکتا ہے، ہم کوامتحان لینے کا حق کب سے ہو گیا اور ہم ممتحن کب سے بن گئے؟ جس اللہ نے ہم کو پیدا کیا اسی نے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا اس لئے اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔

سفر میں توشہ ساتھ رکھنا چاہئے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کہیں جائے تو اپنا توشہ کھانا وغیرہ ساتھ لے کر جائے اور اگر کسی نئی جگہ بغیر اطلاع کے جائے تب تو ضرور توشہ ساتھ لے کر جائے، لوگ اس کا بہت کم اہتمام کرتے ہیں، اچھے اچھے اور بڑے بڑے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بھی اس کا خیال نہیں کرتے اور بے وقت پہنچ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بڑی پریشانی ہوتی ہے، بہتر طریقہ یہ ہے کہ آدمی کہیں جائے تو اپنا انتظام کر کے دو چار روٹی ساتھ لے کر جائے۔

اور اگر قریب کا سفر ہو تب بھی ساتھ لے کر جائے، معلوم نہیں راستے میں کیا صورت پیدا ہو جائے؟ کہاں ٹھہرنا پڑے، بس ہی خراب ہو جائے، کیا پریشانی لاحق ہو جائے اس لئے قریب کے سفر میں بھی اپنا انتظام کر کے چلنا چاہئے۔

فضول تحقیقات اور بحث مباحثہ سے اجتناب

لِيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ الخ. اصحابِ کہف جب ایک موت کے بعد سو کر بیدار ہوئے تو آپس میں چرچا کرنے لگے کہ کتنی دیر سوئے؟ کتنی دیر میں جاگے؟ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، ایک نے کہا: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ الخ. اللہ جانتا ہے کہ کتنی دیر تم یہاں رہے ہو، اس بحث سے کیا فائدہ؟ فضول بات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، کام کی بات کرو، بھوک لگی ہے کھانے پینے کا نظم کرو یہ کس بحث میں لگ گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ کی فضول بحثیں جن میں کوئی نفع نہ ہو، نہیں کرنا چاہئے،

اس سے بھی نقصان ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو خواہ مخواہ کی بحث کرنے کی سوجھتی ہے، پوچھا کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام کیا تھا؟ یوشع علیہ السلام کے کتنے بیٹے تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں؟ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں کون حق پر تھا؟ ارے اس بحث سے تم کو کیا فائدہ؟ تم تو اپنے کام کی بات پوچھو، اپنی فکر کرو، دوسروں کی فکر میں کیوں پڑتے ہو، ان کے بارے میں تم سے سوال نہ ہوگا، ان کا معاملہ اللہ سے ہے اللہ جو چاہے گا کرے گا، تم کیوں خواہ مخواہ بحث میں پڑتے ہو۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ کسی سے ملاقات کرنے گئے، گھر کے اندر سے آواز آئی کہ نہیں ہیں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ کہاں گئے ہیں؟ حالاں کہ کوئی خاص ضرورت نہ تھی کہ ان کا انتظار یا ان کی تلاش میں لگتے، بس یوں ہی کہہ دیا کہ کہاں گئے، لیکن فوراً خیال ہوا کہ میں نے زبان سے یہ فضول بات کہی، اس کی ضرورت نہیں تھی، لکھا ہے کہ اس فضول جملہ کی وجہ سے سات برس تک روتے رہے، یعنی برابر اللہ تعالیٰ سے روکر استغفار کرتے تھے۔

کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط کی ضرورت

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكىٰ طَعَاماً الخ. اصحابِ کہف نے باہم مشورہ کیا کہ ایک آدمی کو بازار کھانا لینے کے واسطے بھیجو اور جو کھانا لینے جائے اس کو چاہئے کہ اچھی طرح دیکھ بھال کر اچھا اور پاکیزہ کھانا لائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں بہت احتیاط کرنا چاہئے، یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟

آج کل دوسرے ملکوں میں ہوٹلوں میں طرح طرح کا گوشت پکتا اور بکتا ہے اور کچھ

معلوم نہیں کہ کیسا ہے؟ اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے، کیوں کہ اگر پیٹ میں غذا حرام ہوگی تو قلب مکدر ہو جائے گا، عبادت میں جی نہ لگے گا، حرام غذا والے کی نہ تو دعا قبول ہوتی ہے اور نہ عبادت۔

کھانے پینے میں شرکت اور وکالت کی صورت

اصحابِ کہف نے آپس میں چندہ کیا، پیسہ جمع کیا اور ایک آدمی کو کھانا لانے کے لئے وکیل بنایا، اس سے معلوم ہوا کہ اپنا مال دے کر دوسرے کو سامان خرید کر لانے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کئی لوگ ساتھ میں رہتے اور کھاتے پیتے ہوں اور شرکت کا معاملہ ہو تو اس میں پیسے سب کے خرچ ہونا چاہئے کیوں کہ فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقِكُمْ. جمع کا صیغہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شریک کو پیسے دینا چاہئے، دوستی اور تعلقات اپنی جگہ پر لیکن یہاں پر معاملات کی بات ہے، معاملہ صاف ہونا چاہئے اور معاملہ کی صفائی یہی ہے کہ سب کے پیسے برابر برابر خرچ ہوں۔ (جیسا کہ تبلیغی جماعت والے کرتے ہیں)

مسلمانوں کی مظلومیت اور اس کا شرعی حل

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ : آج اس بات کا رونا رویا جاتا ہے کہ مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں وہ ہر طرح سے ذلیل و خوار ہیں ان کی جانوں اور عزت کے ساتھ کھیل کھیلا جا رہا ہے، اس کے لئے آوازیں اٹھائی جاتی ہیں، اخباروں میں مضامین شائع ہوتے ہیں لیکن قرآن و حدیث سے جو روشنی ملتی ہے، اس کے مطابق نہ کوئی عمل کرتا ہے اور نہ ان باتوں کو کوئی اخباروں میں شائع کرتا ہے۔

آدمی جب اللہ کی طرف انابت کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کی آزمائش ہوتی ہے، پریشانیاں اور مصیبتیں آتی ہیں، لیکن جب آدمی ایمان پر ثابت قدم رہتا ہے، اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے تو غیب سے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے، اور ان کو غلبہ بھی نصیب فرماتا ہے،

جیسا کہ اصحابِ کہف کے واقعہ سے ظاہر ہے، آج مسلمانوں پر جو حالات آئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں، اس طرح کے حالات ہمیشہ آتے رہے ہیں، لیکن ہمیشہ رہے نہیں، اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے، لیکن جب اللہ کی طرف انابت اور گناہوں سے معافی ہوتی ہے تو پھر اللہ کی نصرت نازل ہوتی ہے، اور مسلمانوں ہی کو غلبہ نصیب ہوتا ہے۔

لیکن آج ایسے حالات میں مسلمانوں کو اللہ کی طرف انابت نہیں، ایمان میں پختگی نہیں، فسق وفجور اور بے پردگی و بے حیائی کا عام رواج ہے، اس لئے یہ آزمائش عذاب میں تبدیل ہوگئی، ورنہ اگر آج بھی مسلمان اللہ کے سامنے جھک جائیں، اپنے گناہوں سے معافی مانگیں، اللہ کی طرف انابت ہوجائے تو آج بھی کایا پلٹ سکتی ہے۔ اوران کو غلبہ نصیب ہوسکتا ہے۔

بزرگوں کی یادگار

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِداً: اصحابِ کہف جب بازار کھانا لینے کے واسطے گئے تو یہاں تو حکومت ہی بدل چکی تھی، کئی سو برس گزر چکے تھے، جس وقت وہ بھاگ کر نکلے تھے اس وقت مشرک بادشاہ کی حکومت تھی اور اب مسلمان بادشاہ کی حکومت تھی، بازار سے سودا خریدنے کے لئے گئے تو بازار اور عمارتوں کا نقشہ ہی بدل چکا تھا، کھانے کا سامان خریدا اور پیسے دیئے تو ان سکّوں کا چلن بھی بند ہو چکا تھا، ان کو فوراً پکڑ لیا گیا، اس وقت کے بادشاہ کے پاس لے جایا گیا، مسلمان بادشاہ نے حقیقت حال پوچھی، تب انہوں نے پورا قصہ بتلایا کہ ہم لوگ مشرک بادشاہ کے ڈر سے اپنے ایمان کو بچا کر بھاگ گئے تھے، بادشاہ نے پرانی فائلیں تختیاں منگائیں اس میں لکھا ہوا تھا کہ اتنے آدمی فرار ہوگئے ہیں۔ الغرض بادشاہ کو ان کی بڑی قدر ہوئی، اور بہت اعزاز واکرام سے پیش آیا، اس کے بعد وہ لوگ پھر غار میں چلے گئے اور قیامت تک اسی حال میں رہیں گے۔

ایک مدت کے بعد لوگوں نے مشورہ کیا کہ بطور یادگار وہاں مسجد بنائیں گے، کچھ لوگوں نے کچھ اور یادگار عمارت بنانے کا ارادہ کیا، لیکن دین داروں نے مسجد بنانے کی تمنا ظاہر

کی، کیوں کہ اس میں یہ فائدہ ہوگا کہ جب مسجد ہوگی تو اللہ یاد آئے گا، اور اس میں عبادت کی توفیق ہوگی، اور خیال ہوگا کہ یہ لوگ بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے، اللہ نے ان کی اس طرح مدد فرمائی، ہم کو بھی اللہ کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس میں شرک اور بت پرستی کا دروازہ نہ کھلے گا، ورنہ عام طور پر لوگ بزرگوں کی یادگار میں رفتہ رفتہ انہیں مشائخ اور بزرگ کی عبادت کرنے لگتے ہیں اور اس طرح شرک کا دروازہ پھیل جاتا ہے۔

قبر پر مسجد بنانا جائز نہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر گاہ میں (یعنی قبرستان کے کسی حصہ میں) مسجد بنانا جائز ہے لیکن قبر کو مسجد بنانا، قبر پر نماز پڑھنا، اور سجدہ کرنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن)

اصحابِ کہف کے قصہ کا مقصد

اصحابِ کہف کا قصہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مسئلہ ایمان واسلام کی حفاظت کا پیش آ جائے تو اس کی خاطر تمام عہدے، منصب، جاہ وجلال اور شان وشوکت سب کچھ قربان کر دینا چاہئے۔ اور جب اس طرح کے حالات پیدا ہوں تو اصحابِ کہف کا یہ نمونہ سامنے ہونا چاہئے کہ ان اللہ کے بندوں نے ایمان کو بچانے کے لئے کس طرح قربانی دی۔ شاہی لباس تک اتار دیا، وطن کو چھوڑ دیا، جب موقع آ جائے تو ہم کو بھی اس طرح کی قربانی دینی چاہئے، یہ ہے اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد، نہ یہ کہ اصحابِ کہف کی تعداد کتنی تھی، اور وہ کیسے تھے؟ یہ سب تفصیلات مقصود نہیں۔

سہو ونسیان نبوت کے منافی نہیں، حضور ﷺ کے سہو کی حکمت

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایءٍ اِنِّی فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَداً اِلَّا اَنْ یَشَاءَ اللّٰہُ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک بات آئندہ کے لئے ارشاد فرمائی اور انشاء اللہ کہنا بھول گئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سہو ونسیان ہر ایک سے ہوسکتا

ہے، نبی سے بھی ہوسکتا ہے اور سہو ونسیان نبوت کے منافی نہیں، اگر نبوت کے منافی ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہ ہوتا، حالاں کہ آپ سے متعدد بار سہو ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کو نماز میں سہو ہو گیا تھا، آپ نے بجائے تین رکعات کے دو رکعات پڑھا دی تھیں، اسی طرح یہاں بھی آپ سے سہو ہو گیا تھا کہ آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔

اور یہ سہو ونسان آپ سے قصداً کرایا گیا کیوں کہ آپ تو پوری امت کی رہنمائی کے لئے آئے تھے، ناسی (سہو ونسیان والوں) کے لئے بھی آپ رہنما ہیں، آپ سے سہو کرایا گیا تا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اگر سہو ونسیان ہو جائے تو اس وقت کیا کرنا چاہئے؟ نماز میں سہو ہو جائے تو نماز کس طرح ادا کرنا چاہئے؟ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو کرایا گیا؛ البتہ وہ افعال جو شانِ نبوت کے منافی تھے یعنی گناہ کے کام وہ آپ سے نہیں صادر ہوئے، لیکن آپ کی حیات میں صحابہ سے کرائے گئے؛ تا کہ شریعت مکمل ہو جائے اور عملی نمونہ سامنے آ جائے، اگر اللہ کی طرف سے یہ نظام نہ ہوتا تو بعد میں آنے والوں کو پریشانی ہوتی کہ اس حکم پر کس طرح عمل کریں؟ اس لئے بعض بڑے گناہ بھی صحابہ سے ہوئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سہو انسان سے ہوسکتا ہے یہ عیب نہیں ہے، اگر عیب ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہ ہوتا۔

بھولے سے غلطی یا خطا ہو جائے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے گو نسیان کی وجہ سے ہوئی ہو، تب بھی اس کا اثر ضرور مرتب ہوتا ہے، یہ نہیں کہ چونکہ بھولے سے ایسا ہو گیا لہٰذا اس کا اثر مرتب نہ ہو، اگر بھولے سے، دھوکہ سے کوئی شخص زہر کھالے تو اس کا بھی ضرور اثر ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بھول ہی ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وحی آنا بند ہو گئی، آپ سخت بے چینی و پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ الغرض بھولے سے جو غلطی ہوتی ہے اس کا بھی اثر ہوتا ہے لیکن سرزنش اور عتاب نہیں ہوتا، تنبیہ کی جاتی ہے۔

خطا اور غلطی ہوجانے پر اس کی اصلاح ضروری ہے

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر چھوٹوں سے کوئی غلطی ہوجائے اگر چہ نسیان سے ہوئی ہو لیکن اس پر بھی بڑوں کو تنبیہ اور اصلاح ضرور کرنا چاہئے۔

اگر ڈاکٹر نے مریض کو دوا دی اور پرہیز بتلایا، لیکن مریض نے بدپرہیزی کی اس سے نقصان ہوا، ڈاکٹر کو معلوم ہوا کہ اس نے بدپرہیزی کی ہے، جس کی وجہ سے نقصان ہوا، اگر ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ کوئی حرج نہیں، میں اس کی مکافات (تلافی) دوسری دواؤں سے کردوں گا تو مریض اور ڈھیٹ ہوجائے گا، اور بدپرہیزی کی اس کو عادت ہوجائے گی، اس لئے ایسے موقع پر تو ڈاکٹر کو سختی اور ناراضگی ہی کا اظہار کرنا چاہئے کہ خبردار! آئندہ بدپرہیزی نہ ہونی چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سہو ونسیان کی وجہ سے تنبیہ کی گئی تا کہ ہمیشہ کے لئے اصلاح ہوجائے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر غلطی کی اصلاح ضرور ہونی چاہئے، چھوٹوں سے اگر غلطی ہوجائے تو بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی اصلاح کریں۔حضور کے ساتھ یہ معاملہ امت کی ہدایت کے لئے تھا۔

غلطی کی وجہ سے اگر تنبیہ کی جائے تو بددل نہ ہونا چاہئے

اور اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی غلطی پر تنبیہ کی جائے، غلطی ہوجانے پر روک ٹوک اور اصلاح کی جائے تو اس میں ناگواری اور مصلح سے بدگمانی نہ ہونی چاہئے۔اس تنبیہ کو عتاب نہ سمجھے؛ بلکہ خوشی ہونی چاہئے، کیوں کہ ہر چھوٹی بڑی غلطی پر تنبیہ کرنا اور اس کی اصلاح کرنا یہ تو غایت درجہ تعلق اور محبت کی علامت ہے۔

شاہ غلام علی اور مرزا مظہر جانجاناںؒ کی حکایت

شاہ غلام علیؒ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ کے خادم تھے، ایک مرتبہ پنکھا جھل رہے تھے اور مرزا مظہر جانجاناںؒ نہایت نازک مزاج تھے، کبھی تیزی سے پنکھا جھل دیا تو فوراً منع

فرمادیتے کہ ایسے نہیں آہستہ جھلو، کبھی آہستہ اور نرمی سے جھلتے تو فرماتے کہ اس طرح نہیں ذرا تیز جھلو۔ شاہ غلام علی صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت پھر کیسے جھلوں؟ اتنا کہنا تھا کہ مرزا صاحب کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ فوراً نکل جاؤ۔ بے چارے باہر چلے آئے، لیکن رہے وہیں، وہ در نہیں چھوڑا۔

آج اگر کسی کو کوئی کچھ کہہ دے پھر دیکھو کیا حشر ہوتا ہے، دوسروں سے گاتے پھریں گے، اخباروں میں بدنام کریں گے، لیکن جب دل میں سچی محبت اور طلب ہوتی ہے تو یہ سب کچھ نہیں سوچتا؛ بلکہ ان کو راضی کرنے کی فکر رہتی ہے۔ یہ بے چارے پریشان تھے، اندر جانا بند تھا تو باہر ہی رہے وہیں چکر لگاتے رہے اور بے چین تھے کہ کوئی تدبیر ایسی ہو جائے کہ اندر جانا نصیب ہو جائے، لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہ آتی تھی، سچا عاشق اور طالب اسی کو کہتے ہیں۔ شاہ غلام علی گئے نہیں وہیں چکر لگاتے رہے پھر ایک وقت آیا کہ مرزا صاحب نے گلے سے لگا لیا، یہ ہے ان کا قصہ۔ اس کے بعد بنے ہیں شاہ غلام علی، پھر لاکھوں کو ان سے فیض پہنچا ہے۔ آدمی پہلے جب مجاہدہ کرتا ہے سختی جھیلتا ہے، تب جا کر فیض کا دروازہ کھلتا ہے۔

مرزا صاحب نے شاہ غلام علی صاحب کو محض تنبیہ ہی کے واسطے نکالا تھا؛ تا کہ آئندہ ایسی بے ادبی کسی بڑے کے سامنے نہ کریں، ان کو اس درجہ تکلیف پہنچانا مقصود نہ تھا، یہ جو کچھ ہوا سب تکوینی طور سے غیر اختیاری طور پر ہوا۔

حضرت تھانویؒ اور ان کی خانقاہ کا حال

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے یہاں بھی اس کا بہت اہتمام ہوتا تھا، معمولی معمولی غلطیوں کی بنا پر کسی کو نکالا جا رہا ہے، رلایا جا رہا ہے، کسا جا رہا ہے، کسی کو تنبیہ کی جا رہی ہے، کسی کے ساتھ شفقت کا معاملہ ہو رہا ہے، تنبیہ بھی فرماتے تھے اور شفقت بھی فرماتے تھے، لیکن سختی کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ نہ تھا؛ بلکہ ان کے ساتھ تھا جن کا حضرت سے اصلاحی تعلق تھا، اور جو اپنی اصلاح کے لئے آتے تھے، ان کے ساتھ اسی قسم کی سختیاں کی جاتی تھیں، اور فرماتے

تھے کہ اگر میں ان کی غلطیوں پر تنبیہ نہ کروں گا، سختی نہ کروں گا، تو یہ خیانت ہوگی، اور یہ بھی فرماتے تھے کہ الحمدللہ جب میں کسی پر سختی کرتا ہوں، کسی کو نکالتا ہوں، اس وقت بھی اپنے کو اس سے کمتر سمجھتا ہوں، اس کو حقیر و ذلیل نہیں سمجھتا، انجام کا حال کسی کو نہیں معلوم، ہوسکتا ہے عند اللہ یہ مجھ سے افضل ہو، لیکن سختی اس واسطے کرتا ہوں کہ یہ میری ذمہ داری ہے، اس کے بغیر اصلاح نہیں ہوتی، مجبوراً اس کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔

انشاءاللہ کہنے کا محل وموقع

اس پورے واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب بھی کسی کام کا ارداہ کرے تو محض اپنے وسائل اور اسباب پر اعتماد نہ کرے؛ بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھے، اور اس کے ساتھ انشاءاللہ کہہ لے کہ اگر اللہ چاہے تو کام ہوسکتا ہے، اور اگر اللہ نہ چاہے تو اسباب کے ہوتے ہوئے بھی کام نہیں ہوسکتا۔

پُر لطف حکایت اور بے موقع کام کرنے کا نتیجہ

انشاءاللہ کہنے کے متعلق حضرت تھانویؒ نے بطور لطیفہ کے ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص گھوڑا خریدنے جا رہا تھا، جیب میں پیسے تھے، راستہ میں ایک شخص نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ کہا: بازار جا رہا ہوں گھوڑا خریدوں گا، انہوں نے کہا کہ انشاءاللہ بھی تو کہہ لو، کہنے لگے کہ انشاءاللہ کیوں کہوں؟ جب گھوڑا خریدنے کے لئے پیسے میرے پاس موجود ہیں، اور بازار میں گھوڑا فروخت ہوتا ہے، میں بازار جا رہا ہوں گھوڑا خرید ہی لوں گا، اب انشاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت؟ اتنا کہہ کر بازار چلے گئے، گھوڑا دیکھا، پسند کیا، معاملہ کرلیا، جب پیسہ دینے کا نمبر آیا جیب میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا پیسہ ندارد، جیب کٹی ہوئی ہے، بڑے پریشان ہوئے اور ندامت ہوئی، اور اب ان کو انشاءاللہ یاد آیا، خالی ہاتھ واپس آ گئے، اور جب کوئی پوچھتا کہ خیریت ہے کہاں سے آ رہے ہو؟ تو فرماتے ہیں کہ انشاءاللہ میں نے گھوڑا خریدنے کا ارادہ کیا تھا، اور انشاءاللہ میں بازار گیا اور انشاءاللہ میں نے معاملہ بھی کرلیا، لیکن انشاءاللہ میری جیب کٹ گئی۔

حضرت تھانویؒ اس حکایت کونقل کرنے کے بعد بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ جب آدمی کسی کام کواس کے وقت اور موقع پر نہیں کرتا تو بے موقع اس کو بار بار وہ کام کرنا پڑتا ہے، جوکام کسی موقع کے مناسب تھا اس کو وقت پر نہیں کیا تو دوسرے وقت بے موقع کرنا پڑے گا، اس لئے ہر کام اپنے وقت پر ہونا چاہئے۔

تم ایمان کی حفاظت کروگے اللہ تمہاری حفاظت کرے گا

يُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ اَمْرِكُمْ مِرْفَقًا: اگر تم اپنے ایمان کی حفاظت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جان کی حفاظت کرے گا، دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ نے (اصحابِ کہف) کی حفاظت کا کیسا انتظام فرمایا، آرام سے پڑے سوتے ہی رہے بھوک بھی نہ لگی، نہ کھانے کی ضرورت نہ پینے کی ضرورت پیش آئی، یہ بھی خدائی نظام ہے۔

صحبت صالح کا ثمرہ

نیکوں کی صحبت اختیار کرنے کا یہ ثمرہ ہوتا ہے کہ کتے نے بھی جب نیکوں کی صحبت اختیار کی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن گیا، جب کتا کاملین اور نیکوں کی صحبت میں آکر اس مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے تو ایک انسان انسان کامل کی صحبت میں رہ کر کامل نہیں بن سکتا؟ صحبت میں تاثیر ہوتی ہے، صحبت صالح ترا صالح کند، نیک صحبت تجھ کو بھی نیک بنادے گی، خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے، پھول کی صحبت کے اثر سے تیل میں خوشبو آجاتی ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ صحبت کا اثر نہ ہو جب کتے کے اندر صحبت صالح کا اثر ہوسکتا ہے صحبت کی برکت سے اللہ کا مقبول بن سکتا ہے تو انسان کے اندر کیوں نہیں ہوسکتا۔؟؟؟

رزق حلال کا اہتمام

اَزْكىٰ طَعَامًا الخ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر شدید بھوک لگی ہو تب بھی حلال وحرام کو اچھی طرح دیکھ لے ایک دم سے ٹوٹ نہ پڑے۔

اس زمانہ میں لوگ جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور وہی بازار میں فروخت ہوتا تھا، اس لئے اصحابِ کہف نے حلال روزی تلاش کرنے کا اہتمام کیا، آج کل بازاروں میں گوشت بکتا ہے لیکن میرا اس سے جی نہیں بھرتا، کیوں کہ بہت سے غیر مسلم فروخت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمان کا ذبیحہ ہے معلوم نہیں سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔

سب سے بہتر بات یہ ہے کہ ہوٹلوں میں گوشت نہ کھائے، دال کھالے کیوں کہ مصر کے بعض علاقوں میں بہت سے ہوٹلوں میں سور کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور میں تو کہتا ہوں کہ ہوٹلوں میں دال بھی نہ لے، اپنی چٹنی روٹی کھالے کیوں کہ وہی چمچہ سور کے گوشت میں پڑتا ہے اور وہی دال میں۔

اور ایسے مشتبہ علاقوں میں دوسروں سے کہتا ہوں کہ ایسا گوشت نہ کھایا کرو، ہوٹلوں سے نہ خریدا کرو، اور جب جی چاہے اور گوشت کھانے کا ارادہ ہو تو چند آدمی مل کر خود ہی بکرا ذبح کرلیا کرو، یہ بہتر ہے ہوٹل کے مشتبہ گوشت کھانے سے۔

حسن تدبیر اور انتظام کی ضرورت

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَداً:

اصحابِ کہف نے اپنے آدمی کو بازار سے کھانا لینے کے واسطے بھیجا اور تاکید کردی کہ آہستہ سے چپکے سے جائے اس طرح کہ کوئی جاننے نہ پائے، کیوں کہ یہ لوگ تو بادشاہ سے چھپ کر بھاگ کر آئے تھے اس لئے ایسی تدبیر اختیار کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو حسن تدبیر سے کام لینا چاہئے، جہاں اپنے کو چھپانے کی ضرورت ہو وہاں اپنے کو چھپائے، یہ نہیں کہ اللہ مالک ہے نگہبان ہے، موت آنی ہوگی تو آہی جائے گی کوئی بچا نہیں سکتا، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ کے قبضہ وقدرت میں سب کچھ ہے وہ ہر طرح قادر ہے لیکن ہم کو اللہ کا امتحان لینے کا حق کہاں سے ہوگیا، شاید اللہ نے موت ایسی ہی لکھی ہو کہ اگر یہ بندہ بدتمیزی کرے گا، اپنی حفاظت کا انتظام نہ کرے گا تو گولی ماردی جائیگی

ورنہ نہیں۔(کبھی تقدیر کے معاملات اس طرح بھی ہوتے ہیں اس کو تقدیر مُعلَّق کہتے ہیں)
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی زمین، مکان وجائیداد کا انتظام کرنا چاہئے، کچھ پسماندہ بھی ہونا چاہئے، حسن تدبیر اور انتظام سے کام کرنا چاہئے اور یہ سب توکل کے خلاف نہیں۔

دعوت وتبلیغ میں مخاطب کو سمجھانے کی ضرورت

کَذٰلِکَ اَعۡثَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ لِیَعۡلَمُوۡا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیۡبَ فِیۡهَا:
اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب کہف کا قصہ نقل فرمایا، اور اس واقعہ کے ذریعہ اپنے وعدہ اور قیامت کے یقینی ہونے کو ثابت فرمایا؛ تاکہ کفار اچھی طرح سمجھ جائیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے منوانے اور اس کو قائل کرنے کے واسطے تدبیریں کی جاتی ہیں، محنت وکوشش کی جاتی ہے، مخاطب کو سمجھانے کیلئے وہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جس سے مخاطب بآسانی سمجھ جائے، صرف دعاء سے کام نہیں چلتا؛ بلکہ کوشش بھی کرنی پڑتی ہے، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قیامت کا وجود سمجھانے اور اسے ثابت کرنے کیلئے کس طرح تدبیر سے کام لیا۔

دین کی ترقی کا مدار مالداری پر نہیں خلوص اور طلب صادق پر ہے

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ:
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اسی فکر اور کوشش میں رہتے تھے کہ کسی طرح دین اسلام کی اشاعت ہوجائے، اور اس وجہ سے آپ برابر اس کی کوشش فرماتے تھے کہ یہ سرداران مکہ ایمان لے آئیں تو ان کے ماننے والے اور غرباء خود بخود اسلام میں داخل ہوجائیں گے، کیوں کہ ہر زمانہ میں لوگ رؤساء کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔
کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں اور آپ کی بات سننا چاہتے ہیں، لیکن آپ ان غریبوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے، ان کے

ہوتے ہوئے ہم کو آپ کے پاس آنے میں شرم معلوم ہوتی ہے، اس میں ہماری ہیٹی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ارادہ بھی فرمالیا اور یہ سوچا کہ یہ لوگ تو اپنے ہی ہیں، برا بھی نہ مانیں گے اور کفار مکہ کی اس بات کو مان لیا جائے تو کیا حرج ہے، شاید اسی بہانہ ان کو ہدایت کی توفیق ہوجائے، لیکن اللہ پاک نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا، دین کی کامیابی کا راز یہ نہیں ہے کہ مال دار اور رؤساء دین میں داخل ہوجائیں؛ بلکہ اس کا معیار تو خلوص اور طلب صادق پر ہے جس کے اندر طلب صادق اور اخلاص ہوگا وہ کامیاب ہوگا اور جس میں طلب صادق نہ ہو تو اگر وہ سردار بھی ہو تو ہوا کرے، ان کا آنا نہ آنا برابر ہے، اگر وہ آجائیں گے تو ان کا لحاظ کیا جائے گا، ان کا احترام کیا جائے گا، ان کی رعایت کی جائے گی، لیکن ایسا نہیں کیا جائے گا کہ ان کے نفع موہوم کی وجہ سے اپنے لوگوں کی تحقیر کی جائے اس کی اجازت نہیں، کیوں کہ دین کی ترقی سرداروں کے آنے سے نہیں؛ بلکہ خلوص اور طلب سے ہے۔ آج کل لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر یہ ہوجائے، فلاں صاحب شریک ہوجائیں، اور بڑے بڑے لوگ آنے لگیں تو دین کا کام خوب ہونے لگے یہ خیال غلط ہے، ترقی کا مدار اس پر نہیں ہے۔

ایسی حالت میں تو رئیسوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کو حکم سنا دیا جائے، ان کے پیچھے نہ پڑا جائے، ان کی خوشامد نہ کی جائے، خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں، اور رہ گئے غرباء مخلصین، ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کی دل جوئی کریئے ان کو خوش رکھئے، ان کے ساتھ بیٹھئے، ان کی دل آزاری نہ ہو۔

علم دین حاصل کرنے والوں کے پاس بیٹھنے اور ان کی دل جوئی کرنے کی ترغیب

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ جو طلبہ علم حاصل کرتے ہیں، مذاکرہ و تکرار کرتے ہیں، قرآنِ پاک پڑھتے ہیں، ان کے پاس بیٹھنا چاہیے، ان کی دل جوئی کرنی چاہئے، ان

کے پاس بیٹھنے سے ان کی دل جوئی بھی ہو جائے گی اور نگرانی بھی ہو جائے گی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے اور دل جوئی کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو ہم لوگوں کو بھی اس کی اتباع کرنی چاہئے۔

امام مالکؒ کے استغناء کا واقعہ

ایک مرتبہ بادشاہ ہارون رشید نے امام مالکؒ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لڑکے کو گھر پر آ کر پڑھا دیا کریں، امام مالکؒ اس پر تیار نہیں ہوئے اور فرمایا: ''اگر پڑھانا ہو تو ہمارے پاس بھیج دو ہم خود نہیں آئیں گے''۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا ہم بھیج دیں گے لیکن آپ تھوڑا سا وقت ان کے لئے الگ سے دے دیجئے، جس میں دوسرے لوگ شریک نہ ہوں، امام مالکؒ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے اور فرمایا کہ سب کے ساتھ شریک ہو کر اسی ٹاٹ میں بیٹھ کر جس میں سب لوگ بیٹھتے ہیں، اس طرح اگر علم حاصل کرنا ہو تو حاصل کریں، ہم دین کے محتاج ہیں دین ہمارا محتاج نہیں۔ رعایت دوسری چیز ہے لیکن رعایت کی بنا پر دین کی ناقدری اور دوسروں کی تحقیر نہ کی جائے گی کہ دوسروں کو چھوڑ کر ان کے لئے علیحدہ سے انتظام کیا جائے یا ان کو گھر جا کر پڑھایا جائے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ علم دین کے محتاج نہیں؛ بلکہ علم دین ان کا محتاج ہے۔ چنانچہ پھر ہارون رشید کے بیٹے امام مالکؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور سب کے ساتھ بیٹھ کر علم دین حاصل کیا۔

بجائے ٹیوشن کے مسجد میں پڑھانا چاہئے

آج کل ٹیوشن پڑھانے کا بڑا رواج ہے، لوگ گھروں میں ٹیوشن پڑھانے جاتے ہیں، یہ میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا، میں ناجائز ہونے کا فتویٰ تو نہیں دیتا، لیکن اس میں تحقیر ضرور ہے کہ ہم گھر جا کر ان کو پڑھائیں گویا ہم ان کے محتاج ہیں اور وہ ہمارے محتاج نہیں کہ چند قدم چل کر خود نہیں آ سکتے۔ ہمارا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ ہم گھروں میں پڑھانے ہرگز

نہ جائیں لیکن اگر وہی لڑکے کسی مکتب یا مسجد میں جمع ہوجائیں تو پڑھادیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ ہم گھروں میں پڑھانے جائیں کیوں کہ اس صورت میں اپنی اور علم دین کی تحقیر ہے۔

خوش حالی مقبول ہونے کی علامت نہیں کبھی خوش حالی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً الرَّجُلَيْنِ:

آدمی سمجھتا ہے کہ دنیا میں وسعت اور فراخی مقبولیت کی علامت ہے، کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ دیکھو ہم مسلمانوں سے ہر اعتبار سے اچھے اور خوش حال ہیں، یہ ہمارے مقبول ومحبوب اور مسلمانوں کے مردود اور محروم ہونے کی علامت ہے، اگر مسلمان بھی اللہ کے محبوب ہوتے تو ایسے کمزور نہ ہوتے۔

اور یہ بھی کہتے تھے کہ ایک تو قیامت آنا نہیں ہے اور اگر بالفرض آئی بھی تو جیسے ہم تم سے یہاں اچھے ہیں وہاں بھی تم سے اچھے ہی رہیں گے کیوں کہ ہم مقبول ہیں اور مقبول مردود نہیں ہوتا جب ہم یہاں مقبول ہیں تو آخرت میں کیوں مقبول نہ ہوں گے؟

ان حضرات کو اس آیت میں جواب دیا گیا اور بطور مثال کے یہ قصہ بیان کیا گیا جو ان آیات میں مذکور ہے۔ (حاصل یہ کہ) وقتی آرام اور فانی دنیا کو معیار مقبولیت بنانا صحیح نہیں، کیوں کہ مال دے کر اللہ تعالیٰ آزمائش میں بھی مبتلا کرتا ہے کہ دیکھیں یہ بندہ کیا کرتا ہے، جو مقبول ہوتا ہے وہ اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے اور جو مردود ہوتا ہے تو وہ اِتراتا اور تکبر کرتا ہے، اللہ کی ناشکری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے نعمت چھین لیتا ہے، جیسا کہ باغ والوں کے قصہ میں ان کی آزمائش ہوئی اور ان کو نعمت سے محروم کردیا گیا۔

علمی انداز

کفار کے کہنے کا حاصل یہ تھا کہ میرے پاس مال ہے، جتھا ہے، سرداری ہے، یہ تو ہوا

صغریٰ، اور کبریٰ یہ کہ جس کے پاس یہ نعمتیں ہوں وہ اللہ تعالیٰ کا مقبول ہوتا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ ہم مقبول ہیں۔

اب پھر دوسرا مقدمہ قائم کرو کہ جو مقبول ہوتا ہے وہ محبوب ہوتا ہے اور جو محبوب ہوتا ہے وہ کہیں بھی مردود نہیں ہوتا، اس لئے ہم تو کہیں بھی محروم نہ رہیں گے نہ دنیا میں نہ آخرت میں، اور مسلمانوں کے بارے میں اسی طرح کہتے تھے کہ تمہارے پاس مال اور جتھا نہیں، لہٰذا تم مقبول نہیں، جب مقبول نہیں تو محبوب نہیں اور جو محبوب نہ ہو وہ ہر جگہ محروم ہوتا ہے لہٰذا تم ہر جگہ محروم ہوگے، یہ کفار کے کہنے کا حاصل تھا۔

اس کا جواب دیا گیا کہ تمہارا صغریٰ تو مسلم ہے لیکن کبریٰ مسلم نہیں، یعنی یہ کہنا کہ ہمارے پاس مال وجتھا ہے یہ صحیح ہے لیکن کبریٰ یعنی یہ کہ جس کے پاس مال وجتھا ہو وہ مقبول ہوتا ہے اور جس کے پاس مال وجتھا نہ ہو وہ محروم ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں، کیوں کہ معیار مقبولیت مال وجتھا نہیں؛ بلکہ بطور امتحان وآزمائش کے بھی یہ سب چیزیں دی جاتی ہیں، جیسا کہ باغ والوں کو دی گئی تھیں جن کا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔

لڑکیوں کی فضیلت

والبٰقیٰت الصالحٰت الخ: فرمایا: ایک قول کے مطابق بٰقیٰت صالحٰت سے مراد لڑکیاں ہیں جن کی بڑی فضیلت آئی ہے، جو آخرت میں کام آئیں گی، ماں باپ کی مغفرت اور بخشش کا ذریعہ بنیں گی، اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گی، اللہ تعالیٰ سے مچل مچل کر ان کو جنت میں داخل کرائیں گی، یہ ہیں وہ لڑکیاں جن سے آدمی گھبراتا ہے۔ حدیث شریف میں لڑکیوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

اعمال کی مثالی شکل

فرمایا: علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تشریح کے مطابق قیامت کے روز اعمال کو مثالی شکل

دے دی جائے گی، مثال کے طور پر اگر کسی نے گدھوں والا کام کیا تو قیامت میں اس کی شکل گدھے جیسی ہوگی، کتے جیسا کام کیا تو اس کی شکل کتے جیسی ہوگی۔ الغرض جیسا کام کیا قیامت میں اس کی مثالی شکل ظاہر ہوگی۔

حضرت موسیٰ وحضرت یوشع بن نون کا پورا واقعہ بیان کر دیا جائے تو مذکورہ ہدایات زیادہ بہتر طریقہ سے دل نشین ہوسکتی ہیں۔

رفیق سفر اور خادم کیسا ہونا چاہئے؟

وَاِذْ قَالَ مُوْسیٰ لِفَتَاهُ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی رفیق سفر یعنی خادم حضرت یوشع علیہ السلام تھے جو نوجوان تھے، اسی لئے **فتاہ** کا لفظ فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رفیق سفر اور خادم نوجوان ہونا چاہئے جو خدمت کرنے پر قادر ہو، کوئی ضرورت پیش آجائے تو جلدی سے کام کرنے اور دوڑنے پر قادر ہو، مثلاً گاڑی آگئی سامان اٹھانا ہے، چڑھانا ہے، پانی لانا ہے، ان سب کاموں کو جلدی سے کرسکے اور اگر خادم کمزور ہو، بوڑھا ہو یا بے وقوف ہو تو وہ خدمت کیا کرے گا، بلکہ وہ خود دوسروں کی خدمت کا محتاج ہوگا، اور اس کی خدمت کرنی پڑے گی۔

اسی طرح خادم اور رفیق سفر ایسا ہونا چاہئے جس سے خدمت لینے میں تکلف نہ ہو، بعض لوگ میرے ساتھ سفر میں ہوجاتے ہیں، مجھے ان کی رعایت کرنی پڑتی ہے، بسا اوقات بڑی تکلیف ہوتی ہے، سفر میں میرا معمول ہے قرآن پاک کی تلاوت کا، لیکن بعض لوگ سفر میں ہوجاتے ہیں اور راستہ بھر اپنی باتیں ہی سناتے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔

خادم اور نوکر کی بھی تحقیر نہیں کرنی چاہئے

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جو نوکر، ملازم اور خادم ہو، اس کی تحقیر نہیں کرنی

چاہئے، اس کو خادم اور ملازم کہہ کر نہ بلانا چاہئے؟؟ اگرچہ ہے خادم اور ملازم، لیکن خادم کو خادم، غلام کو غلام اور باندی کو باندی کہہ کر نہ بلاؤ کیوں کہ اس میں اس کی تحقیر ہے۔

حالت سفر میں بڑوں کی ذمہ داری

فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ:

حضرت یوشع علیہ السلام مچھلی بھول گئے اور موسیٰ علیہ السلام بھی یہ پوچھنا اور یاد دلانا بھول گئے کہ فلاں سامان اٹھایا یا نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کو چاہئے کہ سفر میں چلتے وقت خادم اور رفیق سفر سے پوچھ لیا کریں کہ سب سامان اچھی طرح رکھ لیا ہے یا نہیں؟ فلاں سامان موجود ہے یا نہیں، لوٹا رکھا یا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

سفر میں لوٹا وغیرہ ضرور ساتھ رکھ لینا چاہئے

فرمایا: میں سفر میں لوٹا ضرور لے کر چلتا ہوں کیونکہ اس کی ضرورت بہت پیش آیا کرتی ہے، لیکن سفر میں میرے لوٹے کھوتے بہت ہیں، لوگ لوٹا لے کر تو چلتے نہیں، اور جب ضرورت پڑتی ہے تو پریشان ہوتے ہیں، جس کو دیکھو میرے جھولے پر نظر کرتا ہے اور استعمال کرنے کیلئے لے تو جاتے ہیں لیکن واپس کرنا نہیں جانتے، بھول جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ و یوشع علیہما السلام کے نسیان کی وجہ

فرمایا: حضرت موسیٰ اور یوشع علیہما السلام اس واسطے بھول گئے ہوں گے کہ جب کوئی بات ذہن میں سوار ہوتی ہے، منزل مقصود سامنے ہوتی ہے اور اسی کا غلبہ ہوتا ہے تو صرف اسی ایک چیز کی طرف توجہ مرکوز ہوجاتی ہے، اور دوسری چیزوں سے ذہول ہوجاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں یہ سوار تھا کہ جلدی پہنچنا ہے؛ تا کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کی جاسکے، اس لئے جلدی جلدی میں بھول گئے۔

خدمت لینے کے ساتھ خادم کی تربیت کی فکر

اس واقعہ سے دو باتیں اور معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ خادم اور شاگرد کو چاہئے کہ استاذ اور مخدوم کی خدمت کرنے کی کوشش کرے، لیکن مخدوم اور استاذ کو چاہئے کہ اس سے صرف خدمت ہی نہ لیتا رہے؛ بلکہ اس کی تعلیم وتربیت کا بھی خیال کرے، اس کو روک ٹوک اور ضروری باتوں پر تنبیہ بھی کرے، اس کی دیکھ بھال کرے کہ اس نے کیا پڑھا، سبق یاد کرتا ہے یا نہیں، تکرار میں بیٹھتا ہے یا نہیں، اس سے صرف چائے ہی نہ پکواتا رہے، صرف سر میں تیل اور پیر ہی نہ دبواتا رہے، یہ کیسی بے انصافی کی بات ہے کہ اس بیچارے نے تو آپ کی خدمت کی اور آپ نے اس کو چوپٹ کرکے رکھ دیا۔

داخلہ کے وقت طالب علم سے صاف صاف بات کہہ دینا چاہئے

قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْراً:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہ کر علم حاصل کرنے کی درخواست کی، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: **لن تستطیع معی صبراً** تم ہرگز میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر صبر نہ کر پاؤ گے، میرے ساتھ رہنے کی کچھ شرطیں ہیں اگر وہ منظور ہوں تو رہنے کی اجازت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ داخلہ کے وقت صاف صاف بات ظاہر کردینا چاہئے کہ ہمارے مدرسہ میں یہ قوانین ہیں، داخلہ کے یہ شرائط ہیں، قیام وطعام کا یہ نظم ہے، اتنی باتوں کی پابندی ضروری ہے، یہاں رہ کر یہ کام کرنے پڑیں گے، یہاں زیادہ آسائش نہیں ہے، تفریح کا سامان نہیں ہے، اگر اتنا سب کچھ برداشت کرسکتے ہو تو ٹھیک ہے داخلہ لے لو، تلبیس اور دھوکہ سے کام نہیں لینا چاہئے، ورنہ بے چارہ مدرسہ میں پڑھنے آیا تو تھا بڑے شوق سے اور دور دراز سے، اپنے مقام میں تو صبح ہوتے ہی چائے، پیپسی، ہوٹل سب موجود، یہاں دیہات میں کچھ بھی نہیں، اب پریشانی ہوگی یا نہیں۔؟

ایک صاحب نے مجھ سے سفر میں یہاں مدرسہ میں پڑھنے کے لئے آنے کی درخواست کی، میں نے ان کو سمجھایا کہ آپ کے لئے مناسب نہیں ہے، بہت پریشانی ہوگی، گرمی بہت پڑتی ہے، بجلی رہتی نہیں، دیہات ہے بازار بھی نہیں لگتا، آپ کے لئے رہنا مشکل ہوگا، آپ شہر کے رہنے والے ہیں، یہاں نہ رہ سکیں گے، لیکن وہ نہیں مانے، یہی کہتے رہے کہ میں تو پڑھنے کے لئے وہیں آؤں گا، اور سب کچھ برداشت کرلوں گا۔ بالآخر آئے اور دو تین روز رہے، تیسرے دن فرمانے لگے حضرت مجھے جانے کی رخصت دے دیجئے۔ اس لئے شروع میں صاف صاف بتلا دینا چاہئے کہ ہمارے یہاں مدرسہ کے ایسے حالات، ایسے شرائط وقوانین اور ایسا نظم ہے، تلبیس اور دھوکہ سے کام نہیں لینا چاہئے، امانت داری اور خیرخواہی کا بھی یہی تقاضا ہے۔

اسی طرح ایک اور شہر کے رہنے والے صاحب نے یہاں آنے کی درخواست کی، میں ان کے مزاج سے واقف تھا، میں نے کہا پہلے کچھ دن آ کر رہ لیں اگر طبعیت لگے اور جی چاہے تو پھر داخلہ لے لیں۔

طالب علم کو ہر مصیبت اور پریشانی برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ! آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکتے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام سے بعض کام ایسے ہونے والے تھے جو بظاہر خلاف شرع تھے اور نبی خلافِ شرع امور کو دیکھ کر صبر کرلے یہ ہو نہیں سکتا، کیوں کہ اس کے منصب نبوت کے خلاف ہے۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ مجھے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیجئے، میں انشاء اللہ شرائط کی پابندی کروں گا، سب کچھ برداشت کروں گا، صبر کروں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ طالب علم کو پہلے سے تیار رہنا چاہئے اور طے کر لینا چاہئے کہ علم دین کی راہ میں جو پریشانیاں اور مصائب آئیں گے، سب کو برداشت کروں گا، ان حالات پر صبر کروں گا، ہر مصیبت ومشقت برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، پھر آگے جیسے حالات پیدا ہو جائیں۔ یہ ہیں طالب علمی کے اوصاف وآداب۔

استاذ کی اجازت کے بعد ہی درس میں بیٹھنا چاہئے

قَالَ لَهُ مُوسیٰ هَلْ اَتَّبِعُکَ:

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؛ تاکہ آپ مجھے بھی وہ علم سکھائیں جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ پہلے استاذ سے اجازت لینا چاہئے، اور اجازت لئے بغیر درس میں شریک نہ ہونا چاہئے، اور مدرسہ میں داخلہ ہو جانا بھی اجازت ہی ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اس کے علم میں یہ بات آجانا چاہئے کہ یہ شخص طلب علم کے لئے آیا ہے، اور استاذ کی رضامندی ہو جانا چاہئے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب استاذ کے علم میں بات آجاتی ہے اور اس کی رضامندی بھی ہو جاتی ہے تو اس کو توجہ بھی ہوتی ہے اور جب توجہ ہوتی ہے تب ہی فیض ہوتا ہے، اور اگر اس کو علم ہی نہ ہو تو توجہ نہ ہوگی جب توجہ نہ ہوگی تو فیض بھی اتنا نہیں ہوگا۔

اگر درس میں شرکت کی اجازت نہ ملے

اور اگر اجازت نہ بھی ہو تو علم کی حرص اتنی ہونی چاہئے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے حلقۂ علم میں شریک ہو جائے، سامنے نہ بیٹھے، چپکے سے کہیں سے سبق سن لیا کرے کہ ان کے علم میں بھی نہ آئے اور سبق بھی سن لے، سامنے نہ بیٹھے، پیچھے دروازہ کے پاس آڑ میں بیٹھ کر ہی سن لے۔ (بشرطیکہ کوئی دوسرا مفسدہ نہ ہو)

قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے ایک شاگرد کا واقعہ

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے ایک شاگرد تھے، قاری عبدالرحمٰن اعمٰی ''ہابڑی'' ایک گاؤں ضلع کرنال میں ہے وہاں کے رہنے والے تھے، کسی غلطی پر نکال دئے گئے، حضرت قاری صاحب نکال تو دئے گئے لیکن وہ چلے نہیں گئے وہیں رہے، کیوں کہ اس طرح اگر استاذ کو ناراض کر کے جائیں گے تو جہاں بھی جائیں گے ٹھوکریں ہی کھائیں گے، مارے مارے پھریں گے اگر جانا ہی ہو تو راضی کر کے معاملہ صاف کر کے جانا چاہئے۔

الغرض ان کو نکال دیا گیا، لیکن وہ وہیں رہے اللہ کے نیک بندے ذرا ذرا سی بات میں بھاگ نہیں جاتے، خوشی ناراضگی تو لگی ہی رہتی ہے، ذرا سی بات میں بددل نہ ہونا چاہئے، نکالے تب بھی نہ نکلے، ڈانٹیں تو ڈاٹ سن لے چنانچہ وہ وہیں پڑے رہے وہاں ایک سہ دری ہے، ایک کمرہ میں وہاں رہا کرتے تھے، وہاں طالب علمی کے زمانے میں میں بھی رہا کرتا تھا۔ میرے دادا نے بھی وہیں پڑھا ہے وہ بھی وہیں رہا کرتے تھے، قاری عبدالرحمٰن صاحب کا معمول تھا کہ جب سبق ہوتا تو چپکے سے اسی کمرے میں بیٹھ جاتے سامنے سہ دری تھی وہاں سبق ہوتا تھا کئی روز کے بعد ایک مرتبہ حضرت نے طلبہ سے پوچھا کہ وہ اعمٰی کہاں چلا گیا؟ ہے یا نہیں؟ لوگوں نے بتلایا حضرت وہ تو روزانہ برابر بلاناغہ پڑھنے آتا ہے ایک دن کا بھی اس کا ناغہ نہیں ہوا، حضرت قاری صاحب کو بہت خوشی ہوئی اور بلا کر اس کو سینے سے لگایا پھر جو اللہ نے ان کے واسطے سے فیض پہونچایا ہے وہ سب جانتے ہیں، انھیں کے شاگرد ہیں مولانا قاری محی الاسلام صاحب جنہوں نے میری دستار بندی کی تھی قاری محی الاسلام صاحب جو عرب وعجم کے بہت بڑے اور مشہور قاری ہیں، اللہ نے ان کو ایسا مقام عطا فرمایا ہے کہ اپنے استاذ سے بھی آگے بڑھ گئے، معتوب ہونے کے بعد آدمی جب مقبول ہوتا ہے تو پھر کہیں سے کہیں پہونچتا ہے اس کی اڑان بہت تیز ہوتی ہے۔

شاہ غلام علی صاحب کا قصہ میں سنا چکا ہوں کہ پہلے ان پر عتاب ہوا اس کے بعد

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے سینہ سے لگایا، مقبول ہوئے پھر ان سے بہت فیض پہونچا ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ایک ایک وقت ان کی خانقاہ میں پانچ پانچ سو بکرے ذبح ہوتے تھے۔

ریاست ٹونک کے نواب صاحب جن کا لقب میر خان تھا انہوں نے دیکھا کہ خانقاہ کی آمدنی کچھ نہیں اور خرچ اتنا زائد ہے اسلئے خانقاہ کیلئے زمین کا ایک حصہ وقف کرنا چاہا، شاہ غلام علی صاحب نے قبول کرنے سے انکار فرمادیا اور جواب میں یہ شعر تحریر فرمائے:

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم بمیر خاں بگوئے کہ روزی مقدر است

پھر فرمایا کہ افسوس! اس خانقاہ کا حال اب یہ ہے میں نے جا کر وہاں دیکھا کہ کوئی ذکر کرنے والا، اللہ اللہ کرنے والا نہیں۔ پھر حضرت نے یہ اشعار پڑھے :

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی ایک شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو جا دیکھا نہ تھا جز خار گلشن میں یہ کہتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ یہاں گل تھا

(یہ اشعار حضرتؒ نے تصحیح ونظر ثانی کے وقت اپنے دست مبارک سے تحریر فرمائے)

معتوب ہونے کے بعد ترقی بہت تیزی سے ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ برداشت کرلے، ذراسی بات میں منھ پھلا کر بھاگ نہ جائے، بددل نہ ہو، یہ اللہ کے بندے قصداً عتاب کرتے ہیں، عتاب کے ذریعہ تکبر کا علاج کرتے اور اس کی جڑ کاٹتے ہیں کیونکہ جس کے اندر ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ کمال سے محروم رہے گا، متکبر کامل ہو ہی نہیں سکتا، اسی لئے یہ اللہ کے بندے اسی کی جڑ کاٹتے ہیں۔

طالب علم کو علم کا حریص اور استاذ کا مطیع ہونا چاہئے

هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ :

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو علم کا حریص ہونا چاہئے اور اس کے لئے ہر شرط پوری کرنے اور مشقت برداشت کرنے پر تیار رہنا چاہئے، نیز طالب علم کے اندر انقیاد واطاعت کا مادہ ہونا چاہئے، جس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ

والسلام نے یہ شرط منظور فرمالی اوراطاعت کرنے پر تیار ہوگئے۔

اسی طرح استاذ کو بھی چاہیئے کہ طالب علم پر اتنی پابندی لگائے جسکو وہ برداشت کر سکے اسکی طاقت سے زیادہ اسکو پابند نہ کرے، حضرت نے فرمایا کہ علم کی حرص تو اتنی ہونی چاہیئے کہ ہر قسم کی شرط منظور کرلے اوراندر سے جذبہ وشوق یہ ہونا چاہیئے کہ یہ کتاب بھی پڑھ لیں وہ بھی پڑھ لیں دیکھو نبی کے اندر علم کی کتنی حرص تھی حالانکہ نبی کے اندر کون سے علم کی کمی تھی۔ پہلے لوگوں میں واقعی علم کی حرص ہوتی تھی لوگ کتابیں پڑھتے ،مطالعہ کرتے اور تکرار کرتے تھے ،اوراب لوگوں میں وہ بات نہیں رہی۔

حضرت شیخ الہندؒ اور ایک طالب علم کا واقعہ

حضرت شیخ الہندؒ سے ایک طالب علم نے عرض کیا کہ مجھے ایک کتاب پڑھا دیجئے حضرت شیخ الھندؒ نے فرمایا میرے پاس وقت نہیں ۔طالب علم پیچھے پڑ گیا،بہت اصرار کیا،طالب علم کی طلب دیکھ کر حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ اچھا جب میں وضو کرتا ہوں اتنی دیر میں پڑھ لیا کرو چنانچہ جب حضرت وضو فرمایا کرتے تھے اتنی دیر میں وہ کتاب پڑھ لیا کرتے تھے۔حضرت شیخ الہندؒ نے طالب علم کی طلب دیکھ کر پھر مستقل وقت اس کے لئے دے دیا اوروہ کتاب ملّا حسن تھی ہمارے حضرت نے فرمایا کہ گھوڑا اپنا چارہ خود بڑھا لیتا ہے۔

حضرت کا واقعہ

فرمایا میرے ایک استاذ تھے میں نے ان سے ایک کتاب ''تصریح'' پڑھنا چاہا یہ علم ہئیت کی کتاب ہے انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس وقت نہیں سارا وقت بھرا ہوا تھا،جس وقت کے متعلق عرض کروں وہی بھرا ہوا۔ بالآخر میں نے عرض کیا آپ جو وقت تجویز کریں گے حاضر ہوجایا کرونگا فرمایا اچھا مغرب وعشاء کے درمیان کچھ دیر پڑھ لیا کرو چنانچہ میں اسی وقت پڑھ لیا کرتا تھا ایک زمانہ تک میں فجر سے پہلے طلباء کو کتابیں پڑھا دیا کرتا تھا اب لڑکے بھی زیادہ

ہو گئے اور لڑکے پڑھنے پر تیار نہیں ہوتے (جامع عرض کرتا ہے کہ احقر نے ہدایہ ثالث حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ سے فجر سے قبل ہی پڑھی ہے۔ حضرت اپنے مکان سے فجر سے قبل تہجد بعد تشریف لاتے تھے اور طلباء بھی تیار رہتے تھے)

قصداً استاذ کی نافرمانی یا خلاف قانون کوئی کام نہ کرنا چاہئے

لاَ تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ:

فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ طالب علم کو دانستہ طور سے قصداً ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہیے جو مدرسہ کے قانون یا استاذ کی مرضی کے خلاف ہو، البتہ بھولے سے ہو جائے تو اور بات ہے اس میں وہ معذور ہے۔

استاذ سے اگر غلطی ہو جائے تو فوراً اعتراض نہ کرنا چاہئے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَکَ

حضرت خضر وحضرت موسیٰ علیہما السلام کشتی پر سوار ہو کر سفر فرما رہے تھے، کشتی بڑی شاندار قسم کی تھی حضرت خضر علیہ السلام نے اس کے تختے نکال ڈالے اور کشتی کو عیب دار کر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عجیب بات ہے! ان بیچاروں نے تو آپ پر احسان کیا کہ آپ کو سوار کیا اور آپ نے ان کے ساتھ یہ بدخواہی کی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم میری بات پر صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے معذرت فرمائی حضرت نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اپنے بڑوں سے مثلاً استاد سے اگر ایسا کوئی عمل سرزد ہو جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہو تو فوراً اس پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اور بدگمان نہ ہونا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی مصلحت اور خاص وجہ ہو جس کی وجہ سے انہوں نے یہ کام کیا ہے اور ہم کو وہ وجہ نہ معلوم ہو جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار اس لئے کر دیا تھا کہ وہاں کا بادشاہ اچھی کشتیوں کو غصب کر لیا کرتا تھا حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو عیب دار کر کے ان پر احسان کیا کہ اب بادشاہ اس کو غصب نہ کرے گا۔

نبی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ غلط کام دیکھ کر صبر کر لے

اِنْ سَأَلْتُکَ عَنْ شَیْئٍ بَعْدَ ھَا فَلاَ تُصٰحِبْنِیْ:

حضرت خضر وموسیٰ علیہما السلام کے درمیان وعدہ ہوا تھا کہ خضر علیہ السلام جو کچھ بھی کریں گے موسیٰ علیہ السلام اس پر نکیر نہ کریں گے، خاموش رہیں گے، لیکن موسیٰ علیہ السلام ایسا نہ کر سکے اس کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام بھی مجبور تھے، نبی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کے سامنے کوئی غلط کام ہو اور اس کو دیکھ کر وہ صبر کر لے نبی کا علم تشریعی ہوتا ہے اور احکام شرع کا بھی نبی پابند ہوتا ہے منکر پر نکیر انبیاء علیہم السلام کا فریضہ ہے اور حضرت خضر علیہ السلام کا علم تکوینی تھا۔

طالب علم کا اخراج کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر آئندہ میں آپکے فعل پر سوال کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا چنانچہ اس کے بعد پھر سوال کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ''ھٰذا فراق بینی وبینک'' یہ میری اور آپ کی جدائی کا وقت ہے، حضرت نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو پہلی مرتبہ غلطی ہو جانے پر فوراً اس کو نکال باہر نہ کر دے۔ طالب علم کا اخراج فوراً نہ کر دے بلکہ پہلے اصلاح کی کوشش اور تنبیہ کرے،

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ خادم اور طالب علم کو جب اندازہ ہو جائے کہ پاس رکھنے کی استاذ یا شیخ کی منشا نہیں ہے اور پاس رہنے سے گرانی ہوگی تو اصرار نہ کرنا چاہئے ورنہ نقصان ہوگا۔

شیخ کی منشا کے خلاف اس کے پاس رہنے پر اصرار نہ کرنا چاہئے

اِنْ سَأَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَھَا فَلاَ تُصٰحِبْنِیْ: جب کئی مرتبہ یہ واقعہ پیش آ چکا تو موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی فرمایا تھا کہ اب آئندہ اگر میں آپ سے سوال کروں تو آپ مجھ کو

اپنے ساتھ نہ رکھئے گا، ایک مرتبہ اور موقع دے دیجئے، موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا تھا، اس لئے خود ہی اس طرح فرما دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب اندازہ ہو جائے کہ استاذ یا شیخ کی منشا نہیں ہے کہ ان کے پاس رہا جائے یا ان کے ساتھ سفر میں جایا جائے تو پھر اس کی کوشش نہ کرنی چاہئے اور نہ ہی اصرار کرنا چاہئے ورنہ پاس رہنے سے تکدر ہوگا اور جب تکدر ہوگا تو سارا فیض بند ہو جائیگا اور اس سے بڑا نقصان ہوگا، اس لئے جب اندازہ ہو جائے تو خود ہی الگ ہو جانا چاہئے۔

کسی کا اخراج کرے تو عزت وشرافت کے ساتھ نہ کہ ذلت ورسوائی کے ساتھ

حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت خضر علیہ السلام کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا لیکن آپس میں کوئی بغض وعداوت اور اختلاف نہیں ہوا، حضرت خضر علیہ السلام نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رخصت کیا اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو رخصت کرے، یا کسی کا اخراج کرے تو منھ کالا کر کے ذلیل ورسوا کر کے نہیں، ہاتھ پیر توڑ کر نہیں بلکہ عزت وشرافت کے ساتھ اس واسطے کہ اس کی ذات سے کوئی نفرت نہیں، اسی کے فائدے کے واسطے اس کو رہنے کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔

بعض مدرسہ والوں کی زیادتی

فرمایا بعض مدرسہ والے طلباء کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہیں، کسی غلطی پر طالب علم کا اخراج کرتے ہیں تو بڑی ذلت ورسوائی کے ساتھ مار پیٹ کر اور بدنام کر کے ان کو رخصت کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی مدرسہ میں داخلہ نہ ہو، اور بعض لوگ دوسرے مدرسوں میں تحریری اطلاع بھی بھیج دیتے ہیں کہ فلاں لڑکے کا ہمارے مدرسہ سے اخراج ہو گیا ہے لہٰذا آپ لوگ اس کا داخلہ نہ لیں، میرے پاس بھی اس قسم کے خطوط آتے ہیں لیکن مجھے یہ پسند نہیں

مدرسہ سے اخراج شدہ طلبہ سب نا کام نہیں ہوتے

میرا تو معمول یہ ہے کہ مدرسہ میں جو بھی آئے اس کو داخل کرلو، اللہ نے بھیجا ہے، شاید اس کی اصلاح یہیں مقدر ہو، بعض لوگوں کا کہیں رہنا مفید ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا کہیں، کوئی ضروری ہے کہ اگر ایک بار غلطی کی ہوتو بار بار غلطی ہوتی رہے، اگر آپ کے یہاں غلطی کی ہے تو سب ہی جگہ غلطی کرے شاید اللہ تعالیٰ نے اب اس کا دل بدل دیا ہو، اس کو ہدایت دیدی ہو، ہاں اگر پھر ایسی حرکت کرے تو کہہ دے کہ ہم نے تمہاری اصلاح کے لئے داخلہ لیا تھا لیکن تم اپنی اصلاح نہیں چاہتے اس لئے یہاں سے تشریف لے جائیں اور اگر یہی اصول بنا لیا جائے کہ ایسے لڑکوں کا کہیں داخلہ نہ ہوتو پھر ایسوں کی اصلاح کس طرح ہوگی اور اس طرح کے لوگ کس طرح علم حاصل کریں گے، اس لئے میں اس کا سخت مخالف ہوں۔

اسی طرح بعض لوگ دوسرے مدرسہ میں داخلہ لینے پر بھی پابندی لگاتے ہیں میں اس کا بھی مخالف ہوں طالب علم کو مقید نہ کرنا چاہئے کہ ہمارے پاس ہی رہ کر تعلیم حاصل کرے، جہاں چاہے داخلہ لے لے۔ طبعی افسوس ہونا دوسری بات ہے لیکن دوسرے کو مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ بعض مدرسہ والے دوسرے مدرسہ میں داخلہ لینے والے کو تصدیق نامہ نہیں دیتے، یہ بھی ان کی زیادتی ہے اور میں اس کا بھی سخت مخالف ہوں کہ جن طلبہ کا اخراج کیا جائے ان کو ذلیل ورسوا اور بدنام کیا جائے، ان کو شرافت کے ساتھ رخصت کرنا چاہئے تا کہ دل میں کینہ اور بغض نہ ہو، مدرسہ اور اساتذہ کی طرف سے بدگمانی نہ ہو۔

میرا تو معمول یہ ہے کہ کوئی کہیں سے بھی آئے سب کا داخلہ کر لیتا ہوں ایک تو یہاں زیادہ اکھاڑ پچھاڑ والے آتے ہی نہیں ہیں وہ تو بڑی جگہ جانا پسند کرتے ہیں چھوٹی جگہ کون جانا پسند کریگا۔

اخراج شدہ طلبہ کو ذلیل نہیں سمجھنا چاہئے

کبھی کسی کا اخراج اللہ کے طرف سے کرایا جاتا ہے تا کہ اس کا تکبر زائل ہو مدرسہ میں رہیگا آگے آگے ہوگا اور تکبر پیدا ہو جائیگا اور اخراج ہو جانے کے بعد سب کی نگاہوں میں چھوٹا سمجھا جائیگا،

اس سے اسکا خناس دور ہوگا اور تکبر دور ہوگا، آئندہ احتیاط کریگا۔ اس لئے کبھی اللہ تعالی کسی بندہ کی حفاظت اور تکبر سے بچانے کے لئے اخراج کرادیتا ہے اسی لئے کسی کو ذلیل نہیں سمجھنا چاہئے معلوم نہیں کون کیسا ہے اور اللہ کے یہاں اس کا کیا مقام ہے۔ معلوم نہیں کس کی کون سی ادا اللہ کو پسند آجائے اور اللہ تعالی اس سے کام لے لے۔ میں نام لے لے کر بتلاسکتا ہوں اور ایسے لوگ میری نگاہوں کے سامنے ہیں جن لوگوں کا مدرسہ سے اخراج ہوا اور وہ بڑے با صلاحیت اور ذی استعداد لوگوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے کام لے رہا ہے ہزاروں کو ان کی ذات سے فیض پہونچ رہا ہے۔

خیر خواہی کا تقاضا اور مربی و مصلح کے اوصاف

استاد اور مصلح کو مشفق و خیر خواہ ہونا چاہئے کبھی غصہ تو کبھی خوشی، کبھی گرمی کبھی نرمی، جس طرح اللہ تعالیٰ کبھی غصہ ہوتا ہے کبھی شفقت کرتا ہے اس طرح بندہ کو بھی کرنا چاہئے، اگر خیر خواہی کا تقاضا ہو، نفع کی امید ہو تو اپنے پاس رکھے ورنہ ہٹا کر دوسری جگہ بھیج دے جہاں اس کے فائدہ کی امید ہو، یہ نہیں کہ اگر ہمارے پاس سے جائے تو کہیں کا بھی نہ رہے۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کی خدمت میں ایک شخص عرصۂ دراز سے رہتا تھا لیکن اس کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا ایک مرتبہ اس شخص نے دوسرے بزرگ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ زبان سے نکالا جوان بزرگ نے بھی سن لیا اور ان دونوں بزرگوں میں نظریاتی کچھ اختلاف بھی تھا کافی عرصہ گزر گیا، ایک مرتبہ ان بزرگ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم عرصۂ دراز سے یہاں رہتے ہو اور تم کو یہاں کوئی فیض نہیں ہو رہا ہے لہذا تم فلاں بزرگ کی خدمت میں جاؤ، وہاں تم کو فیض ہوگا۔

بزرگوں کے باہمی تعلقات اور وسعت ظرفی

یہ اللہ کے بندے ایسے نہیں ہوتے کہ اگر کسی بات میں اختلاف رائے ہو جائے تو ایک

دوسرے کے مخالف ہوجائیں۔آمدورفت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا،ایک دوسرے کی تعریف بھی کیا کرتے تھے،کسی دوسرے شخص کی زبان سے ایک دوسرے کی برائی سننا گوارہ نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ بزرگ اُن دوسرے بزرگ سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے تو وہاں اس شخص کو بھی پایا جس کو اپنے یہاں سے روانہ فرما کر ان بزرگ کے یہاں بھیجا تھا اور اس کو سنا کر کہا کہ یہ کمال تو اللہ نے ہمارے بھائی ہی کو دیا ہے کہ ان کے یہاں سے کوئی محروم نہیں جاتا جو بھی آتا ہے اس کو کچھ نہ کچھ حاصل ہی ہوجاتا ہے،حالاں کہ آپس میں اختلاف رائے بھی تھا لیکن ہم لوگوں کی طرح نہیں کہ کسی بات میں اختلاف رائے ہوجائے تو بول چال،آمدورفت سب بند،ایک دوسرے کی برائی کرنے لگتے ہیں،وہاں تو ایک دوسرے کی ملاقات کیلئے بھی جاتے تھے،تعریف بھی کیا کرتے تھے،ان کا تذکرہ خیر کے ساتھ کرتے تھے۔

بزرگ اور صلحاء کے متعلقین اور ان کی اولاد سے بھی حسن سلوک کرنا چاہئے

حضرت خضر علیہ السلام نے گرتی ہوئی دیوار کو درست کردیا اور اس پر کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا حالاں کہ ان لوگوں نے مہمان نوازی بھی نہیں کی تھی کھانے تک کو نہ پوچھا (بعض حالات میں پردیسی مسافروں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا واجب ہوتا ہے لیکن ان لوگوں نے نہیں کھلایا) موسیٰ علیہ السلام کو اس پر بھی اعتراض ہوا تھا،حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی وجہ ارشاد فرمائی کہ وہ دیوار یتیم بچوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے خزانہ تھا اور ان کے باپ صالح تھے اسلئے وہ دیوار درست کردی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو نیک اور صالح ہوں ان کی اولاد اور ان کے متعلقین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہئے۔خیر خواہی برتنا چاہئے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں ایک مرتبہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ تشریف لے گئے حضرت شاہ صاحبؒ نے بہت اعزاز واحترام فرمایا حالانکہ سیاسی اعتبار سے

نظریات میں شدید اختلاف تھا۔

صلحاء کا مقام

وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ . ذوالقرنین کے بارے میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے ان کو پیغمبر کہا ہے اور بعض لوگوں نے صلحاء میں سے کہا ہے، اس سے صلحاء کا مقام معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کتنا بڑا رتبہ ہے کہ قیامت تک کیلئے قرآن پاک میں ان کا ذکر فرمایا ہے، یہ صلحاء ہی ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو ذلیل ورسوانہیں کرسکتی۔

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا: . ہم آسان بات کہیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ صلحاء اور نیک لوگوں کے ساتھ سخت کلامی نہیں کرنی چاہئے نرمی اور آسانی سے بات کرنی چاہئے۔(یہ حکم تو سب ہی کے لئے ہے، لیکن صلحاء اور نیکوکاروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ)

رفاہی کاموں کی فضیلت

ذوالقرنین کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو قوت دے، طاقت دے، مال دولت دے تو وہ ایسے کام کرے جس سے مخلوق کو نفع پہونچے، کوئی بھی کام کردے مثلاً کنواں کھدوانا، سڑک بنوانا، یہ سب صدقۂ جاریہ ہیں، حدیث پاک میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے، مرنے کے بعد تک اس کا ثواب جاری رہتا ہے، مدرسہ میں کتابیں دینا، مسجد میں چٹائی دینا یہ سب بھی صدقۂ جاریہ ہے۔ باندا میں ایک حاجی صاحب ہیں انہوں نے پوری مسجد اور پختہ راستہ اپنے ذاتی پیسے سے بنوایا ہے، اگر اللہ کسی کو پیسہ دے تو ان کاموں میں خرچ کرے جو مرنے کے بعد کام آئے، مرکر تو ہر ایک کو جانا ہے کوشش یہ کرے کہ اچھی موت آئے، آخرت کا انتظام کرکے جائے۔

ذوالقرنین کا قصہ اور اس کے فوائد

فَأَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ الاية :ذوالقرنین کو اللہ نے بہت بڑی قوت وسلطنت دی تھی یہ

سفر کرتے کرتے دنیا کے شمالی علاقوں میں دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے جہاں ایسی قوم آباد تھی جن کی بولی کچھ سمجھ میں نہ آتی تھی، یہ ایسا علاقہ تھا جس کے قریب یاجوج ماجوج رہتے تھے اور وہ اس قوم کی آبادیوں میں آ کر تنگ کیا کرتے تھے، اس لئے ان لوگوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ یہ یاجوج ماجوج کی قوم ہم کو بہت پریشان کرتی ہے، اس کا آپ بندوبست فرما دیجئے چنانچہ ذوالقرنین نے ایک موٹی دیوار قائم کر دی جسکا ذکر آیت کے اندر ہے۔

مخلوق کی خدمت اور نفع رسانی کی اہمیت

جَعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا: اس سے معلوم ہوا کہ حاجت روائی یعنی کسی کے کام آنا، مخلوق کی خدمت کرنا یہ ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہے، حدیث میں اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی اور ان کو فائدہ پہونچانے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیثِ پاک میں ہے اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰه . فأَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهَ مَنْ أَحْسَنُ اِلٰی عِیَالِهٖ . اللہ کی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اللہ پاک کو سب سے زیادہ اس شخص سے محبت ہوتی ہے جو اس کے کنبے یعنی مخلوق کے ساتھ اچھا معاملہ کرے۔

اس لئے جہاں جیسی ضرورت ہو۔ مخلوق کو جس کام کی حاجت ہو ویسا ہی کام کر دینا چاہئے۔ سواری کی ضرورت ہو سواری کا انتظام کر دے، مسافر خانہ کی ضرورت ہو مسافر خانہ بنوا دے۔ اللہ پاک غیب سے کوئی سبیل پیدا کر دیتے ہیں، غرض جیسی ضرورت ہو ویسا ہی انتظام کر دے، شفاخانہ کی ضرورت ہو اسپتال بنوا دے۔ اسی کا نام ہے صدقۂ جاریہ، حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس میں مسلم غیر مسلم کی بھی تخصیص نہیں۔ غیر مسلم کی بھی مدد کرنا چاہئے۔ اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ذوالقرنین اپنے سارے کاموں کو چھوڑ کر دیوار بنانے میں لگ گئے کیونکہ یہ کام اللہ کو محبوب ہے۔

مخلوق کی خدمت اور رفاہی کام کرنے والوں کو ضروری ہدایت

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حاجت روائی میں صرف اپنوں کو نہ دیکھے کہ

جو اپنے ہوں ان کے ساتھ تو خیر خواہی کرے اور غیروں کے ساتھ نہ کرے، ذوالقرنین کی ان لوگوں سے کون سی رشتہ داری تھی، لیکن پھر بھی ہزاروں میل سے چل کر آئے اور ان کے واسطے اتنا بڑا کام کیا اس میں مسلم وغیر مسلم کی بھی تخصیص نہیں، آج کل حاجت روائی ہوتی ہے، (رفاہی) کام ہوتے ہیں لیکن قومیت اور اپنائیت کی بنا پر، سیاسی نظریہ کے تحت اپنے مفاد کے پیش نظر کام ہوتے ہیں جو بھی کام ہو ریا کاری یا قومیت کی بنا پر نہیں بلکہ ضرورت وحاجت کی بنا پر اللہ کے واسطے ہونا چاہئے کہ ہم کو اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا ہے، جو بھی مخلوق ہو اس کی خدمت کرنی ہے، اپنا ہو یا غیر سب اس میں برابر ہیں۔

جو بھی کام ہو سب اللہ ہی کا فضل ہے

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ : ذوالقرنین جب کام سے فارغ ہو گئے اور یاجوج ماجوج سے بچاؤ کیلئے ایک موٹی دیوار قائم کر دی ان کے آنے کا راستہ ہی بند ہو گیا تو اس کام کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا، یہ نہیں کہا کہ یہ کام ہم نے کیا بلکہ اللہ کی طرف منسوب کیا کہ یہ تو اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اس کا کرم ہے ورنہ ہم تو کچھ بھی نہ کر سکتے تھے یہ تو محض اس کی عنایت ہے کہ اس نے ہم سے یہ کام لے لیا ورنہ میرے بس میں کیاں تھا کہ میں یہ کام کروں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کام کرے یا اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی کام لے لے تو ڈینگیں نہ مارے کہ میں نے یوں کیا، بلکہ اللہ ہی پر نگاہ رکھے کہ اللہ نے اپنے فضل سے مجھ سے کام لے لیا ورنہ میں تو کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ اللہ کو قدرت ہے جب چاہے جسکو چاہے محروم کر دے ساری نعمتیں سلب کر لے۔ جس طرح سورج چاند کو بے روشن کر دیتا ہے اس میں گہن لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ بتلانا چاہتا ہے کہ جسطرح اللہ کو اس بات پر قدرت ہے کہ سورج سے روشنی سلب کر لے اسی طرح اسکو قدرت ہے کہ تمہارے اندر سے بھی جب چاہے روشنی ختم کر دے، مال ختم کر دے، منصب ختم کر دے، اسی واسطے اللہ کے نیک بندے اپنے کاموں کو اللہ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا جو کیا، اللہ نے کیا یہ اس کا کام ہے کہ اس نے ہم سے یہ کام لے لیا۔

مہمانوں کی مہمان نوازی ان کا حق ہے

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام ایک ایسی بستی میں تشریف لے گئے کہ جہاں کے رہنے والوں نے مہمان نوازی نہیں کی، پوچھا تک نہیں، موسیٰ علیہ السلام کو اس پر بھی ناگواری ہوئی۔ کیونکہ مہمان نوازی مہمان کا حق ہے۔

اگر کوئی کسی ایسی بستی میں پہنچ جائے جہاں پر کھانے پینے کا نظم نہ ہو، بیچارہ پردیسی آدمی کیا کرے ایسی حالات میں بستی والوں پر اس کی مہمان نوازی کرنا ضروری اور فرض کفایہ ہے، اگر ایک شخص بھی مہمان نوازی کردے تو سب بریٔ الذمہ ہوجائیں گے ورنہ سب گنہگار ہونگے۔ اگر وہ لوگ مہمان نوازی نہ کریں تو اس کو مانگنے کا بھی حق ہے اور یہ بھیک مانگنا نہیں ہے بلکہ یہ اس کا حق ہے اس لئے وہ مانگ سکتا ہے۔

حضرت کے ایک عزیز بزرگ کا واقعہ

عبدالرب کے دادا جو ہمارے عزیزوں میں ہوتے ہیں انکا معمول تھا کہ کوئی بھی مہمان کسی وقت بھی اور کہیں سے بھی آئے ان کے یہاں اس کے قیام وطعام کا نظم ہوتا تھا۔ کسی کے گھر میں خاص اس کے رشتہ دار آتے وہ تو اپنے رشتہ دار ہی کے یہاں ٹھہرتے، اس کے علاوہ جتنے بھی لوگ آتے سب انھیں کے یہاں ٹھہرتے۔

اللہ والوں کی موت کا ایک واقعہ

ان کے انتقال کا بھی عجیب وغریب واقعہ ہے جب ان کی بیوی کا انتقال ہوا تو دفن کے بعد فرمایا گھبرانا نہیں میں تین دن بعد آتا ہوں۔ اور تین دن کے بعد اپنے لڑکوں کو بلایا اور سمجھایا اور کچھ نصیحتیں وصیتیں کیں اور اس کے بعد لیٹ گئے اور زور سے پڑھا ’’لَا اِلٰــــهَ اِلَّا

اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" اس کے بعد انتقال ہوگیا۔

جب تک زندہ رہے، مہمان نوازی کرتے رہے اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو مولانا امین الدین صاحب مہمان نوازی کرتے تھے، ان کے پاس اتنا زیادہ سرمایہ نہ تھا لیکن جتنا کر سکتے تھے اس میں دریغ نہ فرماتے۔

اہل بدعت کی ملمع سازیاں اور شیطان کا مکر وفریب

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ وَیَحْسَنُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعاً الآیہ. معصیت اور گناہ کا کام جو بھی کرتا ہے غلط سمجھ کر نہیں اچھا سمجھ کر کرتا ہے، اس کا نفس اس کام کے کرنے پر اس کو آمادہ کرتا ہے اور طرح طرح کی خوبیاں اور اچھائیاں اس کے اندر بیان کرتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ گمراہی میں ہوتے ہیں، جو لوگ بھی گمراہی کا کام کرتے ہیں اس کو اچھا ہی سمجھ کر کرتے ہیں، اگر اس کو برا سمجھتے تو ہرگز نہ کرتے، اس کے اندر عرس، مروجہ فاتحہ، تعزیہ داری اور طرح طرح کے تمام بدعات وخرافات سب آگئیں کیونکہ اس کو لوگ اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، اور شیطان ایسے کاموں کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے اس کی خوبیاں اور اچھائیاں سامنے لاتا ہے" وَزَیَّـنَ لَھُمُ الشَّیْطَانُ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْن "اگر اس کو اچھا نہ سمجھتا تو ایسا کام نہ کرتا جو اللہ کو اور اس کے رسول کو ناراض کردے۔

بدعت کی مثال

اس کی مثال ایسی ہے جیسے گندگی اور پاخانہ کہ اس کے قریب بھی جانا کوئی پسند نہیں کرتا، کوئی بھی اس کو نہیں کھاتا کیونکہ جانتا ہے کہ پاخانہ ہے لیکن اگر اسی پاخانہ کو مزین کردیا جائے، شکر ملادی جائے اور اوپر سے چاندی کا ورق لپیٹ دیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس کو برفی سمجھے اور جب کھائے گا تو برفی سمجھ کر کھائے گا، پاخانہ سمجھ کر نہ کھائے گا۔

یہی حال تمام معاصی اور بدعات کا ہے کہ ان کاموں کو شیطان مزین کر کے اور اچھا لیبل چڑھا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے، اس کی خوبیاں بیان کرتا ہے، لوگ اس کے پیچھے ٹوٹ پڑتے ہیں۔

بدعت کی تردید

یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعاً: ایک مرتبہ کانپور کے ایک جلسہ میں اللہ پاک نے اس موضوع پر بہت مناسب باتیں بیان کرادی تھی جن کا حاصل یہ تھا کہ آدمی بہت سے کام کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بہت اچھا کر رہا ہوں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہوتا، اس کی ساری محنت رائیگاں اور بیکار جاتی ہے یہی مطلب ہے: اَلَّـذِيۡـنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ کا۔ کیونکہ کوئی بھی کام ہو جب تک وہ حضور ﷺ کے طریقہ سے ثابت نہ ہو، وہ مقبول نہیں ہوتا اور جب مقبول نہیں تو اس کی ساری محنت بیکار گئی، لیکن وہ سمجھتا ہے کہ میں بہت کچھ کر رہا ہوں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں کر رہا ہے اور اس کی ساری محنت و کوشش برباد جارہی ہے۔

جنت کی خصوصیت

لَا يَبۡـغُـوۡنَ عَنۡهَا حِوَلاً: جنتی لوگ جنت سے اکتائیں گے نہیں جس طرح کہ بڑی بڑی بلڈنگوں اور محلوں میں رہنے والے بڑے بڑے سیٹھ اکتا جاتے ہیں اور سیر و تفریح کیلئے گھر سے باہر پارکوں میں، دریا کے کنارے جایا کرتے ہیں وہاں ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ہر چیز وہیں موجود ہوگی، سیر و تفریح کا سامان بھی وہیں ہوگا۔ پارک بھی ہوگا۔ کہیں باہر جانے کی ضرورت ہی نہ ہوگی، اور باہر جانے کا ان کا جی ہی نہ چاہے گا، اور وہاں رہنے سے اکتاہٹ نہ ہوگی۔

فکر آخرت اور اعمال صالحہ کی ترغیب

فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡ لِقَآءَ رَبِّه فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلاً صَالِحاً:

جس کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، جواب دینا ہے، اور منھ دکھانا ہے تو پہلے اس کی تیاری تو کرے، اپنا منھ دکھانے کے قابل تو بنائے، کیا اپنے اللہ کے سامنے ایسا ہی منھ لیکر جائے گا کہ گناہوں سے لت پت، گناہوں کی نجاست اور بدبو سے ملوث ہو، ایسے حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا ؟۔

کسی لڑکی کی جب شادی ہوتی ہے اس کی رخصتی ہوتی ہے تو اس کو بنا سنوار کر بھیجا جاتا ہے تا کہ شوہر کو اچھی لگے، بناؤ سنگار کر کے عمدہ کپڑے پہنائے جاتے ہیں، زیورات سے مزین کر کے اس کو بھیجا جاتا ہے، صرف اس واسطے تا کہ اس کے شوہر کو اچھی لگے۔ لیکن اللہ کے پاس جو جا رہا ہے کیا ایسا ہی ناپاک اور گناہوں میں لت پت ہو کر جائیگا، اس کو بھی چاہئے کہ بن سنور کر جائے، اللہ کے حضور میں جائے تو گناہوں سے معافی مانگ کر توبہ کر کے پاک صاف ہو کر جائے، اپنے کو سنوار کر جائے۔ اپنے کو سنوارنے کا مطلب یہی ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے اعمال صالحہ اختیار کرے، یہ ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ.... الآیۃ یعنی جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ اعمال صالحہ اختیار کرے پتہ نہیں کب موت آجائے، کسی وقت بھی بلایا جا سکتا ہے اس لئے ہر وقت اپنے کو تیار رکھے، توبہ کر کے اپنے آپ کو بالکل پاک وصاف کر لے۔

اللہ کے پاس جائے تو اپنے سے جتنا ہو سکتا ہو جتنا اپنے کو سنوار سکتا ہو اس میں کسر نہ اٹھا رکھے۔ اللہ کے مقبول بندوں کی روح قبض کرنے کیلئے ملائکہ کی فوج آتی ہے اور وہ جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ روح ہم لے جائیں گے دوسرے کہتے ہیں کہ ہم لے جائیں گے، بڑے ناز وانداز سے عزت کے ساتھ اس کی روح کو لے جایا جاتا ہے۔

ریاکاری بھی شرک ہے اور اس سے بہت کم لوگ بچتے ہیں

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَداً: ریاکاری بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں قطعاً پسند نہیں، ریاکاری بھی ایک درجہ کا شرک ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے شرک

اکبر کے بارے میں تم سے خطرہ نہیں لیکن تمہارے بارے میں مجھے شرک اصغر سے اندیشہ ہے اور وہ ریا کاری ہے"۔

اور یہ ایسا خفیہ مرض ہے کہ آدمی کے اندر آہستہ آہستہ سرایت کر جاتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا، جیسے چیونٹی چلا کرتی ہے کہ وہ جب چلتی ہے تو کسی کو پتہ نہیں چلتا، چوہا چلے، چھچھوندر چلے تو پتہ چل جاتا ہے، آہٹ ہوتی ہے لیکن چیونٹی چلتی ہے تو اس طرح رینگ کر کہ ذرہ برابر آواز نہیں ہوتی۔

ریا انسان کے اندر اس طرح خفیہ طور سے سرایت کرتی ہے کہ آدمی کو پتہ نہیں چلتا اور اس کے اندر یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے جیسے شیطان انسان کے بدن کے اندر سرایت کرتا ہے اور انسان کو پتہ نہیں چلتا، حدیث پاک میں آتا ہے "اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مُجْرٰی الدَّمَ" (کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے) لیکن آدمی کو اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا یہی حال ریا کا ہے، یہ بہت بڑا مرض ہے، اللہ اس سے حفاظت فرمائے، اس مرض میں اچھے اچھے لوگ نتھ جاتے ہیں، بڑے بڑے مقررین تقریر کرتے ہیں اور بعد میں پوچھتے ہیں کیسی رہی تقریر، یعنی لوگ خوب داد دیں کہ ماشاءاللہ کیا اچھا بیان رہا! خوب واہ واہی ہوئی! وہ اپنی تقریر کو لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے کہ میں نے یوں کہا، اس طرح کہا اور یہ کبھی زبان پر نہیں آتا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے زبان سے یہ باتیں کہلوا دیں، اس غرور وتکبر میں اچھے اچھے لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مروجہ دستار بندی ومظاہرۂ قراءت کے جلسے

آج کل مدارس میں دین کے نام پر جو جلسے ہوا کرتے ہیں وہ بھی عموماً اسی قسم کے ہوتے ہیں، عموماً اس میں دکھاوا اور شہرت ہی مقصود ہوتی ہے، اس لئے میں ان کو پسند نہیں کرتا۔ اگر جلسہ اس لئے ہو کہ دوسرے لوگوں کو علم دین کی طرف رغبت اور شوق

پیدا ہوتو بہت بہتر ہے۔لیکن ایسا ہوتا نہیں۔کتنے ہیں جو اس نیت سے جلسے کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو علم دین حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔ یہاں تو جلسوں میں کارگزاریاں سنائی جاتی ہیں، کارنامے شمار کرائے جاتے ہیں کہ اتنے بچوں نے حفظ قرآن ختم کیا۔اتنی کم مدت میں مدرسہ نے اتنی ترقی حاصل کرلی۔مدرسہ نے یہ یہ کارنامے انجام دیئے اور اس میں کذب بیانی سے بھی کام لیا جاتا ہے۔یہ سب ریاکاری، شہرت دکھلاوا ہی تو ہے اللہ بچائے! یہ سب ریا اور شرک خفی کی صورتیں ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ڈرایا ہے۔

جلسوں میں چندہ کی اپیل

اسی طرح جو لوگ جلسوں میں چندہ کیا کرتے ہیں مجھے بالکل پسند نہیں۔میں نکیر تو نہیں کرتا۔اور ناجائز بھی نہیں کہتا لیکن مجھے پسند نہیں ہر ایک کی طبیعت ہوتی ہے، کوئی شخص دوسرے کے مزاج کا پابند نہیں، بعض لوگوں کے کہنے کی وجہ سے جلسوں میں چندہ کے لئے کہہ تو دیتا ہوں لیکن مجھ کو یہ پسند نہیں۔

میں چندہ کرنے کو منع نہیں کرتا، چندہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے، چنانچہ حدیث پاک میں قصہ آیا ہے، ایک مرتبہ آپ نے عام اعلان فرمایا اور لوگوں کو چندہ کی ترغیب دی، چنانچہ صحابہ میں سے جس کے پاس جو موجود تھا اپنی حیثیت کے مطابق لے آیا اور تھوڑی دیر میں ایک ڈھیر اکٹھا ہوگیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کھل گیا، تو چندہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے، لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کس طرح فرمایا تھا، چندہ کیا مگر جبراً نہیں کیا، اعلان کے بعد خوشی کے ساتھ جس نے دیا آپ نے جمع فرمالیا۔لیکن آج کل جلسوں میں چندہ کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ یہ کہ مثلاً کسی غریب کا چندہ لیکر نام لے کر اس کا اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں صاحب رکشہ چلانے والے نے پانچ سو روپئے عنایت فرمائے اللہ پاک قبول فرمائے! اور یہ اعلان اس واسطے کیا جاتا ہے تاکہ دوسرے لوگ

اور بڑھ بڑھ کر دیں، کسی کارخانہ اور فیکٹری والے نے کچھ رقم دی تو اس کی تشہیر کی جاتی ہے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے اس طرح اعلان وتشہیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

مدرسہ والوں کو خدا کی ذات پر بھروسہ رکھنے کی ضرورت

میں کہتا ہوں کہ جس کو مانگنا ہے خدا سے کیوں نہیں مانگتے ؟ خدا سے مانگنے کی عادت کیوں نہیں ڈالتے ؟ کیا نعوذ باللہ خدا کا خزانہ خالی ہو گیا ہے، یا خدا نے دھتکار دیا ہے، مانگنے سے منع کر دیا ہے، یا ہاتھ پکڑ کر نکال دیا ہے، جب مانگنا ہی ہے تو خدا سے کیوں نہیں مانگتے۔ اس کی ذات پر بھروسہ کیوں نہیں رکھتے، وہاں تو ہر وقت ہی یہ صدا ہے کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ دعاء مانگو گے قبول کی جائے گی، اس دربار میں یہ تو ہوتا ہی نہیں کہ اس وقت نہیں، دوسرے وقت آنا۔ اس دربار سے تو ہر وقت ملتا ہے لیکن کوئی ہو تو مانگنے والا۔

ریا کاری کی حقیقت اور اس کے حدود

فرمایا ریا کاری یہ ہے کہ غیر اللہ کی نیت سے کوئی کام کیا جائے یعنی کسی غیر کو دکھلانے کی نیت سے کوئی کام کرے، یہ ہے شرک خفی ایسے عمل کے بارے میں سخت وعید آئی ہے، مثلاً کسی نے جہاد کیا اس نیت سے تاکہ لوگ اسکو بہادر اور ہمت والا کہیں، یا کسی نے کوئی عبادت کی، نماز وغیرہ پڑھی کسی کو دکھلانے کی نیت سے تاکہ لوگ اس کو عابد سمجھیں ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عمل تو کیا تھا اللہ کی نیت سے لیکن درمیان میں دوسروں نے بھی دیکھ لیا اور اس سے نفس خوش ہوا تو یہ ریا کاری میں داخل نہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں ایک عمل گھر کے اندر کرتا ہوں لیکن اچانک کوئی دوسرا دیکھ لیتا ہے تو اس سے خوشی ہوتی ہے کیا یہ ریا کاری ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **تلک البشریٰ العاجلة**، کہ ریا کاری نہیں یہ تو بشریٰ عاجلہ ہے (اللہ کی طرف سے نقد انعام ہے) الحمد للہ سورۂ کہف مکمل ہوگئی۔

افادات درسِ قرآن

سورہ مریم

افادات درس قرآن سورۂ مریم

دعا آہستہ ہی مانگنا چاہئے

اِذْنَادیٰ رَبَّه' نِدَاءً خَفِیًّا یاد کرو اس وقت کو جب کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے آہستہ سے دعا فرمائی تھی ، اس سے دعا کا ایک ادب معلوم ہوا کہ دعا میں اصل اخفاء ہی ہے یعنی آہستہ دعا مانگی جائے ، کبھی دوسروں کی تعلیم کے لئے زور سے دعا مانگی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن جب تنہائی میں دعا مانگی جائے تو آہستہ ہی مانگنا چاہئے۔

زیادہ قبول ہونے والی دعا

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ الخ: حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑی عاجزی وانکساری کے ساتھ اولاد ہونیکی دعا فرمائی تھی ، فرماتے ہیں کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو چکیں ، مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ، میری بیوی بھی بانجھ ہے لیکن میں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ میری دعا قبول فرمالیجئے ، حضرت زکریا علیہ السلام میں تو الد کے اسباب مفقود اور ان کی بیوی میں معدوم تھے ، لیکن حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ کی ذات پر یقین کر کے اپنی کمزوری ظاہر کر کے دعا فرمائی۔ دعا میں جس قدر بھی اپنی کمزوری کا اظہار ، تواضع وتذلل وانکساری اور خدا کی ذات پر یقین ہوگا اتنی ہی زیادہ دعا قبول ہوگی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ اسباب عادیہ نہ ہونے کے باوجود میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرمالیجئے۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور اللہ نے آپ کو اولاد عطا فرمائی۔

ذمہ دار کی ایک ذمہ داری

یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ: ! حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعا کی تھی اور ایسی اولاد کی دعا کی جو آل یعقوب کا اور ان کا وارث اور جانشین بنے اور ان کے مرنے کے بعد بھی دین کی گاڑی چلتی رہے اور یہ سلسلہ باقی رہے کہ میرے بعد دینی سلسلہ کا کام جاری رہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایک ذمہ دار کے لئے اس کی بھی فکر اور دعا کرنا ضروری ہے۔کہ میرے بعد دینی سلسلہ کا کام جاری رہے۔

انبیاء کی میراث

اس آیت میں میراث سے مراد دین کی میراث ہے، جاگیر و جائداد مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی میراث مال دولت نہیں بلکہ دین ہوتی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْاَنْبِیَاء لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا الخ یعنی انبیاء دراہم ودنانیر (مال ودولت) کی میراث نہیں چھوڑتے، ان کی میراث تو دین ہوتی ہے۔

دینی امور میں بھی بیٹے کو باپ کے ترکہ سے زیادہ تعلق ہوتا ہے

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ الخ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ میرے رشتہ داروں میں تو اس دین کے قدرداں نہیں جو اس کام کو سنبھال سکیں، مجھے اپنے بعد اس دین کے بارے میں خطرہ ہے اس لئے مجھے کوئی لڑکا نصیب فرما جو میرا کام سنبھال سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو باپ کی جاگیر اور اس کے متروکات سے جو گہرا

تعلق ہوتا ہے وہ غیروں کو نہیں ہوتا کیونکہ اولاد کو تو فطری محبت اور لگاؤ ہوتا ہے غیر کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعاء کی تا کہ بیٹا دین کا کام سنبھال سکے۔

مطیع فرمانبردار اولاد اللہ کی نعمت ہے

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا :یعنی یااللہ! مجھے ایسا لڑکا دیجئے جو آپ کو پسند ہو یعنی آپ کی عبادت کرنے والا اطاعت کرنے والا ہو، محض لڑکا ہونا نعمت نہیں، لڑکا ہو اور مطیع و فرمانبردار اور عبادت گزار ہو تو واقعی نعمت ہے ورنہ نافرمان فسادی لڑکا تو بجائے نعمت کے زحمت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی اولاد سے پناہ مانگی ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَّلَدٍ یَّکُوْنُ عَلَیَّ وَبَالاً''

حفاظت کے لئے تالا وغیرہ بھی بند کرنا چاہئے

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ :لوگ منتظر تھے کہ حضرت زکریا علیہ السلام تشریف لائیں اور مسجد کا دروازہ کھولیں غالبًا آپ ہی مسجد کے متولی رہے ہوں گے اور مسجد میں تالا بند کرتے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت حفاظت کا انتظام کرنا، دروازہ اور تالا بند کرنا سب جائز ہے، کرنا چاہئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسجد کا متولی و نگراں بننا انبیاء کی سنت ہے

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ مسجد کا متولی بننا اور اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا یہ کوئی عیب اور ذلت کی بات نہیں، جب نبی متولی بن سکتا ہے تو دوسروں کے لئے اس میں کیا عیب کی بات ہے لیکن آج ہم ان کاموں کو عیب سمجھتے ہیں اور حقیر سمجھتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ہم گیٹ میں تالا بند کریں، کیا ہم چپراسی ہیں؟

ٹھنڈا پانی پینے اور پلانے کی فضیلت

دوران سبق حضرت اقدس دامت برکاتہم نے پینے کے لئے پانی طلب فرمایا ایک طالب علم لے کر حاضر ہوا، حضرت نے پوچھا کہاں سے لائے ہو؟ عرض کیا گھڑے سے لایا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: اصل پانی تو گھڑے ہی کا ہے اور یہی اچھا لگتا ہے۔ اور جب فریجر کے پانی کی عادت ہو جاتی ہے تو اس کے بغیر پیاس ہی نہیں بجھتی۔

میں تو کہتا ہوں کہ ہر شخص کو چاہئے اپنے اپنے کمرہ میں ایک گھڑے کا انتظام کرے، اور فریج وغیرہ رکھے تو اس نیت سے رکھے کہ ٹھنڈا پانی پیوں گا تو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کہ اس نے شیریں اور ٹھنڈا پانی پلایا، کوئی پیاسا ہوگا تو پیاسے کو پانی پلاؤں گا، اگر شروع میں یہ نیت کرلیا کریں تو کتنا بڑا ثواب ملے، کسی پیاسے کو ایک گلاس پانی پلانے کی کتنی بڑی فضیلت آئی ہے! حدیث پاک میں آتا ہے اگر تم نے کسی پیاسے کو ایسی جگہ پانی پلا دیا جہاں پانی ملتا ہو تو اس کا ایسا ثواب ہے جیسے ایک غلام آزاد کرنا، اور اگر اسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تو اس کا ثواب ایسا ہے جیسے مردہ کو زندہ کرنا، یہی ایک گلاس پانی ہے جو آخرت میں نجات کا ذریعہ بنے گا، لکھا ہے کہ دوزخیوں کی صف میں ایک شخص کھڑا ہوگا اور سامنے اہل جنت کی صف ہوگی، یہ دوزخی جنتی سے کہے گا کہ فلانے تم کو یاد ہے کہ فلاں موقع پر ہم نے تم کو پانی پلایا تھا؟ وہ اس کا اقرار کرے گا اور اس لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی سفارش قبول فرمائے گا اور اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔

پریشانی کے وقت پریشان ہونا بشریت کا خاصہ ہے

یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا : مریم علیہا السلام کا قصہ مشہور معروف ہے، قرآن پاک میں پورا قصہ مذکور ہے، دردِ زِہ کی تکلیف اور بدنامی کے اندیشہ سے جب سخت بے چین اور پریشان ہوئیں تو یہاں تک تمنا کرنے لگیں کہ کاش میں نَسْیًا مَّنْسِیًّا ہو جاتی اس سے معلوم ہوا کہ پریشانی کے وقت آدمی پریشان ہوتا ہے اور یہ تو بشریت کا خاصہ ہے جو توکل کے منافی نہیں۔ مصیبت اور پریشانی کے وقت زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔

"نَسْیًا مَّنْسِیًّا" کا ترجمہ حضرت نے فرمایا "بھولی بسری ہو جاتی ہے" اور "شَیْئًا فَرِیًّا" کا ترجمہ فرمایا "بڑا طومار لائی ہے"۔

اللہ کی قدرت اور نظام خداوندی

دردِ زِہ کے وقت دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پانی کی اور گرم چیزوں کے کھانے کی، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دونوں ہی چیزوں کا بروقت انتظام فرما دیا" قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا "میں پانی کا انتظام ہے اور یہ محض اللہ کی رحمت ہے کہ پہلے وہاں کوئی چشمہ اور نہر نہ تھی اپنی قدرت سے اللہ نے چشمہ جاری فرما دیا، اور اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ جس اللہ نے اپنے رحم وکرم سے نہر میں پانی جاری کر دیا وہ اللہ تمہاری عزت وآبرو کی بھی حفاظت فرمائیگا۔

آگے فرمایا: "وَھُزِّیْ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ "اس میں گرم چیز کھانے کا انتظام کیا گیا ہے کہ اس کو اپنی طرف ہلاؤ اس سے کھجوریں گریں گی، اور پھر فرمایا" فَکُلِیْ وَاشْرَبِیْ الخ " کھاؤ اور پیو، کھانے کو مقدم کیا اور پینے کو مؤخر، اس واسطے کہ کھایا پہلے جاتا

ہے اور پانی بعد میں پیا جاتا ہے، اور انتظام کے سلسلہ میں پانی کو پہلے بیان کیا۔ کیونکہ پانی زیادہ اہم ہے، پانی کا انتظام نہ ہوتو کھانا نہیں کھایا جاتا، ناشتہ دان میں کھانا موجود ہو پھر بھی کھانا نہیں کھاتے اور انتظار کرتے ہیں کہ جب اسٹیشن آئے گا پانی ملے گا تب کھانا کھائیں گے، پانی نہ ہوتو ناشتہ دان بھی نہیں کھولتے، اس لئے پہلے پانی کا ذکر کیا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے کھجور کے درخت اور اس کی شاخ کو ہلانے کا حکم فرمایا ہے کہ اس کے حرکت دینے سے کھجوریں گریں گی اللہ تعالیٰ کو قدرت اس پر بھی تھی کہ کھجوریوں ہی سامنے ڈال دے، لیکن اس صورت میں قدرت کا اتنا مظاہرہ نہ ہوتا اور اس صورت میں جبکہ حضرت مریم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں کہ سوکھا درخت ہے، کھجور کا نام ونشان نہیں اور اس کو حرکت دینے سے تر وتازہ کھجور گر رہے ہیں، اس صورت میں اللہ کی قدرت کا زیادہ مشاہدہ ہوگا اور اللہ کی ذات پر یقین زیادہ ہوگا، اطمینان دلانا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ پاک نے پانی اور کھجور کا انتظام کر کے تمہاری جان کی حفاظت کی ہے کیا وہ اللہ تمہاری عزت وآبرو کی حفاظت نہیں کرے گا؟۔

صالحین کا تعاون کرنے سے بلند مقام بھی نصیب ہوجاتا ہے

وَوَهَبْنَا لَه' مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هَارُوْنَ نَبِيًّا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میرا معاون ومددگار پیدا کر دیجئے ، اللہ نے ان کے بھائی ہارون کو قبول فرمایا، حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرتے تھے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے ان کے اندر کام کرنے کی صلاحیت واستعداد موجود تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں دعا قبول فرمالی اور ان کو بھی نبی بنادیا، کام کی برکت سے اللہ نے ان کو یہ مقام نصیب فرمادیا۔

اپنے کام میں شریک کر کے دوسروں کو بھی آگے بڑھانا چاہئے

ایک بات اس سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ اپنے ساتھ کسی کو شریک کر لینا چاہئے ،اس سے مدد ملتی ہے، اپنے اعوان ومددگار جو اس کے اہل ہوں ان کو کام میں شریک کر لینا چاہئے ، یہ کوشش نہ ہونی چاہئے کہ بس صرف میرا ہی نام ہو، میرے علاوہ کوئی اور نہ ہو، صرف خود ہی آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ جو بھی باصلاحیت اس قابل ہوں ان کو بھی آگے بڑھانا چاہئے۔

کام میں ترقی اعوان وانصار ہی کے ذریعہ ہوتی ہے

جب اعوان ومددگار باصلاحیت دیانت دار کام کرنے والے ہوتے ہیں تو کام آگے بڑھتا ہے اور جب اعوان ومددگار ہی صحیح نہ ہوں تو کام آگے نہیں بڑھتا، تنہا اکیلی ذات کیا کر سکتی ہے؟ جب نبی نے تنہا کام نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اعوان نصیب فرمائے ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حواری نصیب فرمائے ، حضور ﷺ کو صحابہ کی جماعت نصیب ہوئی تو غیر نبی بغیر اعوان کے کیسے کام کر سکتا ہے؟ جن لوگوں کو اچھے افراد واعوان مل جاتے ہیں ان کے کام میں ترقی ہوتی ہے ورنہ ناکامی ہوتی ہے۔

حقیقی اعوان وانصار

اعوان ومددگار اس کو نہیں کہتے کہ گرمی میں پنکھے سے ہوا کر دی ، سر میں تیل لگا دیا ، پیر دبا دیئے ، وضو کے لئے پانی رکھ دیا ، اصل معاون ومددگار تو وہ ہے جو کام میں

ہاتھ بٹائے ،جس کے اندر امانت بھی ہو، دیانت بھی ہو ذمہ داری کا احساس بھی ہو،اس کے ذمہ جس کام کو کر دیا جائے پوری دیانت داری کے ساتھ اس کو انجام دیتا ہو ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ کام لیتا ہے۔

آج کل ایسے اعوان ومددگار تو بہت ہیں جو سر میں تیل لگانے والے ،پیر دبانے والے، وضو کا پانی رکھنے والے ہیں لیکن ایسے معاون ومددگاروں سے کام نہیں چلتا۔خرچ تو بڑھ جاتا ہے،عملہ بڑھ جاتا ہے لیکن کام نہیں بڑھتا، ہاں اگر ایسے معاون مل جائیں جو خواہ کبھی نہ پیر دباتے ہوں نہ سر میں تیل ڈالتے ہوں لیکن دیانت داری سے کام میں ہاتھ بٹاتے ہوں ایسے مددگاروں سے کام آگے بڑھتا ہے۔پانی پت میں ڈھائی ہزار پڑھنے والے طلبہ رہتے تھے اور ایک ہی جگہ نہیں رہتے تھے بلکہ متعدد مساجد میں رہتے تھے اور ایک ایک مدرس اسی اسی لڑکوں کو پڑھاتا تھا۔قاری مشتاق صاحب اسی لڑکوں کو حفظ پڑھاتے تھے۔میں قسم کھالوں تو حانث نہ ہوں گا، فجر کے پہلے سے بیٹھتے تھے اور عشاء کے بعد تک سلسلہ قائم رہتا تھا،اور اتنا تو الحمدللہ میں نے بھی پڑھایا ہے اور یہ سب وہیں کی برکت تھی، جب اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والے پیدا فرمادیتے ہیں تو اس طرح کام آگے بڑھتا ہے۔

اعوان وانصار کس کو بنانا چاہئے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے دعا فرمائی کہ میرے ساتھ ان کو بھی کام میں شریک فرمادیجئے۔"وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ "اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اگر کسی کا انتخاب کرے،اپنے ساتھ کام میں شریک کرنا چاہے تو وہ ایسا شخص ہونا چاہئے جو جانا پہچانا ہوا ہو، پرکھا ہوا ہو،اس کے حالات سے پوری واقفیت ہو، خاندان کا ہو تو زیادہ اچھا ہے،خاندان سے مراد یہی ہے کہ اس کے حالات سے پوری

طرح واقفیت ہو، ایسا قابل اعتماد شخص کوئی مل جائے تو اس کو اپنے ساتھ کام میں شریک کرلے۔

تحقیق کے بغیر ہر ایک پر اعتماد کر لینے کا انجام

بلا تحقیق ہر ایک کو کام میں شریک کر لینے کا انجام اچھا نہیں ہوتا، کتنوں کو دیکھا کہ شروع میں بڑے اچھے نظر آئے لیکن آگے چل کر انہوں نے خوب گل کھلائے، شروع میں تو پھول تھے لیکن بعد میں کانٹا بن گئے۔

ایک صاحب کو میں نے ایک مدرسہ میں رکھ دیا، ان کے حالات سے پوری واقفیت نہیں تھی، شہرت بہت سنی تھی کہ بڑی اچھی استعداد ہے اور واقعی استعداد بہت اچھی تھی اور استعداد ہی کی وجہ سے ان کو رکھ لیا تھا لیکن استعداد اچھی تھی، اعمال اچھے نہیں تھے استعداد کے اچھا ہو جانے سے اعمال اچھے نہیں ہو جاتے، بالآخر مجبور ہو کر ایسی تدبیر اختیار کرنا پڑی کہ ان کو برطرف کرنا پڑا، یہ انجام ہوتا ہے ہر ایک پر اعتماد کر لینے کا۔

والدین کی اطاعت وفرمانبرداری

''وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ'' حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے بہت ہی مطیع وفرمانبردار تھے، اور ہونا بھی چاہئے۔

ہمارے والد صاحب بھی اپنے والد (یعنی حضرت دادا) کی بہت اطاعت کرتے تھے، زندگی بھر نافرمانی نہیں کی، پوری زندگی اطاعت وخدمت کر کے تعلیم حاصل کی تھی، ان کے استاذ چلے گئے تھے جن سے پڑھا کرتے تھے، پھر دوبارہ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی بس اپنے والد صاحب کی خدمت ہی میں زندگی گذار دی، میرے دادا عشاء کے بعد بہت دیر تک وظائف میں مشغول رہتے، اتنی دیر تک والد صاحب پیچھے بیٹھے

رہتے، اور گرمی کے موسم میں پنکھا جھلا کرتے، ورنہ خود بھی پیچھے بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتے، جب وظیفہ سے فارغ ہوجاتے تو ہاتھ پکڑ اکر گھر لاتے، بستر بچھاتے، ان کو آرام سے لٹاتے، پیر دباتے اس کے بعد سوتے تھے اور یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا، اور اخیر عمر تک اسی طرح کرتے رہے، والد صاحب کا ۳۳ سال کی عمر میں دادا کی حیات میں انتقال ہوا۔ (رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ونوّر اللہ مرقدہ) (حضرت قاری صدیق صاحب کے والد صاحب کا نام سید احمد تھا، مولانا لطف اللہ صاحب سے تعلیم حاصل کی جو چھنہرا کے رہنے والے تھے، درسیات کے جید عالم تھے، یہاں سے بھوپال چلے گئے اور ننھے میاں کے والد کی خدمت میں بیس سال تک رہے پھر ایک گمنام جگہ چلے گئے وہیں انتقال ہوا)۔

مبلغین کو ضروری ہدایت وتنبیہ

اپنی اور گھر والوں کی اصلاح ضرورت

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بابت ارشاد ہے کہ وہ اپنے گھر والوں (اہل وعیال) کو نصیحت کرتے، نماز وزکوٰۃ کی تلقین فرماتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کی طرف سے غافل نہ ہو، ان کو بھی نماز روزہ کی تلقین کرتا رہے، بری باتوں سے روکتا رہے لیکن آج ہم سے یہی نہیں ہوتا، خود کا حال تو یہ ہے کہ ہر سال چلہ پر چلہ لگ رہا ہے لیکن بیوی بے پردہ، بے نمازی ہے، لڑکا ہے بالکل آوارہ، سر میں بڑے بڑے بال رکھائے، پینٹ پہنے آزاد ٹہلا کرتا ہے نہ نماز کی پرواہ، نہ روزہ کی، اور ان صاحب کو ساری دنیا کی تو فکر ہے لیکن گھر کی طرف سے بالکل غافل بس چلہ لگانے کو کافی سمجھتے ہیں، اور اس چلہ کو بھی جب تک

چلانہیں دیتے (لوگوں میں شہرت نہیں کر دیتے) اس وقت تک چین نہیں آتا، بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس سال اس نے امریکہ اور چین کی جماعت میں وقت لگانے کا موقع نصیب فرمایا لیکن یہ اللہ کا احسان اور شکر ادا کرنا مقصود نہیں بلکہ لوگوں میں احسان جتلانا مقصود ہے کہ ہم نے اتنا بڑا کام کیا، ارے اللہ کے واسطے چلہ لگاتے ہو یا دوسروں کو سنانے کے واسطے؟ چلہ تو لگا آئے لیکن بیوی بچوں کی کوئی فکر نہیں، بیٹا بے نمازی انگریزی بال رکھے ہوئے ہے، بیوی بے نمازی سنیما دیکھتی ہے اور یہ دیندار بنے بیٹھے ہیں کیوں کہ چلہ لگا آئے ہیں آدمی کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کی بھی فکر کرے، گھر والوں کی طرف سے غافل نہ ہو۔

تبلیغ میں کامیابی کا راز اور ناکامی کے اسباب

ہماری بدحالی کا یہ عالم ہے کہ چلہ لگانے سے پہلے جو ہمارا حال تھا وہی حال چلہ لگانے کے بعد بھی رہتا ہے، چلہ لگانے سے پہلے اگر کسی کی طرف سے دل میں کینہ اور بغض وحسد بھرا ہوا تھا اب بھی بھرا ہوا ہے۔ جس طرح کسی کی زمین اور کسی کا حق دبائے ہوئے تھے اب بھی دبائے ہوئے ہیں۔ انہیں سب باتوں سے کام کو اور دین کو نقصان پہونچتا ہے اور ایسے ہی لوگ دین کو بدنام کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے پوری جماعت اور دین کا کام کرنے والے لوگ بھی بدنام ہوتے ہیں، ان سے بدگمان ہوتے ہیں، نفرت کرتے ہیں، ایسی حالت میں کام میں ترقی ہونے کے بجائے کام کو نقصان پہونچتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ چلہ اپنی اصلاح کے لئے نہیں لگایا تھا، یہی حال خانقاہ میں اکثر رہنے والوں کا ہے وہ اصلاح کے لئے نہیں رہتے بلکہ اس لئے رہتے ہیں کہ شہرت ہو، عزت ہو کہ فلاں بزرگ سے ان کا تعلق ہے، اتنا زمانہ خانقاہ میں گزرا ہے۔

عملی تبلیغ کی ضرورت

فرمایا ایک مرتبہ میں نے بمبئی میں اسی موضوع پر تقریر کی تھی، تبلیغی حضرات کا مجمع تھا، میں نے کہا کہ آپ حضرات تبلیغ کا کام کرتے ہیں لیکن صرف آپ کی زبان مبلغ ہے یا خود آپ بھی مبلغ ہیں، یعنی آپ اپنے عمل سے بھی تبلیغ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر صرف آپ کی زبان مبلغ ہو اور آپ کا عمل خود آپ کے قول کے مطابق نہیں، تو اس سے کام کو ترقی نہیں ہو سکتی بلکہ اور نقصان پہونچ سکتا ہے، زبانی تبلیغ کے ساتھ آپ کی زندگی بھی عملی تبلیغ کا نمونہ ہونا چاہئے کہ جب آپ چلہ لگا کر واپس آئیں تو آپ کا دل بالکل صاف آئینہ کی طرح ہونا چاہئے، ساری باتیں لڑائی جھگڑے کی مثلاً کینہ، بغض وغیرہ سب دھل جانا چاہئے اور ان گندگیوں سے آپ کا قلب بالکل صاف ہونا چاہئے لوگ محسوس کرلیں کہ چلہ کے بعد سے اس کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے، جس کا حق دبایا ہو اس کا حق ادا کردیں، ہر ایک کے کام آئیں، ہر ایک سے خوش مزاجی سے ملاقات کریں پھر دیکھئے آپ کا یہ ایک چلہ لوگوں کے ہزاروں چلوں کا ذریعہ بنتا ہے یا نہیں؟ اور لوگ متأثر ہوتے ہیں یا نہیں؟ لوگ خود کہیں گے کہ ارے صاحب اس نے ایک چلہ لگایا اس کی زندگی میں کیسی تبدیلی آئی، یہ تو ہر ایک کے کام آتا ہے۔ کام کی ترقی تو اس طرح ہوتی ہے۔

بمبئی میں میں نے یہ تقریر کی تھی اتفاق سے اس مجمع میں کچھ ایسے لوگ تھے جو ان امراض میں مبتلا تھے ان حضرات پر یہ تقریر بالکل چسپاں ہوئی تو نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے تھے۔ گھر میں بھی تبلیغ کرتے تھے، لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے گھر میں بھی دینی محنت کرے اور گھر والوں کو بھی تبلیغ کرتے، اچھی باتوں کا حکم کرے اور بری باتوں سے روکے۔

سب سے اونچا مقام

وَكَانَ عِنْدَرَبِّهٖ مَرْضِيًّا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مَرْضِيًّا یعنی اللہ کے پسندیدہ تھے، اللہ نے ان کو پسند کرلیا تھا اور یہ سب سے اونچا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو پسند کرلے، اس سے اونچا کوئی مقام نہیں، اللہ پاک ہم سب کو ایسے کام کی توفیق عطا فرمائے جس سے ہم خدا کو پسند آجائیں۔

صدیق کی تعریف

ہر نبی صدیق ہوتا ہے، صدیق بہت اونچا مقام ہے، اور صدیق کی تعریف ہے کہ اس کا ہر کام اللہ کے واسطے ہوتا ہے، وہ جو بھی کام کرے اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے واسطے کرے جس کے اندر بھی یہ صف پایا جائے گا وہ صدیق ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کے واسطے ترک وطن کرنا

وَاذْكُرْفِيْ الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ،اِلیٰ قَوْلِه تعالیٰ وَاعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الآيه:

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ چل رہا ہے، جب اپنے وطن اور گھر میں اللہ کی عبادت کرنا دشوار ہوگیا تو آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا، اپنے محبوب وطن اور خاندان سب کو قربان کردیا اور سب کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جہاں کہیں بھی رہتا ہو اور وہ جگہ خواہ کیسی ہی ہو اگر وہاں رہنے میں اللہ کی عبادت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو، اور اللہ کی عبادت کرنا دشوار ہو تو ایسی جگہ کو چھوڑ دینا چاہئے، ایسی جگہ رہنے سے کیا فائدہ؟ جہاں اپنے اللہ کو نہ یاد کر سکے، خالی اپنے اعزہ واقارب کو لے کر کیا کرے گا جو خدا کا باغی ہو وہ ہمارا کیا ہوسکتا ہے، اس لئے جب کبھی ایسے حالات پیش آجائیں تو پھر یہ نہ دیکھے کہ ہمارے بنگلہ اور کوٹھی کا کیا ہوگا، اور ہم کو بلڈنگ اور کوٹھی کہاں ملے گی؟ ہم کو بنگلہ اور کوٹھی چاہئے یا اپنا خدا چاہئے؟ اپنے خدا کے واسطے ہم سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اللہ کے واسطے محبوب وطن، اعزہ واقارب سب کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی تھی۔

اللہ کے واسطے قربانی دینے پر اللہ ہر طرح سے نوازتے ہیں

وَوَهَبْنَالَهٗ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے واسطے قربانی دی، وطن چھوڑا، خاندان چھوڑا تو اللہ نے ان کو انعام نصیب فرمایا کہ ان کی اولاد میں انبیاء پیدا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سردار بنایا، آپ کے بعد تمام انبیاء آپ کی ہی نسل سے ہیں۔ آپ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق واسماعیل علیہما السلام کو پیدا فرمایا اور بنی اسرائیل کے جتنے انبیاء ہیں وہ سب حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور تمام انبیاء کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت میں ہیں گویا تمام انبیاء اور سردار انبیاء سب ہی آپ کی ذریت میں ہوئے، اللہ نے اتنا اونچا مقام ابرہیم علیہ السلام کو نصیب فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

تمام انبیاء علیہم السلام کی مثال موتی جیسی ہے، جیسے ایک سیپ کے اندر بہت

سے چھوٹے چھوٹے موتی ہوں، ہر موتی انتہائی چمکدار اور روشن ہو لیکن ایک سیپ ایسا ہو کہ کافی بڑا ہو اور اس میں صرف ایک ہی موتی ہو، ظاہر بات ہے کہ اس کی روشنی سب پر فائق ہوگی، کیونکہ موتی کی روشنی اتنی ہی ہوگی جتنا اس کا جسم ہوگا، جو موتی سب سے بڑا ہوگا اس کی روشنی سب پر فائق ہوگی اس کی روشنی کے سامنے تمام موتی ماند پڑ جائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں حضرت اسحاق علیہ السلام بھی ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی لیکن بنی اسرائیل کے تمام انبیاء سب حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہیں یہ سب ایک سیپ کے موتی ہوئے اور ان سب میں روشنی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، آپ کی نسل میں کوئی اور نبی نہیں ہوا، یہ ایسا ہے جیسے ایک بہت بڑا موتی ہو جو ایک سیپ میں تنہا ہو، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء پر فائق اور سب کے سردار ہوئے، اور یہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں تھے، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف نصیب فرمایا، سچ ہے جو اللہ کے واسطے عزیزوں کو چھوڑتا ہے اللہ اس کو عزت و رفعت نصیب فرماتا ہے۔

پریشانی اور مصیبت کے وقت کیا کرنا چاہئے؟

دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں مخالفت بھی ہوتی ہے اور پریشانیاں اور مصیبتیں بھی آتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسے حالات آئے، حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو بتلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ اللہ کے راستہ میں تو پریشانیاں ہمیشہ آتی رہی ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی کسی پر حالات آئیں اور پریشانیوں و مصیبتوں کا سامنا ہو تو ایسے حالات میں اپنے سے پہلے اور بڑوں کے حالات و واقعات دیکھنا اور

سننا چاہئے، اس سے تسلی ہوتی ہے، تقویت ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے اندر ایسا جذبہ ہونا چاہئے کہ وقت آنے پر دین کے نام پر وہ ہر طرح کی قربانی دے سکے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اسی واسطہ بیان کیا گیا ہے۔

خوف وخشیت کی ضرورت

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا : انبیاء علیہم السلام کا کتنا اونچا مقام ہے لیکن اس کے باوجود ان کی حالت یہ تھی کہ اللہ کے حضور میں روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ کسی کو کوئی مقام یا کسی قسم کی کوئی نعمت عطا کرے تو اس پر غرور و تکبر نہ کرے بلکہ ڈرتا رہے، روتا رہے، لرزتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں اس نعمت کو سلب نہ فرمالے، یہ تو محض اللہ کا فضل اور اس کی عنایت ہے کہ اس نے ہم کو یہ نعمت نصیب فرمائی ہے اگر وہ چاہیں تو ہم سے چھین بھی سکتے ہیں۔

نماز کی اہمیت اور اس میں کوتاہی کی مذمت

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوْا الصَّلٰوةَ :

اس سے پہلے اسلاف کے احوال کا بیان تھا اب اخلاف کی حالت بیان کر رہے ہیں، اخلاف (یعنی بعد کے جانشینوں) کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوات کے پیچھے پڑ گئے، اخلاف کی بداعمالیوں میں سب سے اہم چیز نماز کو بتلایا ہے کہ ان لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعملی میں

نماز نہ پڑھنے کو بہت بڑا دخل ہے، حتیٰ کہ ان لوگوں کو ناخلف اسی واسطے کہا گیا کہ انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوات کے پیچھے پڑ گئے، جسکی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں جانے اور آگ میں جلنے کا بڑا سبب نماز کو ضائع کرنا ہے۔

اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ناخلف، نااہل کہا گیا ہے اور اس کی علت نماز کو ضائع کرنا بتایا گیا ہے۔ نماز ضائع کرنے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، بالکل نماز نہ پڑھنا یا نماز کو کماحقہ سنن ومستحبات کی رعایت کے ساتھ نہ پڑھنا یہ بھی اس کو ضائع کرنا ہے، جس طرح سے ایک ہزار روپے ضائع ہوجانے کو روپیہ ضائع ہونا کہتے ہیں اسی طرح پانچ سو اور ایک روپیہ بھی اگر ضائع ہوجائے تو اس کو بھی ضائع کرنا کہتے ہیں، اسی طریقہ سے نماز کے حقوق میں جو بھی کوتاہی ہوگی اس کو بھی ضائع کرنا کہیں گے۔

کھانا صرف دووقت کھانا چاہئے

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا: جنتیوں کا کھانا صبح وشام ہوگا، جنت میں جو کھانے پینے اور عیش وآرام کی جگہ ہے وہاں بھی کھانا دو ہی وقت ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ کھانا دو ہی وقت کھانا چاہئے صبح وشام (فطرت انسانی کا مقتضیٰ یہی ہے) یہ نہیں کہ ہر وقت منہ ہی چل رہا ہو، جو بھی چیز بکنے آئی منہ چلنے لگا، برف بکنے آیا وہ کھانے لگے، بیر بکنے آئے وہ کھانے لگے۔ کھانا تو ضرورت کے موافق کھانا چاہئے اور وہ ضرورت دووقت کے کھانے سے پوری ہوجاتی ہے۔

آج آدھی رات میں کچھ لڑکے نامعلوم کیا پکار رہے تھے یہ کتنی بددیانتی کی بات ہے! کیا رات اسی واسطے ہوتی ہے کہ کھا پکا کر گذار دو، کیا بجلی اسی واسطے دی گئی ہے کہ

رات بھر اس کو استعمال کرو، ضرورت ہو تو ایک ہزار بلب استعمال کرو، اور بے ضرورت تو معمولی بلب جلانا بھی جائز نہیں، بجلی تم لوگوں کو پڑھنے کے واسطے دی گئی ہے یا رات رات بھر کھانے پکانے کے واسطے؟ کتنی بددیانتی کی بات ہے!

اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا :حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ وحی کا آنا موقوف ہوگیا تو آپ پریشان ہوگئے کہ ہمارا اللہ ہم سے ناراض تو نہیں ہوگیا، اللہ کے رسول کا تو یہ حال ہے کہ وحی میں کچھ توقف ہوا تو آپ ڈر گئے کہ کہیں اللہ ہم سے خفا تو نہیں ہوگیا اور ہم لوگ معاصی میں لدے پڑے ہیں، گناہوں میں لت پت ہیں لیکن کچھ پرواہ نہیں۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہوجائے، جب یہ بات حاصل ہوتی ہے تب کہیں جا کر اللہ کی مرضی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح اللہ کی رضامندی حاصل نہیں ہوتی کہ گناہوں میں لت پت اور کچھ فکر بھی نہیں۔

صلحاء اور دینداروں کی علامتیں

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْاالصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو ایمان والے اور صلحاء ہوتے ہیں ان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہمدردی، باہمی محبت ان کا خاص وظیفہ ہوتا ہے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ ان کے واسطے محبوبیت عام کر دی جاتی ہے، یعنی ساری مخلوق ان سے محبت کرتی ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت فرماتا ہے تو فرشتوں میں اعلان کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم

لوگ بھی اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان کے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر وہ محبت دنیا میں ڈال دی جاتی ہے اور زمین کے تمام لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں ، حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور سوراخوں میں رہنے والی چیونٹیاں بھی اس سے محبت کرتی ہیں، صلحاء کے اندر یہ دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں اور یہی دونوں باتیں صلحاء کی خاص علامت ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مخلوق ان سے محبت کرتی ہے۔ ہر ایک کی طرف سے ان کا دل صاف ہوتا ہے، مجاہدہ وریاضت زیادہ ہو یا نہ ہو لیکن کسی کی طرف سے کینہ، بغض نہ ہو، اپنے او پر خوش گمان نہ ہو اور دوسروں سے بدگمان نہ ہو، یہ سب بہت بڑی باتیں ہیں، اور دراصل صلحاء اور بزرگوں کی یہی علامتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے!

بزرگوں کے باہمی اختلافات اور خوشگوار تعلقات

پہلے زمانہ میں ان باتوں کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا، بزرگان دین کسی کی شان میں گستاخی نہ کرتے تھے اور کسی کا تذکرہ برائی سے سننا ان کو گوارہ نہ ہوتا تھا، مشرب کا اختلاف، نظریات اور سیاست کا اختلاف اپنی جگہ پر لیکن ان سب کے باوجود اخوت اور باہمی ہمدردی انکا خاص وصف ہوتا تھا، شدید اختلاف کے باجود ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی برائی سننا گوارہ نہ کرتے تھے، ہمارے اکابر اور مشائخ کا یہی طرز تھا لیکن اب تو تحزّب، گروہ بندی، پارٹی بندی ہوتی ہے، وہ ان کی برائی کرتا ہے، وہ ان کی برائی کرتا ہے، جو زیادہ برائی بیان کرے وہ زیادہ مقرب اور مخلص سمجھا جاتا ہے، لیکن پہلے بزرگان دین اور علماء وصلحاء کا حال یہ تھا کہ کسی کی شان میں گستاخی سننا بھی ان کو گوارہ نہ ہوتا تھا۔ ہمدردی ومحبت تھی اور کوئی ایک دوسرے کی برائی سننا گوارہ نہ کرتا تھا۔

حضرت تھانوی وحضرت مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ کے باہمی تعلقات

حضرت تھانویؒ وحضرت مدنیؒ میں نظریاتی وسیاسی اختلاف شدید قسم کا تھا لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کا بہت ادب کرتے تھے۔ایک دوسرے سے ہمدردی ومحبت تھی اور کوئی ایک دوسرے کی برائی سننا گوارہ نہ کرتا تھا،حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت مدنیؒ کی شان میں گستاخی کردی،حضرت تھانویؒ نے اس کو کان پکڑ کر باہر نکال دیا،دونوں حضرات کے باہمی تعلقات کے واقعات کئی مرتبہ میں سنا چکا ہوں جب حضرت مدنیؒ کی گرفتاری کی اطلاع حضرت تھانوی کو ہوئی تو مارے غم کے سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا افوہ! آج مجھے اندازہ ہوا کہ مجھے ان سے کتنی محبت ہے! اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ وہ تو مجاہد آدمی ہیں،سب کچھ برداشت کرلیں گے،جھیل لے جائیں گے،ان کے چاہنے والوں کا کیا حال ہوگا وہ انکی اس حالت کو کس طرح برداشت کریں گے ،لیکن افسوس! اب انہیں دونوں حضرات کے نام پر تھانویت ومدنیت کا اختلاف کھڑا کردیا گیا،بڑوں میں آپس میں کس قدر محبت وعظمت اور وسعت نظری تھی! اور چھوٹوں میں کتنی تنگ نظری آگئی! پارٹی بندی،گروہ بندی ہے،ایک دوسرے کی برائی کرتے ہیں،دوسرے فریق کی جو زیادہ برائی کرے وہ زیادہ مقرب سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہمارے بڑوں کا حال یہ تھا کہ جو برائی کرے اس کو باہر نکال دیا جاتا تھا۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا ابرارالحق صاحب (نوراللہ مرقدہ) کے یہاں خاص طور پر یہ بات دیکھی ہے کہ اس قسم کی باتوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ عجیب زمانہ آیا ہے کہ اب بڑوں کے نام پر لوگ دوسرے کی مخالفت اور پارٹی بندی کرتے ہیں۔

مولانا نذیرالحسن صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

مولانا نذیرالحسن صاحب غیر مقلدین کے بڑے عالم ہیں، ایک مرتبہ حدیث پاک کا درس دے رہے تھے، دوران درس کسی مسئلہ پر تقریر کی اور بڑی عمدہ بحث کی جو امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے خلاف تھی، ایک شاگرد دوران سبق بول اٹھا حضرت کیا عجیب تقریر فرمائی اگر ابوحنیفہؒ ہوتے ان کو بھی ماننا پڑتا، اتنا سننا تھا فرمایا یہ کون گستاخ ہے نکالو اس کو یہاں سے۔ اگر ابوحنیفہؒ زندہ ہوتے تو میں ان کے سامنے زبان کھولتا؟ میں تو ان کی جوتیاں سیدھی کرتا۔ ابوحنیفہؒ ابوحنیفہؒ ہی ہیں اور اس بے ادب کو نکال باہر کیا اس نے بہت معافی مانگی، لوگوں نے بھی اس کی طرف سے سفارش ومعذرت کی لیکن کسی کی سفارش منظور نہ کی اور فرمایا ایسے گستاخ کے لئے یہاں رہنے کی گنجائش نہیں۔

ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میرے اندر اور تو کچھ نہیں لیکن الحمدللہ اتنی بات ضرور ہے کہ اپنے دل میں کسی کی طرف سے کینہ، بغض نہیں، میں اس کو پسند نہیں کرتا، دل تو بالکل صاف آئینہ کی طرح ہونا چاہئے کہ کسی کی طرف سے دل میں کینہ وغیرہ نہ ہو اور کینہ نہ ہونا یہ کب ہوگا؟ جب کہ سینہ چوڑا ہوگا، یعنی بالکل دریا بن جائے جس طرح سمندر کنکر پتھر سب کو اپنے اندر سمو لیتا ہے اسی طرح ہمارا دل ہونا چاہئے کہ ہر بات سننے کا مادہ ہونا چاہئے، بات سننے اور برداشت کرنے کا مادہ ہو اور سینہ آئینہ کی طرح صاف ہو، اصل چیز اور اصل بزرگی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دینداری کا معیار

آج کل لوگوں نے دینداری کا معیار یہ سمجھ رکھا ہے کہ لمبا کرتا، سفید پائجامہ، ہاتھ میں تسبیح اور اِلَّا اللّٰہ کی ضربیں، بس یہ ہے بڑی دینداری۔ چاہے دل میں کینہ، بغض بھرا ہوا ہو

کسی کی زمین دبائے بیٹھے ہوں، کسی کا حق دبائے ہوں، اور بنے ہیں دیندار، لمبا کرتا اور تسبیح گھمانے کا نام دینداری نہیں ہے دینداری تو یہ ہے کہ ہمارا دل صاف ہو، آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور محبت ہو اور یہی علامت ہے نیک اور دینداروں کی جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یہ آیت بہت اہم ہے کسی موقع پر انشاءاللہ اس پر تفصیل سے کچھ عرض کروں گا۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اہم نصیحت

ایک شخص نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے نصیحت کی درخواست کی، انہوں نے نصیحت فرمائی اور عجیب نصیحت فرمائی، اللہ والوں کا یہی کمال ہے کہ ایک منٹ میں دو جملوں میں ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو تیر کی طرح اثر انداز ہوتی ہے دوسروں کی گھنٹوں کی تقریر میں بھی وہ تاثیر نہیں ہوتی، شیخ نے نصیحت فرمائی ''اپنے اوپر کبھی خوش گمان نہ ہونا اور دوسروں سے کبھی بدگمان نہ ہونا''، کتنی اہم بات فرمائی! آج کل یہی نہیں ہے، ہم کو اپنے اوپر خوش گمانی ہے کہ ہم جس جماعت میں ہیں بس وہی جماعت اچھی ہے، وہی پارٹی اچھی ہے اور ہم اچھے ہیں، جو کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں، اور اس کے بالمقابل دوسرے سے ہم اتنے بدگمان ہیں کہ اس کی جتنی بھی برائی کریں کم ہی ہے۔

تکیہ رائے بریلی اور تکیہ محبت شاہ کے دو بزرگوں کا قصہ

رائے بریلی میں دو تکیہ ہیں ایک تکیہ دائرۂ علم اللہ شاہ، دوسرے تکیہ محبت علی شاہ دونوں رائے بریلی ضلع میں ہیں، دائرۂ علم اللہ شاہ میں مولانا علی میاں صاحبؒ رہتے ہیں، حضرت علم اللہ شاہ صاحبؒ بھی اسی بستی میں رہتے تھے جن سے یہ بستی آباد ہوئی، اور دوسرے تکیہ میں محبت شاہ مقیم تھے۔

حضرت علم اللہ شاہؒ کے یہاں آئے دن فاقہ ہوا کرتا تھا، عالمگیرؒ نے ان کی خدمت کرنا چاہی، چنانچہ کچھ مال دیکر ایک تاجر کو حضرت کی خدمت میں بھیجا، لیکن انہوں نے قبول نہ فرمایا، عالمگیرؒ نے خیال کیا کہ کسی بہانہ سے ان کے گھر پہونچا دیا جائے، چنانچہ دوبارہ دہلی سے قاصد بھیجا کہ انکی اہلیہ کی خدمت میں پیش کردو، لیکن انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ نان نفقہ تو شاہ علم اللہ کے ذمہ ہے، عالمگیر کو کیوں فکر پڑ گئی؟ رقم واپس ہوگئی، عالمگیرؒ نے خیال کیا کہ ہم کو تو اللہ کے نیک بندوں کی خدمت کرنی ہے، چنانچہ محبت علی شاہ کی خدمت میں وہ مال پیش کیا گیا، انہوں نے قبول فرمالیا۔ کچھ لوگ تو ہوتے ہی ہیں ادھر ادھر کی لگانے والے کسی نے جاکر ان بزرگ سے عرض کیا کہ دیکھا فلاں صاحب کو (یعنی علم اللہ شاہ صاحب کو کہ) بڑے بزرگ، متقی، پرہیزگار بنتے ہیں۔ فاقہ پر فاقہ ہوتا ہے، اللہ نے ایک نعمت دی تھی، بادشاہ نے ان کی خدمت میں مال پیش کیا، اس کو بھی ٹھکرا دیا۔ اللہ کی نعمت کی کیسی ناقدری کی، محبت علی شاہ نے جواب دیا کہ: ارے ہم تو دنیا کے کتے ہیں بزرگ تو واقعی وہی ہیں، وہ متوکل اور زاہد ہیں اس لئے انہوں نے قبول نہیں فرمایا۔ صبر و توکل تو ان ہی کے اندر ہے ہمارے اندر صبر و توکل کہاں۔ اس کے بعد علم اللہ شاہ صاحبؒ سے بھی کسی نے آکر کہا کہ دیکھا ان کو کہ بڑے بزرگ بنتے ہیں جس مال کو آپ نے واپس کردیا تھا انہوں نے فوراً قبول فرمایا، انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو دریا ہیں ان پر دنیا اور مال کا اثر نہیں ہوتا، ان کے دل میں مال و دنیا کی محبت نہیں ہے، ان کو اس کا خطرہ نہیں اور ہم تو کمزور ہیں خطرہ ہے کہ مال دیکھ کر کہیں پھسل نہ جائیں، ہمارے لئے واقعی اس کے قبول کرنے میں خطرہ تھا ان کو کچھ خطرہ نہیں۔ دونوں نے کیسا اچھا جواب دیا، کسی کی برائی سننا گوارہ نہ کیا، لیکن افسوس! آج کل یہ سب باتیں ختم ہوتی جارہی ہیں جو کسی دوسرے بزرگ کی زیادہ برائی کرے اسی سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

افاداتِ درسِ قرآن

سورۂ طٰہٰ

افادات درس قرآن سورۂ طٰہٰ

اللہ کے واسطے مخلوق کی خدمت کرنے سے اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے اور انعام ملتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے مخلوق کی خدمت کی اہمیت وفضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔ مخلوق کی خدمت میں اللہ تعالی کی رضا مندی ہے۔ آخرت میں جو اسکا اجر ملے گا وہ تو ملے گا، دنیا ہی میں اسکا صلہ اللہ تعالی ہاتھوں ہاتھ دیتا ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کی مدد فرمائی ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا صرف ہمدردی اور خدمت خلق کے جذبہ سے پانی پلا دیا۔ یہ جانتے بھی نہ تھے کہ یہ شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں ہیں صرف اللہ کی رضا مندی پیش نظر تھی بدلہ ملنے کا تو خیال بھی نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکا بہتر بدلہ عطا فرمایا۔ ایسا ہی ہوتا ہے جو اللہ کے واسطے کام کرتا ہے اللہ اسکو بہتر صلہ عطا فرماتا ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ یہ فلاں کی لڑکی ہے اور بعد میں مجھ سے اس لڑکی کا رشتہ ہونا ہے، لیکن اللہ نے سب کچھ کر دیا۔ اللہ کی مصلحتوں کو کون جان سکتا ہے؟ اللہ تو وہ ہے جو مصیبت کے اندر راحت کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے، ہجرت کر کے اور بھاگ کر آنا یہ کیسی مصیبت کا موقع تھا کہ کہیں ٹھکانہ بھی نہ تھا، لیکن اللہ نے اسی مصیبت میں راحت کے اسباب پیدا فرما دیئے، سچ ہے "وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسکی کفایت کرتا ہے۔

جوحرام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے حلال طریقہ سے دیتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے جب ایک صاحب زادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لئے آئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور صاحب زادی آگے آگے چل رہی تھیں، چلنے میں پنڈلیاں کھل جاتی تھیں جس سے بے پردگی ہوتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہن! آپ پیچھے چلیں، میں آگے چل رہا ہوں مجھے راستہ بتلاتی رہنا کیونکہ پنڈلی پر نگاہ ڈالنا حرام تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حرام سے پرہیز کیا تو اللہ تعالیٰ نے حلال طریقہ سے ان کو عطا فرمایا اور بعد میں بیوی بن کر وہ ان کے واسطے حلال ہوکر آئیں۔ پنڈلی جو بدن کا ایک حصہ ہے جب اللہ کے خوف کی وجہ سے اس پر نگاہ ڈالنے سے پرہیز کیا تو اللہ تعالیٰ نے پورا جسم دیکھنا ان کے لئے حلال کردیا، یہی ہے: "وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا" جو اللہ سے ڈرتا ہے حرام سے بچتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے حلال کی شکلیں پیدا فرمادیتے ہیں۔

عورت کے لئے بغیر ضرورت کے باہر نکلنا پسندیدہ نہیں

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ! شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں نے یہ بات بطور عذر کے فرمائی تھی کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں پانی پلانے کے واسطے خود نہیں آسکتے اس لئے مجبوری کی صورت میں ہم لوگ پانی پلانے کے لئے آئے ہیں، بغیر ضرورت کے عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا خود ان کی غیرت کے بھی خلاف ہے لیکن آج کل کی عورتیں بازاروں میں گھوم پھر کر سامان خریدتی ہیں۔

اللہ کے نیک بندے روحانی طاقت کی بدولت بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ شرم نہیں آتی تم لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہو اور یہ بیچاری لڑکیاں اتنی دیر سے کھڑی ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اگر بڑے خیر خواہ ہو تو تم کیوں نہیں پلا دیتے، تم ہی پلا دو اور پتھر کا ایک بڑا ڈھکن جس کو دس آدمی مل کر اٹھاتے تھے اس کو رکھ کر الگ ہو گئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے تن تنہا اس کو اٹھا کر الگ کر دیا اور ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔ موسیٰ علیہ السلام کئی روز کے بھوکے پیاسے تھے لیکن اللہ نے ان کو روحانی طاقت دی تھی جس کی بدولت انھوں نے یہ پتھر تنہا اٹھا دیا، روحانی طاقت اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے اللہ کے بندے بڑے بڑے کام اسی روحانی طاقت سے کر لیتے ہیں۔ صحابۂ کرام کے پاس کیا تھا جسمانی طاقت اتنی نہ تھی لیکن کھجور کھا کر، پانی پی کر کفار سے مقابلہ کیا اور غلبہ حاصل کیا، جسمانی طاقت تو پیدا ہوتی ہے غذاؤں کے کھانے سے اور روحانی طاقت پیدا ہوتی ہے خدا کی نسبت اور تعلق سے اور ذکر اللہ کی کثرت سے۔

احسان کا بدلہ احسان

شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں جب پانی پلا کر واپس گئیں اور معمول کے مطابق روزانہ کے وقت سے اس دن پہلے پہونچ گئیں تو شعیب علیہ السلام نے اس کا سبب پوچھا، لڑکیوں نے سارا قصہ بتلایا، شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے، ہم کو اس کے احسان کا بدلہ دینا چاہئے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ. احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

اور فرمایا کہ وہ پردیسی مسافر ہوگا اس کی خبر گیری کرنی چاہئے چنانچہ ان کو بلانے کے لیے بھیجا جس کی تفصیل گزر چکی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ احسان کرے تو احسان کرنے والے کے ساتھ احسان کرنا چاہئے۔ اسکے احسان کی مکافات (یعنی بدلہ دینا) کرنا چاہئے۔ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو شعیب علیہ السلام سے اپنی پوری داستان سنائی، شعیب علیہ السلام نے ان کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں فرعون کا بس یہاں نہیں چلے گا، اس کی یہاں حکومت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی پریشان، مصیبت زدہ ہو تو اس کی پریشانی دور کرنے کی فکر اور تسلی کا انتظام کرنا چاہئے، اسکو ٹھکانا دینا چاہئے، اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے اور اسکی مہمان نوازی کرنی چاہئے۔

پردیسی مسافر کی مہمان نوازی ضروری ہے

پردیسی مسافر کی مہمان نوازی کرنی ضروری ہے۔ ایسا پردیسی مسافر جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو اور انتظام بھی کوئی نہ ہو (یعنی قیام وطعام کا کوئی نظم نہ ہو) تو ایسے مہمان کی ایسی حالت میں مہمان نوازی کرنا فرض کفایہ ہے، نہیں کریں گے تو سب لوگ گنہگار ہوں گے اور ایک بھی کردے گا تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے۔

کسی کے ساتھ احسان کرنے میں سلیقہ وادب کی ضرورت

شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے حالات دیکھ کر اپنی ایک بیٹی کا ان سے رشتہ کرنا بہتر سمجھا چنانچہ رشتہ ہو گیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس کچھ دن کے لئے روکنا مقصود تھا اور شعیب علیہ السلام یہ بھی جانتے تھے کہ یہ بڑے غیور آدمی ہیں

ان کی غیرت گوارہ نہ کرے گی کہ اس طرح سسرال میں پڑے پڑے کھاتے رہیں، اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو نہیں روکا بلکہ حسن تدبیر سے کام لیا، اور وہ یہ کہ مہر میں آٹھ سال تک بکری چرانا مقرر کیا اور بکری چرانے کے حیلہ سے ان کو روک لیا اس طرح ان کے رکنے میں ان پر بار نہیں ہوا، ورنہ غیرت مند آدمی اس طرح سسرال میں رہنا گوارہ نہیں کرتا کہ یوں ہی پڑے پڑے کھاتا رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اگر کسی کے ساتھ حسن سلوک اور خیر خواہی کرے تو اس کے مزاج کی رعایت کرے، اس کی طبیعت اور مزاج کے موافق معاملہ کرے اور اس کی غیرت کے خلاف نہ ہو صرف اپنے کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے مزاج کی بھی رعایت کریں، داماد کو بٹھلا کر کھانے میں خود اسکو غیرت آئے گی، اگر ایسا ہی کرنا ہے تو مال دے کر کاروبار کرا دیں الغرض حسن سلوک کا وہ طریقہ اختیار کریں جو اس کی غیرت کے خلاف نہ ہو۔

بکریاں چرانے کی فضیلت

موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال تک بکریاں چرائی ہیں، تمام ہی انبیاء علیہم السلام نے بکری چرائی ہیں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکری نہ چرائی ہو۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں، فرمایا ہاں میں نے بھی چرائی ہیں، انبیاء علیھم السلام سے بکریاں اس واسطے چروائی جاتی تھیں کہ بکری بڑا نازک جانور ہوتا ہے اسکو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔ بکری کی عادت ہوتی ہے کہ سب کے ساتھ مل کر نہیں چرتی بلکہ اکیلے ادھر ادھر پھرتی رہتی ہے۔ اس کو قابو میں کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس پر غصہ بہت آتا ہے اگر ماردیں تو نازک اتنی ہوتی ہیں کہ ذرا میں ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں اسلئے مار بھی نہیں سکتے بس صبر ہی کرنا پڑتا ہے اور غصہ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اسی صبر اور غصہ کو پینے

کے واسطے بکریاں چرائی جاتی ہیں کہ جب بکری کو قابو میں کرنا اوراس پر صبر کرنا آسان ہوجائیگا تو انسان کو قابو میں کرنا اوراس کی بدعنوانیوں پر صبر کرنا بھی آسان ہوجائیگا۔ حضرت نے فرمایا الحمد للہ بکریاں میں نے بھی چرائی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے مجھے بھی اسکی توفیق ہوئی ہے۔

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اتباع سنت میں مجھے بھی بکریاں چرانے کی توفیق ہوئی ہے۔

بڑوں سے دل کی بات ظاہر کردینا چاہیئے

قَالَ رَبَّنَـآ اِنَّنَـا نَـخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا ! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف چلنے لگےتو رب العالمین سے عرض کیا کہ ہم کواندیشہ ہے کہ فرعون ہم پر کہیں زیادتی نہ کرے اور ہم پر کہیں چڑھ نہ بیٹھے اور ہم کو بات کہنے کا موقع ہی نہ ملے کیونکہ اس سے پہلے قتل کا ایک واقعہ ہو چکا تھا، جس کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کا خطرہ ہوگیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا لیکن اسی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر دل میں کوئی بات ہوتو اپنے بڑوں سے دل کی بات صاف صاف عرض کردینا چاہیئے ، بسا اوقات بڑوں کی توجہ کسی امر کی طرف نہیں ہوتی یا حالات کا پورے طور پر علم نہیں ہوتا اسلیئے چھوٹوں کو چاہیئے کہ اپنے بڑوں سے اپنے حالات اور دل کی بات خود ہی بتلادیا کریں تاکہ اسی کے مطابق وہ حکم دیں۔

دعوت وتبلیغ میں اپنی حاجت پیش کرنے کی مذمت

فَـقُوْلاَ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِكَ ! فرعون کے پاس جاکر حضرت موسیٰ وہارون علیہما

السلام نے یہ کہا کہ ہم اللہ کے رسول ہیں، اللہ کا پیغام لے کر تمہارے پاس آئے ہیں، اپنی کسی حاجت اور ذاتی غرض کے لئے نہیں آئے۔

اس سے دعوت وتبلیغ کا ایک ادب معلوم ہوا وہ یہ کہ دعوت وتبلیغ کرے تو صرف دین کا پیغام اور اللہ کے احکام پہونچائے، اس میں اپنی کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہونا چاہئے ورنہ اس تبلیغ وتقریر کا کچھ اثر نہ ہوگا، اور جو لوگ لمبی چوڑی تقریر کرتے ہیں اور پھر چندہ کی اپیل کرتے ہیں ایسے لوگوں کی تقریروں کی وقعت لوگوں کی نگاہ میں نہیں ہوتی خواہ کتنی اچھی تقریر ہو۔ اور ایسی تقریروں کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ سارا اثر وہیں دھل کر رہ جاتا ہے۔ اسلئے تقریر اور تبلیغ کرنے والوں کو چاہئے کہ اس سے پرہیز کریں۔

خدمتِ خلق بھی انبیاء کی سنت ہے

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ.

فرعون نے بنی اسرائیل پر بڑے مظالم ڈھار کھے تھے، ان کو ذلیل ورسوا کر رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کرو، ہمارے حوالہ کرو، ان کو تکلیف مت دو، ان پر ظلم مت ڈھاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام صرف دعوت وتبلیغ ہی کا کام نہیں کرتے بلکہ اللہ کی مخلوق کو ظلم سے بچاتے بھی ہیں، ان پر جو پریشانیاں اور مصائب نازل ہوتے ہیں ان کو ختم کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مخلوق کو مظالم سے نجات دلانے اور پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچانے کی بھی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

مبلغ کو چاہئے کہ مخلوق کی نفع رسانی کا بھی اہتمام کرے

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا، الخ مبلغ پر جہاں احکام وشرائع پہونچانا ضروری ہے وہاں اس کو یہ بھی چاہئے کہ مخلوق کو نفع پہونچانے اور مصیبت دور کرنے کی بھی حتی الامکان کوشش کرتا رہے۔ یہ نہیں کہ ہمیں دنیا سے کیا مطلب ہم کو تو اپنے کام سے کام۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہم ایک کام کررہے ہیں بس۔

جب تک مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں ہوگی اسوقت تک دین کا کام بھی نہیں کرسکے گا مصیبت و پریشانی میں اگر آپ کسی کے کام نہیں آسکتے ،کوئی بیمار ہے آپ اس کی عیادت نہیں کرسکتے ،اس کو ایک گولی لاکر نہیں دے سکتے ،کسی پر فاقہ ہورہا ہے آپ اس کی خبر گیری نہیں کرسکتے تو پھر دین کا کام کیسے کرسکتے ہیں؟ لوگوں کو جوڑنا، اتحاد و اتفاق قائم رکھنا یہ بھی تو ضروری ہے۔ اور ہر وہ کام جو لوگوں کو جوڑنے کا ذریعہ ہو وہ بھی ضروری ہوگا ایسے کاموں کو بھی تو اختیار کرنا چاہئے۔ تب ہی دین کا کام آگے بڑھتا ہے۔ اسی واسطے موسیٰ علیہ السلام نے آتے ہی فرمایا اَنْ اَرْسِلْ مَعْنَا بَنِیْ اِسْرَائِیْل ! کہ چھوڑ دو ان بنی اسرائیل کو، ان کو عذاب مت دو، ان کو آزاد کرو، ہمارے حوالہ کرو۔

پیغمبر کی تعلیم سے ہٹنے کا انجام

بنی اسرائیل کس قدر ذلت و رسوائی کی زندگی برداشت کررہے تھے، ان کے لڑکوں کو ذبح کیا جاتا، عورتوں کو زندہ رکھا جاتا، مردوں کو غلام بنایا جاتا، بری طرح ذلت و رسوائی کی زندگی گزار رہے تھے، یہ وہ بنی اسرائیل ہیں جو نبی کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ کا کسی سے رشتہ نہیں جو اللہ کے احکام اور رسول کی تعلیمات سے ہٹے گا اللہ تعالیٰ اسے

ذلیل ورسوا کرے گا، بنی اسرائیل باوجودیکہ انبیاء کی اولاد ہیں لیکن اپنے نبی کی تعلیم سے ہٹنے کی وجہ سے ذلیل ورسوا ہوئے۔

ہر بات کا جواب نہیں دینا چاہئے

فَمَابَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ! فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہورہی تھی جب فرعون کو اپنی شکست معلوم ہوئی تو اس نے پینترا بدلا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا فَمَابَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی یعنی پہلے لوگوں کا کیا حال تھا، کیا وہ لوگ بھی گمراہ تھے؟ اور فرعون کی چال یہ تھی کہ جب ان کو بھی گمراہ کہہ دیں گے تو لوگ ان سے متنفر ہو جائیں گے کیونکہ اپنے بڑوں اور اپنے آباؤ اجداد کی برائی کوئی نہیں سننا چاہتا، اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''عِلْمُهَا عِنْدَرَبِّیْ فِیْ كِتَابٍ'' اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے فرعون کے سوال کا جواب نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر بات کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ بعض مرتبہ لاعلمی ظاہر کرنے یا مصلحتاً گول مول جواب دینے ہی سے کام بنتا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے خلاف سی آئی ڈی نے مختلف قسم کی رپورٹ دے رکھی تھی کہ یہ حکومت کے خلاف تقریریں کرتے ہیں۔ عرب میں جا کر حکومت کے خلاف تقریریں کی ہیں۔ لہٰذا ان کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا جائے۔ اب اس کی تحقیق شروع ہوئی۔ اتفاق کی بات کہ حضرت مولانا کے ایک رشتہ دار سی آئی ڈی انسپکٹر تھے انھوں نے آکر عرض کیا کہ حضرت آپ کے پاس ایک صاحب عربی میں بات کرنے آئیں گے آپ عربی قطعاً نہ بولیئے گا، چنانچہ ایک شخص آیا

اورآتے ہی اس نے کہا **السلام علیکم کَیْفَ حَالُکَ شَیْخ.** مولانا نے فرمایا **وعلیکم السلام.** آگےاس نے عربی میں گفتگو کی مولانا بالکل خاموش رہے، انجان بن گئے اور لوگوں سے پوچھنے لگے یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ تو مولانا سے عربی میں سوالات کرے اور مولانا اِدھر اُدھر دوسروں کا منھ تک رہے تھے اس نے (غالبًا اردو میں) کہا کہ آپ نے تو عربی میں کتاب لکھی ہے؟ اور عربی نہیں بول پاتے؟ مولانا نے فرمایا ہاں! عربی میں کتابیں تو لکھی ہیں لیکن ہماری مادری زبان اردو ہی ہے، ہم لوگ اردو ہی بولتے ہیں اور عربی لکھنے کی تو قدرت ہے، بولنے پر ایسی قدرت نہیں، الغرض وہ واپس چلا گیا اور اس نے رپورٹ میں لکھا کہ ''ایسا شخص جو عربی بول نہ سکتا ہو، اچھی طرح سمجھ نہ سکتا ہو وہ عرب میں جاکر تقریر کیا کرے گا''۔

غرض اور لالچ کے ہوتے ہوئے کسی بات کا اثر نہیں ہوتا

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِکَ یٰمُوْسٰی

فرعون نے لوگوں کے ذہنوں کو موڑنے کے لئے ایک پینترا اور چلایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانے اور ان کی طرف کوئی توجہ نہ کرے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اچھا تم اسلئے آئے ہوتا کہ ہم کو ہماری زمین سے نکال دو، جتھا بنا کر آئے ہوتا کہ ہم پر قابض ہو جاؤ یعنی تم اللہ کا پیغام لے کر نہیں آئے بلکہ اپنی غرض و لالچ سے ملک گیری کے لئے آئے ہو اور فرعون لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا چاہتا تھا کہ یہ ملکی اور سیاسی لڑائی ہے جو غرض اور لالچ کے واسطے ہے، اگر مخلوق کو یہ معلوم ہو جاتا کہ واقعی اللہ کے نبی اور حق پر ہیں تو مخلوق ان کی بات مان لیتی ان پر ٹوٹ پڑتی اسلئے فرعون نے پہلے ہی سے مخلوق کے ذہنوں کو موڑا اور یہ سمجھا دیا کہ یہ سب لالچ اور غرض کے واسطے ہے۔ چاہے جتنی اچھی تقریر ہو، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اپنی غرض اور لالچ کی وجہ سے

ہے تو ایسی تقریر کا کچھ اثر نہیں ہوتا، سارا اثر وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ اور بغیر کسی غرض اور لالچ کے جو بات کہی جاتی ہے اس کا اثر ہوتا ہے۔

عقل مند کی پہچان

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی !

یعنی عقلمند، عقل والے "نُھٰـــی" کو عقل اس واسطے کہتے ہیں کہ برے کاموں سے روکتی ہے، معاصی سے بچاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کی عقل اس کو برائیوں سے نہ روکے وہ عقلمند نہیں، ایسے شخص کو عقلمند کہنا صحیح نہیں۔ عقلمند وہی ہے جو برائیوں اور گناہوں سے بچے اور رکے۔

مخالف کو بھی دین کی دعوت دینی چاہئے

قَالَ لَھُمۡ مُوۡسٰی وَیۡلَکُمۡ لَاتَفۡتَرُوۡا !

جن جادوگروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ تھا ان مقابلہ کرنے والوں کو بھی موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمادی کہ اللہ کے بندو! افتراء نہ کرو، حق کے مقابلہ میں باطل کی حمایت کرنے کھڑے ہو، تم کو حقیقت معلوم ہے پھر بھی فرعون کو معبود بنائے ہوئے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مخالف کو بھی تبلیغ کرنی چاہئے موقع کی تلاش میں رہے جیسے موقع ملے تبلیغ کردے، آدمی کہیں بھی جائے تبلیغ کی نیت سے جائے اور موقع ملنے پر تبلیغ سے نہ چوکے، بیاہ شادی یا کسی مجمع میں جائے اور وہاں کوئی غلط کام ہو رہا ہو تو موقع پا کر چوکنا نہیں چاہئے، تبلیغ کے لئے ضروری تھوڑی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر ہو اور بڑا مجمع ہو تب ہی تبلیغ ہو دو چار آدمی بیٹھے ہوں تب بھی دین کی بات ان کو بتائے، نماز کے بعد کچھ کہہ دیا جائے یہ بھی تبلیغ ہے۔

قبول حق سے رکاوٹ کا ایک سبب

قَالُوْا اِنْ هٰذَانِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدَانِ اَنْ يُّخْرِجَاكُمْ مِنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا۔

فرعون نے چونکہ لوگوں کے ذہنوں میں پہلے سے یہ بات بٹھادی تھی کہ یہ تو جادوگر ہیں اور تم کو تمہاری زمین سے نکال کرخود قابض ہونا چاہتے ہیں۔ جو بات ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی تھی، جادوگروں نے وہی بات کہدی، آدمی کے ذہن میں جو بات جم جاتی ہے جب تک اس کو نکال نہ دے اور جب تک خالی الذہن ہوکر نہ سوچے اس وقت تک دوسرا پہلو سمجھ میں نہیں آتا، حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ خالی الذہن ہوکر سوچے اور سمجھے۔

اہل بدعت کی ملمع سازیاں اور فریب

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى!

جادوگروں نے کہا کہ یہ دونوں یعنی حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام اسلئے آئے ہیں تاکہ تمہارے عمدہ اور شریعت کے طریقہ سے تم کو ہٹادیں، تمہارے بہترین طریقہ کو ختم کردیں، ان کے طریقہ کو اچھا بتایا، دن بھر ڈنڈوت کرتے تھے۔ ہر گھر میں کئی کئی خدا موجود تھے پھر بھی اس کو اچھا سمجھتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ آدمی جو کام کرتا ہے، اچھا ہو یا برا، اس کام کی حسن وخوبی اور اس کی اچھائیاں اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہیں، پھر وہ اسی کے گن گاتا ہے اسکے خلاف سننے کو تیار نہیں ہوتا، اس کے خلاف کوئی بھی کہتا رہے وہ اسکو قبول نہیں کرتا اور وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ لوگ ہمارے عمدہ اور اچھے طریقوں کو، بزرگوں کے طریقوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اسی قسم کی باتیں آج کل

کے بدعتی اور باطل پرست کیا کرتے ہیں قبروں میں پھول اور چادر چڑھاتے ہیں اور نہ معلوم کیا کیا کرتے ہیں اگر ان کو کوئی منع کرے تو چونکہ دل سے وہ اسکو اچھا سمجھتے ہیں، اس کام کی خوبی ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے اسلئے وہ اس کے خلاف کوئی بات سننا گوارہ نہیں کرتے، کوئی منع کرے تو اس سے کہتے ہیں کہ بزرگوں کی مخالفت کرتے ہو تم لوگ بزرگوں کو مانتے نہیں۔ کیونکہ بزرگوں کے مزار پر چادریں نہیں چڑھاتے۔

بزرگوں کے ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کرے جس طرح وہ شریعت کے پابند تھے یہ بھی شریعت پر عمل کرے ماننے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو خدائی اختیارات دیئے جائیں کہ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

تبلیغ کے ساتھ ذکر کی اہمیت

وَلَاتَنِیَافِیۡ ذِکۡرِیۡ !

موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، ذکر کا مفہوم عام ہے ذکر کرنے سے کام میں تقویت ہوتی ہے نور پیدا ہوتا ہے۔ ہر کام کرنے والے کو چاہئے کہ کچھ وقت ذکر وخلوت کے لئے ضرور نکالے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے تنہائی میں خدا سے لوں گا نہیں تو تم کو کیا دوں گا؟ (دینے سے مراد فیض پہنچانا، نصیحت کرنا اور تلقین کرنا ہے) جب خلوت میں اللہ سے لوں گا تب ہی تو جلوت میں لوگوں کو دوں گا، خلوت میں بیٹھ کر ذکر کرنا، اللہ اللہ کرنا یہ اللہ سے لینا ہی ہے ہر وقت دوسروں کو دیتا ہی نہ رہے بلکہ لیتا بھی رہے ورنہ سب ختم ہو جائے گا جیسے ٹنکی سے پانی نکل تو رہا ہو لیکن آ نہ رہا ہو تو سب ختم ہو جائے گا۔

مخالف ومعاند کو تبلیغ کرنے کا مؤثر طریقہ

فقَوُلَا لَهُ قَوُلاً لَّيِّنًا الخ.

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ فرعون سے نرمی کے انداز میں گفتگو کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ میں نرم طریقہ ہی مؤثر ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے ،شدت نہیں کرنا چاہئے، شدت سے کام نہیں چلتا، نرمی سے کہنے میں بڑے سے بڑے متکبر جابر کا بھی دل موم ہو جاتا ہے اور سختی سے بات کہنے میں نرم آدمی کا بھی منہ بگڑ جاتا ہے، اس لیے ہمیشہ تبلیغ میں نرم لہجہ اختیار کرنا چاہئے۔

نظر بندی یا شعبدہ بازی

يُخَيَّلُ اِلَيُهِ مِنُ سِحُرِهِمُ الخ.

جادوگروں کے کرتب کی مناسبت سے حضرت نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ بچپن میں ایک مرتبہ میں نے ایک تماشائی کو دیکھا کہ اس نے کاغذ کو لیکر منھ میں چبالیا اور جب اس کو باہر نکالا بڑا لمبا سانپ نکلا، یہ بھی ایک کرتب تھا اور اصل میں ہوتا یہ ہے کہ وہ لوگ نظر بندی کر دیتے ہیں، نگاہوں میں کچھ اثر ڈالتے ہیں جسکی وجہ سے وہ شخص جو بھی سوچے گا اور جس چیز کی طرف توجہ کریگا وہی چیز دوسرے کو دکھائی دے گی لوگ اس کی مشق کرتے ہیں اس میں ان کو مہارت حاصل ہوتی ہے یہ بھی ایک فن ہے، جو مشق کرنے سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح کا کرتب ان جادوگروں کا بھی ہوگا۔

خیر خواہی کی بنا پر ہدایت کے فیصلے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب بہتے ہوئے بند صندوق سے باہر نکالا گیا تھا

تو اس وقت بعض فرعونیوں نے کہا تھا کہ ان کو بھی قتل کر دینا چاہیے لیکن فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے منع کیا اور کہا کہ اس کو روک لیجئے شاید اس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ چونکہ فرعون کی بیوی آسیہ نے یہ جملہ کہا تھا کہ شاید اس کے ذریعہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت آسیہ کو ہدایت کی توفیق نصیب فرمائی اور فرعون نے یہ جملہ نہیں کہا اس لئے اس کو ہدایت نہیں ملی اگر وہ بھی کہہ لیتا تو اس کو بھی شاید ہدایت مل جاتی۔

بزرگوں کی صورت بھی ہدایت کا سبب ہو جاتی ہے

جادوگروں کو جو ہدایت ملی اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ وہ اگر چہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے آئے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے لباس میں آئے تھے لیکن غلط فہمی کی وجہ سے گمراہی کا شکار تھے غلط فہمی دور ہوئی اللہ کو ان پر پیار آیا اور ہدایت سے نواز دیا، لیکن فرعون کو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت ہی سے چڑھ تھی اور جادوگر اللہ کے محبوب کی صورت میں تھے، اللہ نے ان کو بھی محبوب بنا لیا، کیا ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ وضع، قطع شکل وصورت میں بزرگوں کی اقتداء کریں۔

اللہ کی مخلوق کو نفع پہونچانے اور ظلم سے نجات دلانے کی کوشش کرنا بھی نبیوں والا کام ہے

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ!

پیغمبر دنیا میں اہم کام کے لئے آتے ہیں انبیاء علیہم السلام سے جو کام لیا جاتا

ہے وہ کام بھی بہت اہم ہوتا ہے یہاں موسیٰ علیہ السلام کو بذریعۂ وحی حکم دیا گیا ہے کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو، بنی اسرائیل کو ظلم سے بچانے فرعون کے مظالم اور مصائب و پریشانیوں سے نجات دلانے اور ان کی جان کی حفاظت کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے جایئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی خدمت اور نفع رسانی یہ کوئی معمولی کام نہیں، یہ وہ کام ہے جو انبیاء علیہم السلام سے بھی لیا گیا ہے اور اس کام کے لئے وحی نازل کی گئی، جس کام کے لئے وحی نازل کی جائے وہ کام معمولی نہیں ہوگا اس لئے جہاں شریعت کے اور بہت سے کام کئے جاتے ہیں اللہ کی مخلوق کو نفع پہونچانے کی بھی کوشش کرنا چاہئے، یہ کام بھی اللہ کے یہاں بہت مقبول ہوتا ہے اگر عنداللہ مقبول نہ ہوتا تو اس کا حکم ہی کیوں دیا جاتا۔

ہر کام میں تدبیر اختیار کرنے کی ضرورت

موسیٰ علیہ السلام کو حکم یہ ملا تھا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے چلو، مطلب یہ تھا کہ چپکے سے جاؤ، فرعونیوں کو اس کی ہوا بھی نہ لگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کام کرے حکمت اور تدبیر کے ساتھ کرنا چاہئے۔ بے سوچے سمجھے کوئی کام نہ کرے۔ حکمت اور تدبیر اختیار کرنا یہ توکل کے خلاف نہیں بلکہ شریعت نے اس کا بھی حکم دیا ہے۔ تدبیر اختیار کرنا بھی تقدیر ہی میں سے ہے۔

اصلاح کا مؤثر طریقہ

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ الآية.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میرے بندوں کو لے چلو، بندہ کی نسبت اپنی

طرف فرما کر اظہار تعلق فرما دیا، نرم پہلو اختیار کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کو نصیحت کرے یا تبلیغ کرے اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور اظہار تعلق یعنی محبت و ہمدری کو ظاہر کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے بندہ کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ اگر کوئی بادشاہ یا وزیر کسی کو اپنا آدمی کہہ دے کہ یہ میرے آدمی ہیں تو اس کو کتنی خوشی ہوتی ہے!

عبادت کے لئے یکسوئی کی ضرورت

موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ہجرت فرمانے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ فرعون کے مظالم سے وہ سب عاجز تھے، آئے دن مار پیٹ قید خانہ اور طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ ایسی الجھن و پریشانی میں عبادت بھی نہ ہوسکتی تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کے لئے یکسوئی ہونی چاہئے ۔ الجھن و پریشانیوں سے یکسو ہوکر ہی عبادت اچھی طرح ہوسکتی ہے، اس لئے دنیاوی جھمیلوں اور پریشانیوں سے اپنے آپ کو نکالنا اور اس کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ عبادت کیسے کریگا؟ عبادت میں اس کا جی ہی نہ لگے گا۔

اللہ کے احکام کی اور نبی کی اطاعت کرو، مدد ضرور آئے گی

فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ.

ایسا ممکن نہیں کہ اللہ کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کی مدد نہ آئے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے سے تو غیب سے مدد آتی ہے۔

دیکھو! اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے سمندر میں کیسے راستے بنا دیئے جس کو پار کر

کے بنی اسرائیل تو نجات پا گئے اور فرعون ہلاک و برباد ہو گیا۔ یہ اللہ کی مدد نہیں تو اور کیا ہے؟ منٹوں میں دریا کے اندر بڑے بڑے بارہ راستے بن گئے، آج کل تو معمولی پل بنانے میں سالوں لگ جاتے ہیں اور وہاں تو پانی کے اندر آناً فاناً راستے بن گئے یہ اللہ کی طرف سے نصرت تھی، وہی اللہ آج بھی موجود ہے جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ غیب سے اس کی مدد کرتا ہے۔

نصرت وکامیابی حاصل کرنے کا طریقہ

ان سب واقعات سے معلوم ہوا کہ کام کیسا ہی مشکل ہو لیکن اس کو مشکل سمجھ کر ہمت نہ ہارنا چاہئے۔ کام کو بند نہ کر دینا چاہئے بلکہ اللہ کے بھروسہ پر کام میں لگا رہے، جتنا بس میں ہو، کرتا رہے اور اللہ سے دعا کرتا رہے۔ نفسانیت کے ساتھ کام نہ ہو اور حرام کاری نہ ہو پھر دیکھو اللہ کی طرف سے نصرت ہوتی ہے یا نہیں، جب کام بھی شریعت کے مطابق ہو اور اللہ کی نصرت بھی ہو پھر تو کامیابی یقینی ہے۔

کسی کے آباء واجداد یا اس کی قوم پر احسان کرنا، خود اس پر احسان کرنا ہوتا ہے

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِنْ عَدُوِّکُمْ وَ وٰعَدْنٰکُمْ الآیۃ.

یہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب بنا کر کہا جا رہا ہے کہ تم کو فرعون سے نجات دلائی اور تم سے وعدہ کیا اور بھی نعمتیں شمار کرائی ہیں۔

حالانکہ یہ نعمتیں خود ان پر نہیں بلکہ ان کے آباء واجداد پر تھیں وعدہ بھی انہیں

سے تھا لیکن خطاب اس زمانہ کے یہودیوں (بنی اسرائیل) سے ہے کیونکہ باپ دادا اور قوم پر جو احسان ہوتا ہے وہ خود اس پر بھی احسان ہوتا ہے۔

رہبر کو چاہئے کہ قوم کو آگے بھیجے اور خود نگرانی کے لئے پیچھے رہے

وَمَآ اَعۡجَلَکَ عَنۡ قَوۡمِکَ یٰمُوۡسٰی .

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چالیس امتیوں کو بلایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام امتثال امر اور فرط اشتیاق میں قبل از وقت پہلے سے پہونچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کس چیز نے تم کو جلدی میں ڈال دیا کہ قوم کو چھوڑ کر تم آگے آ گئے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: قوم پیچھے آ رہی ہے۔

میں نے آپ کی رضا وخوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے آنے میں جلدی کی، اللہ نے فرمایا: دیکھو! تمہاری قوم فتنہ میں مبتلا ہوگئی، سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ایسے خدشات وخطرات ہوں تو رہبر اور لیڈر کو چاہئے کہ خود پیچھے نگرانی کے لئے رہے اور قوم کو آگے بھیجے۔ یعنی ساتھ ساتھ رہے۔

نافرمانی کو دیکھ کر رنج وغم نہ ہو تو یہ ایمان کے کھوٹا ہونے کی علامت ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پہلے تشریف لے گئے اور ادھر قوم نے گوسالہ پرستی شروع کر دی، حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت کچھ سمجھایا لیکن قوم نہ مانی، ہارون علیہ

السلام اندر ہی اندر کڑھتے رہے، رنج وافسوس کرتے رہے اور کر ہی کیا سکتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ معصیت اور نافرمانی کو دیکھ کر رنج وغم ہو۔ اور جسکے اندر یہ بات بھی نہ ہو کہ یعنی غلط کام کو دیکھ کر اس کو کڑھن اور رنج وغم نہ ہوتا ہو تو اسکا ایمان کھوٹا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "برائی کو دیکھ کر اگر دل میں ناگواری نہ ہو، افسوس نہ ہو تو اسکا ایمان کمزور اور ناقص (کھوٹا) ہے"۔

سنگین حالات میں حکمت عملی، نرمی اور صبر وتحمل سے کام لینا چاہئے

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ الآیۃ موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد قوم بت پرستی، گوسالہ پرستی کا شکار ہوگئی، اس وقت ہارون علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا اور بہت نرمی سے سمجھایا" وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ" "اے میری قوم تمہارا رب تو رحمٰن ہے"۔

ہارون علیہ السلام نے اس وقت سختی اور تشدد سے کام نہیں لیا ورنہ ظاہر بات ہے کہ قوم میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ہارون علیہ السلام کے ماننے والے ہوں گے، ہارون علیہ السلام اگر چاہتے تو ان کو لیکر چڑھائی کرتے، فتنہ وفساد ہوتا لیکن ایسا نہیں کیا کیونکہ اس وقت حالات بہت سنگین ہو چکے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی اس قسم کے سنگین حالات پیش آجائیں تو سختی اور تشدد نہیں کرنا چاہئے بلکہ حکمت عملی اور نرمی سے کام لینا چاہئے۔ سختی کرنے سے اور حالات بدتر ہوجاتے ہیں، مخالفت بڑھ جاتی ہے، معاملہ سلجھتا نہیں اور الجھ جاتا ہے، ایسے موقع پر بہت صبر وتحمل سے کام لینا چاہئے۔

کسی منصب کے نائب اور قائم مقام کو ضروری تنبیہ

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ الآية.

موسیٰ علیہ السلام کی قوم جب بت پرستی میں مبتلا ہوگئی تو ہارون علیہ السلام نے ان کو سمجھایا، تذکیر وتبلیغ فرمائی، قوم نے جواب دیا کہ ہم تو تمہاری بات نہیں مانتے، ہم تو اسی حال پر جمے رہیں گے جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آجائیں۔

اس وقت ہارون علیہ السلام اس بات پر غصہ نہیں ہوئے کہ میں تو موسیٰ علیہ السلام کا نائب اور ان کا قائم مقام ہوں اور تم نے میرے ساتھ نائب ہونے کا معاملہ کیوں نہیں کیا؟ میری بات کیوں نہیں مانی؟ میرا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ یہ تو ایک فطری بات ہے، بڑی شخصیت یا کسی عہدیدار کی جو قدر وعظمت اور اہمیت دل میں ہوتی ہے وہ اس کے نائب کی نہیں ہوتی، ایسے موقع میں نائب کے دل میں یہ بات نہیں آنا چاہئے کہ میرا کوئی مقام نہیں، میری کوئی حیثیت نہیں، میں انہیں کا تو نائب ہوں بلکہ اگر کوئی بات پیش آجائے تو صبر وہمت سے کام لینا چاہئے جسطرح سے کہ ہارون علیہ السلام نے کیا تھا، آج کل اسی میں جھگڑا اور اختلاف ہوتا ہے کہ میرے ساتھ اعزاز کا معاملہ نہیں کیا، مجھے کچھ سمجھا ہی نہیں، سمجھیں کیسے؟ یہ تو فطری بات ہے کہ جو مقام اصل شخصیت کا ہوتا ہے وہ اس کے نائب کا نہیں ہوتا، محض ڈنڈے کے زور سے تھوڑی اپنی شخصیت تسلیم کرائی جاسکتی ہے۔

بہت سے مدارس میں آج کل لڑائی جھگڑے کی بنیاد صرف یہ ہوتی ہے کہ کسی کے ذمہ کوئی کام سپرد کیا گیا، کسی منصب کا نائب بنادیا گیا اور اتفاق سے کوئی بات پیش آگئی تو کہتے ہیں کہ میں کوئی چیز ہی نہیں، میرا کوئی مقام ہی نہیں۔

اصل گرفت تو ذمہ دار کی کرنی چاہئے

قَالَ یٰھٰرُوْنُ مَا مَنَعَکَ اِذْرَاَیْتَھُمْ ضَلُّوْا.

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر قوم کا براحال دیکھا کہ وہ تو بت پرستی میں مبتلا ہو چکی ہے حالانکہ قصوروار قوم ہی تھی ۔لیکن موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی گرفت کی اور ان کو تنبیہ فرمائی کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ کیسے ہو گیا ؟تم نے ان کو روکا کیوں نہیں، کیا تم نے میری نافرمانی کی ؟

اس سے ایک بات معلوم ہوئی کہ جب کوئی معاملہ پیش آجائے تو پہلے گرفت اپنے آدمی اور اپنے لوگوں کی ہونی چاہئے بعد میں دوسروں کی، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہارون علیہ السلام کی گرفت فرمائی اور ان سے باز پرس کی بعد میں سامری اور قوم کی خبر لی۔

اختلاف ہو جانے کی صورت میں مسئلہ بڑوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے

اَلَّا تَتَّبِعَنِ . حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ جب قوم میں فتنہ پیدا ہو گیا اور قوم گمراہی کا شکار ہوگئی، اس وقت تم میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے۔آکر مجھ کو حالات کی اطلاع کرتے؟

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی اختلاف اور فتنہ کی نوبت آجائے تو معاملہ کو خود ہی نہ سلجھا لینا چاہئے بلکہ بڑوں کے پاس جا کر ان کے سامنے مسئلہ کو رکھنا چاہئے۔(یعنی) خود فیصلہ نہ کرے بلکہ اپنے بڑوں کے فیصلہ پر عمل کرنا چاہئے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا اجتہادی اختلاف

اِنِّیۡ خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ الآیۃ.

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اس بات پر تنبیہ کی جب قوم گمراہ ہو رہی تھی تو تم میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے ان سے بیزاری کیوں نہیں ظاہر کی؟

جب کسی قوم میں گمراہی ہو اور کوئی شخص انھیں میں گھلا ملا رہے اگر چہ اس برائی میں شریک نہ ہو لیکن لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ بھی اسی میں شامل ہے اگر ہارون علیہ السلام قوم سے غصہ ہو کر بیزاری ظاہر کرتے اور خفا ہو کر چلے جاتے تو قوم سمجھتی کہ واقعی یہ بہت بڑا جرم ہے جب ہی تو غصہ ہو کر چلے گئے، اس بیزاری سے بت پرستی کی قباحت ان کے دل میں بیٹھتی، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد تھا۔

اور ہارون علیہ السلام کا اجتہاد یہ تھا کہ میرے چلے جانے کے بعد قوم میں مختلف ٹولیاں ہو جائیں گی اور قتل و غارتگری کی نوبت آ جائیگی، خون خرابا ہوگا، عورتیں بیوہ ہوں گی، بچے یتیم ہوں گے اور مجتہد اگر غلطی بھی کرتا ہے تو بھی اس کو ثواب ملتا ہے، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام میں سے کسی کے اجتہاد کو غلط نہیں کہا گیا بلکہ دونوں اجتہاد کو برقرار رکھا حالانکہ دونوں میں سے ایک اجتہاد ضرور غلط ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد مخطی بھی مستحق اجر و ثواب اور مقبول ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں یہ مضمون کہا ہے۔

فسادی آدمی کو نکال باہر کر دینا چاہئے

قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ.

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد پورے حالات کی

تحقیق فرمائی، فتنہ اور بت پرستی کا بانی سامری مجرم ثابت ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے اس سے باز پرس کی، اس نے کہا کہ بَلْ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ یعنی میرے جی نے مجھے یہی سمجھایا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نکل بھاگ یہاں سے، تیرا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں اور اسکے واسطے بدعاء بھی فرمائی۔

جہاں کہیں بھی جائے تو یہی کہے کہ "لَا مِسَاسَ" یعنی مجھے کوئی نہ چھوے میرے قریب کوئی نہ آئے اللہ نے اسکو ایسا بنادیا تھا کہ وہ کسی کو چھوے یا اسکو کوئی چھوے تو اس کو بخار ہو جاتا تھا اسلئے وہ ہر وقت یہی کہا کرتا تھا کہ لَامِسَاسَ یعنی مجھے کوئی نہ چھوئے۔ مجھے کوئی نہ چھوئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتّین آدمی جس سے فتنہ پیدا ہوتا ہو اس کو نکال باہر کر دینا چاہئے، ایسے آدمی کو نہیں رکھنا چاہئے، قصوروار کے قصور کو تو معاف کیا جاسکتا ہے اور معافی کے بعد اس کو رکھا بھی جاسکتا ہے لیکن فتّین آدمی کو نہیں رکھنا چاہئے۔ سامری چونکہ فتّین تھا اس لئے اس کو نکال باہر کیا، سامری کے خود اقرار سے اسکا جرم واضح ہو چکا تھا اور معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی طبیعت میں فتنہ پروری، فتنہ انگیزی ہے، وہ تو بہت پہلے سے بت پرستی کی اسکیم بنائے ہوئے تھا، اسکی تیاری میں لگا ہوا تھا لیکن اسکو موقع نہ ملا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں موقع پا کر اس نے اپنا کام کر دیا، ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا کا ترجمہ حضرت نے فرمایا "جس پر ہمیشہ جمے رہنے کی تو نے ٹھانی ہے" سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ کا ترجمہ فرمایا "میرے جی نے مجھے یہ سُجھایا"۔

شر وفتنہ کی چیز کو نیست و نابود کر دینا چاہئے

لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا .

موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے (گائے کے بچہ کے متعلق جس کو سامری

نے بت پرستی کے لئے تیار کیا) فرمایا ہم اس کو آگ میں جلادیں گے اس کی راکھ کر کے ہوا میں اڑادیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتنہ والی چیز کو بالکل ہی ختم کر دینا چاہئے، فٹ بال، گیند، کرکٹ اگر شر اور فتنہ کا ذریعہ ہو، ان سے غفلت پیدا ہوتی ہو نماز چھوٹتی ہو، تو اسکو پھوڑ پھاڑ کر توڑ پھوڑ کر ختم کر دینا چاہئے اور جو نہ مانے اور طرح طرح کی اسکیمیں کرتا ہو اس کو چلتا کر دے (مدرسہ سے اخراج کر دے) بعض کھیل فی نفسہ برے نہیں ہیں لیکن اگر وہ کھیل غفلت پیدا کر دے، نماز چھڑا دے، مطالعہ، تکرار بند کرا دے تو ایسے کھیل کو ختم ہی کر دینا چاہئے۔

تمام نسبتوں پر اللہ تعالیٰ کی نسبت کا غلبہ

قَالَ يَابْنَؤُمَّ لَاتَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ الآية.

کتابوں میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چھوٹے اور ہارون علیہ السلام عمر میں بڑے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کا یہ حال دیکھا تو غصہ اور طیش میں آکر ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑ لی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے حالانکہ بڑے بھائی تھے۔

اس وقت موسیٰ علیہ السلام پر بغض فی اللہ کا غلبہ تھا اور نسبت مع اللہ کا پورے طور پر استحضار تھا ایسے وقت میں آدمی دوسری اور تمام نسبتوں کو بھول جاتا ہے بس اللہ کی نسبت کے علاوہ کسی اور نسبت کا استحضار نہیں رہتا، اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ جب موقع آئے تو اللہ کی نسبت کے آگے کسی اور نسبت کا لحاظ نہ کیا جائے اور جس کو واقعی اللہ کی نسبت کا لحاظ ہوتا ہے وہ دوسری نسبتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔

مشہور قصہ ہے کہ صحابی رسول نے بیٹے سے فرمایا کہ اگر تو میری زد میں آجاتا تو میں تجھ کو ہرگز نہ چھوڑتا، قتل ہی کر دیتا، حالانکہ بیٹا تھا مگر اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ

کی مخالف جماعت کیساتھ تھا،اس لئے ایسا فرمایا۔ یہ ہے اللہ کی نسبت کا لحاظ۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث بیان فرمارہے تھے، ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے ایسی کوئی بات فرمادی جو ظاہری اعتبار سے حدیث کی بے ادبی پر مشتمل تھی، حضرت عمر سخت ناراض ہوگئے اور گھر سے نکال دیا اور فرمایا شکل نہ دکھانا۔

اپنے سے بڑے منصب والے کا ادب ملحوظ رکھنا

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب اور قائم مقام تھے، گو عمر میں ان سے بڑے تھے لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ڈاڑھی پکڑ لی اور سخت ناراض ہوئے اس وقت ہارون علیہ السلام خفا نہیں ہوئے، موسیٰ علیہ السلام پر غصہ نہیں ہوئے بلکہ انتہائی ادب اور نرمی کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ اپنا عذر بیان کرتے رہے، سخت کلامی اور بے ادبی سے پیش نہیں آئے اور یہ نہیں خیال کیا کہ میں بڑا ہوں اور میری بے ادبی کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا جب کوئی معاملہ پیش آجائے تو اپنے سے بڑے منصب والے کا لحاظ رکھنا چاہئے، دیکھو ہارون علیہ السلام نے کسطرح نرمی کے انداز میں فرمایا یَا بْنَ اُمِّيَ اے میری ماں کے بیٹے! اس طرح ہر چھوٹے کو اپنے بڑے کے سامنے ادب کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔

کام تو گمنامی اور تنہائی میں ہوتا ہے کام کرنے والوں کو تعویذ وغیرہ کا جھمیلا نہیں پالنا چاہئے

حضرت والا تفسیر کا درس دے رہے تھے کہ دوران سبق دور دراز علاقہ سے

مہمان تعویذ کے لئے تشریف لے آئے۔ حضرت کو ذہنی الجھن ہوئی اور فرمایا کہ جتنی آسانیاں ہوتی جاتی ہیں اتنی ہی دشواریاں بڑھتی جاتی ہیں۔ پہلے سڑک نہیں تھی، بس بھی نہیں آتی تھی مہمانوں کی آمد کم تھی، تعویذ کا یہ سلسلہ نہ تھا، بہت کم لوگ آتے تھے، اس وقت اچھا خاصا وقت مل جاتا تھا۔ اطمینان سے لکھ پڑھ لیا کرتا تھا لیکن جب سے سڑک بن گئی، بس آنے لگی، میرے لئے زحمت بن گئی، میرے استاد حضرت اقدس مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ نے بھی فرمایا تھا کہ سڑک بننے سے آسانی تو ہو جائے گی لیکن تمہارے لئے زحمت ہو جائے گی۔ تعویذ والوں سے حضرت بہت پریشان تھے، اس کی وجہ سے لکھنا پڑھنا بھی موقوف کرنا پڑتا تھا۔ حضرت نے دوران سبق فرمایا دعا کرو اسوقت کوئی نہ آئے۔ اس کی وجہ سے تو کام ہی نہیں ہو پاتا، اسباق تو پڑھا لوں۔

بڑوں کا ادب

ہر چھوٹے کو بڑے کے سامنے جو بھی عرض کرنا ہو ادب سے عرض کرنا چاہئے اور لہجہ بالکل نرم ہونا چاہئے کہ حضرت میری بات سن تو لیجئے، حضور میرا قصور ہو تو آپ جو چاہے سزا دیجئے، اپنے قصور کا اعتراف کرے، عذر بیان کرے، یہ نہیں جیسے آج کل ذرا سی بات میں غصہ میں آ کر بے ادبی اور گستاخی کے ساتھ کہنے لگتے ہیں کہ مجھے مارا کیوں؟ پہلے آپ میرا قصور تو ثابت کیجئے۔ آپ نے پوری بات سنی بھی نہیں، آپ غلط کہتے ہیں، آپ جھوٹ کہتے ہیں، مقابلہ کرنے لگے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے اور آج کل لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، کل ایک صاحب ایسی ہی بات کہہ رہے تھے اور میں تو آئے دن بھگتتا رہتا ہوں۔

عذر اور برأت ظاہر ہوجانے کے بعد غصہ ٹھنڈا ہوجانا چاہئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ھارون علیہ السلام کی گرفت فرمائی، غصہ ہوئے لیکن جب ھارون علیہ السلام نے عذر معقول پیش کردیا اور صحیح وجہ بیان کردی اب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، نرم پڑ گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بڑا کسی شخص کو تنبیہ کررہا ہو لیکن پھر اس کا عذر معقول معلوم ہوجائے تو اب خوامخواہ کے لیے غصہ نہ کرنا چاہئے، اب غصہ ٹھنڈا کرکے نرم پڑ جا نا چاہئے، یہ نہیں کہ ایک بات جو زبان سے نکل گئی اسکے خلاف نہیں ہوسکتا، سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے چلے جارہے ہیں۔

غصہ اور سزا اللہ کے واسطے ہونا چاہئے

کسی پر غصہ ہو یا سزا دے تو محض اللہ کے واسطے، نفس کی آمیزش اس میں نہ ہونا چاہئے۔ یہ ایسا نازک موقع ہوتا ہے جہاں پر اچھے اچھے لوگ پھسل جاتے ہیں اور غصہ میں آکر نفس کی خاطر سب کچھ کر بیٹھتے ہیں، اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں لیکن ہے یہ بہت مشکل کام، معمولی سی بات میں نفس سب کچھ سمجھا تا ہے کہ فلاں نے یوں کیا، میں نے اتنی محنت کی، میرا وقت برباد گیا، پریشان ہوا اصل یہ ہے کہ جب تک انسان خود اپنی اصلاح نہ چاہے کچھ نہیں ہوسکتا۔ کیا یہ کوئی ایسی چیز ہے جس پر انسان قابو نہیں پاسکتا یا فیصلہ نہیں کرسکتا کہ میرا یہ غصہ اللہ کے واسطے ہے یا نفس کے واسطے ہے اور کیا اللہ کے بندوں نے کرکے دکھایا نہیں ہے؟۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے عین لڑائی کے وقت جبکہ مقابل کے سینے پر چڑھے ہوئے اس کو قتل کرنے جارہے تھے اس نے حضرت علی کے منھ پر تھوک دیا، آپ فوراً سینہ سے اتر آئے، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا پہلے میں اللہ کے واسطے قتل کررہا تھا، اس کے تھوکنے کے بعد مجھے غصہ آگیا، اب اگر اس کو قتل کرتا تو یہ نفس اور غصہ کی وجہ سے ہوتا اللہ کے لیے نہ ہوتا۔ جب تک انسان خود ہی نہ چاہے تو کچھ نہیں ہوسکتا۔

دینی کام کرنے والوں کے لئے بڑی تسلی کی بات

ان سب واقعات کو سنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ اے نبی! اگر آپ کی امت آپ کی بات نہیں مانتی تو یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی قوموں نے اپنے نبی کی بات نہیں مانی اور ایسا تو ہوا نہیں کہ تمام کے تمام لوگ نبی کی بات مان لیں، جب نبی کی بات لوگوں نے نہیں مانی، اور نہ ماننے والے، ہر زمانہ میں رہے ہیں تو اگر آج مدرسہ والوں کی، تبلیغ کرنے والوں کی بات نہ مانی جائے تو اسمیں کوئی افسوس کی بات نہیں، جب نبی کو لوگوں نے تنگ کیا پریشان کیا ستایا، اور جب اللہ کے محبوب بندوں کو ستایا گیا تو اگر ہم کو بھی ستایا جائے تو یہ کوئی افسوس کی اور رنج کی بات نہیں، نبی کے آگے ہم کیا چیز ہیں! ہر زمانے میں نہ ماننے والے اور پریشان کرنے والے رہے ہیں، انھیں سب باتوں سے تسلی ہوتی ہے اور کام چلتا ہے ورنہ پریشان ہو کر مایوس بیٹھ جانے سے کام نہیں چلتا، ان سب واقعات سے تسلی حاصل کرنا چاہئے کہ جب نبی کو لوگوں نے نہیں چھوڑا تو ہم کیا چیز ہیں! مدرسہ کے لوگوں کو خاص طور پر سبق لینا چاہئے۔

خوشی کے ایام آناًفاناً گزر جاتے ہیں

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا : قیامت کے روز اتنی ہیبت اور پریشانی کا موقع ہوگا کہ اسکے آگے دنیاوی زندگی کی کوئی حیثیت نہ ہوگی پوری دنیا کی زندگی ایک دن کے برابر معلوم ہوگی، ہے بھی یہی بات کہ خوشی کے ایام بہت جلدی گزر جاتے ہیں اور تنگی و پریشانی کے ایام پہاڑ معلوم ہوتے ہیں، بیماری کے دنوں کی راتیں بڑی لمبی معلوم ہوتی ہیں، کاٹے نہیں کٹتیں اور عیش وآرام کی راتیں بہت جلد گزر جاتی ہیں۔

ہمارے زمانۂ طالب علمی میں ایک شخص عصر پڑھ کر ساتھیوں میں باتیں کرنے بیٹھا اور ساتھیوں سے باتیں کرتے کرتے مغرب، عشاء ہوگئی پوری رات گزر گئی، جب صبح کی اذان مؤذن نے دی تو صبح خوب ہوچکی تھی، ایک ساتھی نے کہا آج مغرب کی اذان مؤذن نے جلدی دیدی۔ پوری رات گزر گئی اوران کی ابھی مغرب ہی ہورہی ہے۔

علم پر قناعت نہ کرلینا چاہئے

وَلاَ تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ اور قُلْ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا:

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا قرآن پاک میں جلدی نہ کیجئے یعنی وحی کا نزول ہوتو قرآن پاک پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی حفاظت اور یاد کرنے کے دوطریقے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو یاد کرتا جائے پڑھتا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے جو یہاں بیان کیا "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا" یعنی یہ دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ کیجئے اس کی برکت سے علم محفوظ رہے گا ،مطلب یہ ہے کہ علم کا شوق ہونا چاہئے اور جب علم کا شوق ہوگا تو یہ دعا بھی ہوگی۔

اور میرے دل میں ایک بات اور آتی ہے وہ یہ کہ آپ پر قرآن پاک نازل کیا

گیا ہے اس پر قناعت نہ کر لیجئے بلکہ مزید علم کا شوق اور ترقی کی کوشش کیجئے، علم چاہے جتنا حاصل ہو جائے اس پر قناعت نہ کرنا چاہئے بلکہ علم کی حرص اور لالچ ہونا چاہئے، مال اور دنیا کی تو لالچ نہ ہونا چاہئے لیکن علم دین کی لالچ ہونا چاہئے اور علم پر تو قناعت ہو ہی نہیں سکتی، حدیث پاک میں آیا ہے کہ دو حریص ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کبھی سیرابی نہیں ہوتی، کبھی ان کا پیٹ نہیں بھرتا ایک تو علم کا طالب دوسرا دنیا کا طالب اس سے معلوم ہوا کہ علم چاہے جتنا حاصل ہو جائے لیکن علم پر قناعت نہ کر لینا چاہئے بلکہ برابر اس میں ترقی اور آگے بڑھنے کی کوشش اور اسکی دعاء ہونی چاہئے۔

نافرمانی پر گرفت ہمارا ضابطہ ہے خواہ کوئی بھی ہو

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی آدَمَ:

آگے حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ دیکھو ہمارے یہاں تو ایک ضابطہ ہے کہ کوئی بھی شخص ہو، اگر ہماری نافرمانی کرے گا تو ہم اس کی گرفت کریں گے، ہمارا مقبول محبوب بندہ بھی اگر غلطی کرے گا اس کو بھی ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ہمارے یہاں تو غلطی پر گرفت ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو غلطی ہوئی تھی وہ اجتہادی غلطی تھی، وہ یہ کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کے سامنے جھوٹی قسمیں کھائیں، آپ اس کو صحیح سمجھ گئے اور اس کی باتوں میں آگئے۔ یا یوں کہا جائے کہ شیطان کے اس طرح قسم کھانے سے آپ یہ سمجھے کہ پہلا حکم ممانعت کا منسوخ ہو گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ سمجھا ہو کہ مخصوص درخت جس کی طرف اشارہ کیا گیا اس کا پھل کھانا ممنوع ہے، اسی نوع کے دوسرے درخت کے پھل کھا سکتے ہیں حالانکہ مراد اس درخت کی نوع تھی۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام سے چوک ہوئی اور وہ اجتہادی خطا تھی اس پر گرفت ہوگئی تو پھر اور کون بچ سکتا ہے۔

نافرمانی کا اثر ضرور ہوتا ہے اگرچہ بھول سے ہو

اس سے معلوم ہوا کہ نافرمانی کا اثر ضرور ہوتا ہے اگرچہ وہ نافرمانی دھوکہ اور غلطی سے ہوئی ہو۔ اگر کوئی دھوکہ سے زہر کھالے تو کیا اس کا اثر نہ ہوگا؟ نافرمانی کی وجہ سے جو مصیبتیں اور پریشانیاں آتی ہیں وہ تو ضرور آئیں گی، اگرچہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے آخرت کا مؤاخذہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں لیکن دنیا میں اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، میرا تو بارہا کا تجربہ ہے کہ جب کبھی کوئی کام خلاف سنت ہوجاتا ہے تو ضرور کوئی پریشانی آجاتی ہے۔ البتہ گناہ اس میں نہیں ہوتا۔ گرفت بھی نہیں ہوتی کیونکہ بھول چوک میں اللہ گرفت نہیں فرماتے۔ لیکن مقربین کی گرفت ہو بھی جاتی ہے جیسے آدم علیہ السلام سے جو خطا ہوئی یہ اجتہادی خطا تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی گرفت فرمائی کیوں کہ بڑوں کی گرفت معمولی باتوں میں بھی ہوجاتی ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْن ۔

نافرمانی کے دوسبب: آدم علیہ السلام اور شیطان کی نافرمانی کا فرق

نافرمانی دوسبب سے ہوتی ہے یا تو تکبر کی وجہ سے یا خطا اور غلطی کی وجہ سے۔ اگر غلطی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہوجاتی ہے تو اس میں ندامت اور توبہ کی توفیق بھی ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے، معاف کردیتا ہے۔ لیکن تکبر کی وجہ سے جو غلطی ہوتی ہے اس میں آدمی کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ غلطی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، آدم علیہ السلام سے بھی ہوئی اور شیطان سے بھی ہوئی لیکن شیطان سے جو نافرمانی ہوئی اس کا منشا تکبر تھا اس لیے اسکو ہدایت اور توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ لیکن آدم علیہ السلام سے جو نافرمانی

ہوئی اس کا منشا تکبر نہیں بلکہ خطا اور غلطی اس کا منشا تھا۔ چنانچہ غلطی کے بعد ندامت بھی ہوئی اور توبہ کی توفیق بھی ہوئی۔ خطا اور غلطی سے جو نافرمانی سرزد ہوتی ہے توبہ کے بعد اس کے کمالات میں اضافہ اور ترقی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقبول بندہ بن جاتا ہے۔ انعامات کا مستحق ہوجاتا ہے برخلاف تکبر کے کہ اس کو ہدایت ہی نصیب نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہوتا ہے۔

غلطی ہوجانا بشری تقاضا ہے غلطی ہوجانے کے بعد کا ضروری وظیفہ اور ذمہ داری

عربی کا مقولہ ہے اَوَّلُ النَّاسِ اَوَّلُ نَاسٍ. یعنی لوگوں میں جو سب سے پہلے شخص تھے انہیں سے بھول واقع ہوئی جب اصل ہی میں نسیان اور بھول ہے تو اس کی شاخوں اور پھلوں یعنی تمام آدمیوں میں بھی ضرور خطا اور نسیان کا وقوع ہوگا۔ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے جب سہو کا صدور ہوا تو آپ کی ذریت بنو آدم سے بھی ہوگا۔ أَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَأ وَ النِّسْيَان . یعنی انسان تو خطا اور نسیان سے مرکب ہے۔ اسکا مطلب بھی یہی ہے۔ انسان سے غلطی ہوجاتی ہے بہ تقاضۂ بشریت، لیکن غلطی ہو جانے کے بعد اس کی تلافی کی صورت بھی تو اختیار کرنا چاہئے، غلطی ہوجانے کے بعد اپنے جرم کا اعتراف، غلطی کا اقرار اس پر ندامت و پشیمانی اور آئندہ کے لیے ایسی غلطی نہ کرنے کا عہد، توبہ یہ سب بھی تو ہونا چاہئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ہوگئی لیکن اس پر ندامت کتنی ہوئی، لکھا ہے کہ تین سو برس تک روتے رہے۔

توبہ کی ضرورت واہمیت

توبہ کر لینے سے وہ گناہ دھل جاتا ہے۔ اس کے نامۂ اعمال سے اسکو مٹا دیا

جاتا ہے۔اوراس کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے "كُلُّكُمْ خَطَّاؤُنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَابُوْنَ" تم سب خطاوار اور گنہگار ہواور بہترین خطاوار وہ ہیں جوتوبہ کرنے والے ہیں۔توبہ کے بعد وہ صرف گنہگار نہیں بلکہ بہترین گنہگار بن جاتا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ اے ابن آدم! نافرمانی اور گناہ ہوجانے کے بعد جواثر تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) پر ہوا تھا وہ تم پر کیوں نہیں ہوتا؟ گناہ ہوجانے بعداس طریقہ کو کیوں نہیں اختیار کرتے جوتمہارے باپ نے اختیار کیا تھا؟ان کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے؟ان سے ایک بارغلطی ہوئی چوک ہوئی لیکن دوبارہ غلطی یعنی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔غلطی پر اصرار نہیں کیا بلکہ نادم ہوئے۔جرم کا اقرار کیا، معافی چاہی، اللہ نے معاف کردیا۔ہر بندہ کا ایسا ہی حال ہونا چاہئے کہ غلطی ہوجانے کے بعد توبہ واستغفار ہو، انشاءاللہ پہلے سے بھی زیادہ ترقی ہوگی۔

متکبر اور مفسد آدمی کے لئے اصلاح کی ہر تدبیر بیکار ہے

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ. كَانَ مِنَ الْجِنّ الآية:

شیطان ابلیس فرشتوں کے ساتھ رہا کرتا تھا، بہت بڑا عابد وزاہد تھا۔ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہتا تھا۔بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ تین لاکھ برس تک عبادت کرتا رہا۔ مُعَلَّمْ اس کا لقب تھا۔یعنی فرشتوں کا تعلیم کردہ۔ملائکہ نے اس کو تعلیم دی تھی۔بعض لوگوں نے مُعَلِّمْ نقل کیا ہے۔یعنی فرشتوں کا استاد لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا،الغرض بہت بڑا عابد زاہد تھا،فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا لیکن اس کی طبیعت میں کجی اور فساد تھا،تکبر اور گھمنڈ تھا۔جب طبیعت میں کجی ہوتو کبھی نہ کبھی اس کا اثر ضرور

ظاہر ہوتا ہے، جیسے کتے کی دم کہ برسہا برس تک اس کو چکّی کے پتھر کے نیچے دبائے رکھو لیکن جب نکالو تو ٹیڑھی ہی نکلے گی، اسی طرح اس شخص کا حال ہوتا ہے جس کی طبیعت میں کجی ہو، چاہے کتنے برس تک کسی کی صحبت اور خانقاہ میں رہا ہو لیکن اگر اس کی طبیعت میں کجی باقی رہے گی تو ضرور فساد ظاہر ہوگا۔ اس کے لیے ہر تدبیر بیکار ہے، اس کی اصلاح کی یہی صورت ہے کہ پہلے اپنی طبیعت سے فساد کو دور کرے۔ اپنے قلب کی اصلاح کرے۔

اصلاحِ قلب کی ضرورت

قلب کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ جب تک قلب کی اصلاح نہ ہو اور رذائل (یعنی تکبر) وغیرہ اندر موجود ہوں تو وہ کسی نہ کسی شکل میں نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی پیر سے ظاہر ہوں گے، کبھی ہاتھ سے کبھی زبان سے ظاہر ہوتے رہیں گے۔ کسی کی چوری کرے گا، کہیں فتنہ مچائے گا۔ کہیں ظلم کرے گا۔ الغرض ہاتھ پیر زبان کہیں نہ کہیں سے وہ رذائل اپنا اثر دکھلاتے رہیں گے جب قلب کی صفائی نہیں ہوتی تو دیکھو شیطان فرشتوں کی صحبت میں رہ کر اتنا بڑا عابد وزاہد بن کر بھی ہلاک و برباد ہوگیا کیونکہ اس کے باطن میں رذائل موجود تھے، آج بھی اگر کسی کے باطن میں رذائل موجود ہوں پھر وہ خواہ کہیں بھی رہے، مدارس میں رہے، خانقاہوں میں وقت گزارے، کتنے ہی بڑے شیخ کی صحبت میں رہے، ذکر وشغل بھی جاری رکھے۔ لیکن اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اس کے رذائل میں اور اضافہ ہی ہوتا چلا جائیگا۔ وہ اپنے کو بڑا اور صاحب کمال ہی سمجھتا چلا جائے گا اور پھر اک دم سے ہلاک و برباد ہو جائیگا، شیطان کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ ایسے شخص کی اصلاح کی تو بس یہی صورت ہے کہ اپنے رذائل کو دور کرے جب تک رذائل دور نہ ہوں اصلاح ناممکن ہے۔

دشمن سے کبھی غافل مت ہو

اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَکَ : اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے بچ کر رہنا، اس کی بات نہ ماننا، دشمن خواہ کتنا ہی کمزور ہو لیکن کبھی اس کو کمزور نہ سمجھو، اس کو کمزور سمجھ کر اس سے غافل مت ہو جاؤ۔ دشمن خفیہ طور پر تدبیر کرتا رہتا ہے اور رفتہ رفتہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے، شیطان نے کیسی چالبازی کی اور خفیہ تدبیر کے ذریعہ آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوا دیا۔

عورتوں کا نان نفقہ مردوں پر لازم ہے

فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ فَتَشْقٰی :

(یعنی یہ شیطان تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے پھر آپ مشقت میں پڑ جائیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم یہ شیطان تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے۔ نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا اور نکلنے کے بعد مصیبت اور مشقت میں پڑ جانے کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔ یعنی جنت سے نکلنے کے بعد مشقت میں آدم علیہ السلام ہی پڑیں گے نہ کہ حوا علیہا السلام، کیونکہ جنت میں دونوں وقت روٹی پکی پکائی ملتی تھی اور آرام سے دونوں کھاتے تھے اور جنت سے نکلنے کے بعد آدم علیہ السلام پر حضرت حوا کا نفقہ لازم ہوا، اس واسطے اصل مصیبت میں تو آدم علیہ السلام ہی پڑے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا نفقہ شوہر پر لازم ہے اور عورت پر لازم نہیں کہ وہ کھانا پکائے بلکہ مرد ہی پر اس کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ یہ عورت کا تبرع و احسان ہے کہ وہ کھانا بھی پکاتی ہے اور گھر کا کام بھی کرتی ہے۔

(حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ عورت پر قضاءً تو یہ امور یعنی کھانا وغیرہ پکانا واجب نہیں لیکن دیانۃً واجب ہے یعنی کر سکنے کے باوجود ضرورت

کے وقت اگر خدمت نہ کرے گی تو عنداللہ گنہگار رہوگی، مرتب)۔

ہندوستانی عورتوں کی خصوصیت

یہ تو ہمارے یہاں کی عورتیں ہیں کہ وہ بیچاری گھر کا پورا کام دیکھتی ہیں، لیپنا، پوتنا سب کچھ کرتی ہیں۔ چولھا پھوکتے پھوکتے ان کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے۔ کام کرتے کرتے بیچاری کمزور ہوجاتی ہیں یہ یہاں کی عورتوں کی خصوصیت ہے۔ اوران کا محض تبرع واحسان ہے ورنہ ان پر لازم نہیں، اس کے بعد بھی لوگ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔

عورتوں کی مظلومیت اورحق تلفی

ہندوستانی عورتوں کی خصوصیت ہے کہ بیچاری سب کچھ برداشت کرتی ہیں اور کام بھی کرتی ہیں لیکن پھر بھی لوگ عورتوں کے احسانات کی قدر نہیں کرتے، ذرا ذرا سی بات میں طلاق کی دھمکی دیتے ہیں۔ گھر سے نکال دیتے ہیں ڈنڈے اور جوتے برساتے ہیں۔ بیوی کو باندی اور نوکرانی سمجھ رکھا ہے۔ نوکرانی کے ساتھ بھی اس طرح سلوک نہیں کرنا چاہئے جس طرح آج لوگ بیویوں کے ساتھ کرتے ہیں کہ ذرا سی بات میں مار پیٹ اور جوتے سے خبر لی جارہی ہے۔ بیچاری مظلوم عورتیں سب کچھ برداشت کرتی ہیں اور گھر کا کام بھی کرتی جاتی ہیں، دوسرے ملکوں میں یہ بات نہیں۔ سعودیہ وغیرہ میں عورتیں کھانا نہیں پکاتی ہیں، ہوٹلوں سے کھانا آتا ہے کبھی شوقیہ کوئی کھانا پکالے تو پکالے ورنہ رواج گھروں میں پکانے کا نہیں ہے، صبح صبح میاں صاحب اٹھے اور ہوٹلوں سے جاکر ناشتہ لے آئے کھانے کا وقت آیا کھانا لے آئے۔ سب کھانا وہاں بازار سے آتا ہے، اور یہاں کی عورتیں خود کھانا پکاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی لوگ عورتوں کی قدر نہیں کرتے۔

آدم علیہ السلام کے عصیان کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی عنایت

وَعَصیٰ آدَمَ رَبُّہٗ فَغَوٰی:

''عصیٰ آدم'' کا ترجمہ ہے اور آدم علیہ السلام سے چوک ہوگئی ''فغویٰ'' پس بھٹک گئے۔ نا کام رہے۔ آدم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی کو نسیان سے تعبیر کیا اور مقصد میں نا کامی کو غویٰ سے تعبیر کیا۔ مقصد میں کامیابی سے مراد ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں رہنا ہے، یہ آیت بھی اسی قبیل کی ہے کہ اپنوں کی اور مقربین کی پکڑ سخت ہوتی ہے، معمولی بات میں بھی ان کی گرفت کر لی جاتی ہے لیکن اس سے مقصود عتاب نہیں ہوتا بلکہ تربیت مقصود ہوتی ہے تا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔ اس میں ان کا امتحان ہوتا ہے اور بہت سخت امتحان ہوتا ہے۔ پھر جتنا سخت امتحان ہوتا ہے اسی کے بقدر انعام بھی ملتا ہے۔ آدم علیہ السلام کی گرفت اسی واسطے کی گئی تا کہ انکی تربیت کی جائے۔ ان کا امتحان لیا گیا تا کہ ان پر انعام کیا جا سکے چنانچہ جنت سے اسی واسطے نکالا گیا تا کہ آزمائش ہو جائے اور امتحان و آزمائش کے بعد ہی انعام ملتا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام کو یہ انعام ملا کہ پہلے نبی نہ تھے بعد میں نبی بنا دیئے گئے۔

قصور کے بعد توبہ کی توفیق عنایت کی علامت ہے

ثُمَّ اجْتَبَاهُ فَهَدٰی:

حضرت آدم علیہ السلام سے چوک ہو جانے کے بعد اللہ نے گرفت فرمائی اور دنیا میں (صورۃً) بطور عتاب کے بھیج دیا لیکن جب آدم علیہ السلام نے بہت معافی مانگی روئے گڑگڑائے تو اللہ نے معاف بھی فرما دیا لیکن جنت میں واپس نہیں فرمایا بلکہ دنیا ہی میں رہنے کا حکم ہوا، انداز بدل گیا پہلے کچھ اور تھا اور بعد میں کہنے کا انداز کچھ اور تھا، یہ

ایسا ہے جیسے کوئی حاکم اپنے کسی ماتحت سے ناراض ہوکر اس کا تبادلہ کردے۔اور بعد میں معافی تلافی ہوجائے۔اوراس کا قصور معاف کردیا جائے اور حاکم یہ کہے کہ کیا حرج ہے کچھ دن وہیں رہ لیجئے بعد میں پھر اصلی مقام پر بھیج دیا جائیگا،مگر ان دونوں لہجوں اور کہنے کے انداز میں فرق ہوگا، پہلے میں سختی ہوگی دوسرے میں نرمی، اب کہنے کا انداز یہ ہوگا کہ جہاں بھیجا جارہا ہے وہاں تشریف لے جائیں،وہاں رہ کر اپنے کارنامے دکھلایئے، میری جو ہدایت اور فرمان آئے اس کے مطابق عمل کرتے رہیئے، کچھ دنوں کے بعد تم کو وہاں سے بلالیا جائیگا،اسی طریقہ سے آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے پہلے تو فرمایا کہ نکل جاؤ! یہ فرمانا بطور ناراضگی کے تھا لیکن بعد میں معافی کے بعد خوشی کے ساتھ دنیا میں رہنے کے لئے فرمایا اور فرمایا کہ کچھ دن دنیا میں رہ تو لیجئے وہاں رہ کر اپنے کارنامے دکھا لیجئے۔میرے کہنے کے مطابق عمل کر لیجئے میری ہدایت آئے تو اس کی پیروی کیجئے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّی هُدًی الآیة: جو بھی میری ہدایت کے مطابق عمل کرے گا اس کو کوئی رنج وخوف نہ ہوگا، الغرض دنیا میں پہلے اتارنا ناراضگی کے ساتھ تھا، اس کے بعد دنیا میں ایک مدت تک رہنے کا حکم دینا عنایت اور مہربانی کیساتھ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قصور ہوجانے کے بعد اگر توبہ کی توفیق ہوجائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اوراس کی عنایت ہے اور اگر قصور ہوجانے کے بعد توبہ کی توفیق نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا عتاب ہے۔

امتحان وآزمائش کے بعد ہی انعام ملتا ہے

پہلے انسان مبتلا ہوتا ہے تب کہیں جاکر مجتبیٰ بنتا ہے۔یعنی پہلے آدمی کی آزمائش ہوتی ہے اس کے بعد اس کو چنا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا ستایا گیا۔خاندان والوں نے،گھر والوں نے آپ کو تنگ کیا۔آپ کی گردن بھینچی گئی۔

راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ پتھر مارے گئے۔ کتوں کو پیچھے لگایا گیا۔ الغرض ہر طرح سے پریشان کیا گیا۔

جب انسان پر مصیبت اور پریشانی آتی ہے اور ہر طرف سے دروازے بند ہوجاتے ہیں ایسے وقت میں ضرورت ہوتی ہے کسی سنبھالنے والے کی، خود سنبھلنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ اس کو سنبھالا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے پریشان کیا گیا، آپ کی سخت ترین آزمائش ہوئی، اس کے بعد اسی اعتبار سے اللہ نے آپ کو نوازا بھی۔ انعام بھی اسی کے بقدر ملا، چنانچہ آپ کو سیدالانبیاء یعنی تمام انبیاء کا سردار بنایا گیا۔

امتحان وآزمائش کی حقیقت

امتحان وآزمائش سے مقصود تربیت ہوتی ہے تاکہ اس پر اور زیادہ انعام کیا جاسکے۔ اس کی مثال ڈاکٹر کی سی ہے کہ ڈاکٹر کے پاس پھوڑے کا مریض آیا اگر وہ اس کے ساتھ رحم اور نرمی کا برتاؤ کرے اور اس کے پھوڑے کو نہ چیرے تو کبھی نہ کبھی تو فاسد مادہ باہر نکلے گا، اس جگہ سے نہیں تو دوسری جگہ سے نکلے گا۔ آج نہیں تو کل نکلے گا۔ جب مادہ فاسد اندر موجود ہے تو دبانے سے دبے گا نہیں بلکہ بدبو اور پیدا ہوجائے گی۔ ایسے موقع پر مشفق ڈاکٹر ذرا بھی رحم نہ کرے گا، چھرا نکال کر چر چر آپریشن کر ڈالے گا، کاٹ پیٹ کر سارا مادہ باہر کر دے گا، پہلے کاٹے گا پھر مواد نکالے گا پھر مرہم پٹی کرے گا، یہی حال اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ اگر غلطی ہوجائے تو ان کی بھی گرفت ہوتی ہے تاکہ اصلاح ہوجائے ورنہ یہ غلطی کبھی نہ کبھی ضرور اپنا اثر دکھائے گی۔ غلطی پر گرفت اور تنبیہ عتاب کے لیے نہیں بلکہ اصلاح و تربیت اور انعامات و نوازش کے لیے ہوتی ہے۔

قرآن سے اعراض کی مختلف صورتیں

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا الآیۃ:
جوشخص میرے ذکر سے یعنی قرآن سے اعراض کرے گا اس کے لیے زندگی میں تنگی ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ اس اعراض عن القرآن کو کسی تفسیر کے ساتھ مقید کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ قرآن سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں اور سب ہی صورتوں کو یہ حکم شامل ہے، کیونکہ ذکر عام ہے۔ لہٰذا قرآن سے جو بھی اعراض کرے گا خواہ اعراض کی کوئی بھی صورت ہو اس کے لیے دنیا میں تنگی، پریشانی اور بے برکتی ہوگی، کسی کے عقائد قرآن کے خلاف ہوں یہ بھی قرآن سے اعراض ہے اور اصل یہی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت نہ کرنا، اسکو نہ پڑھنا، پڑھانا یا پڑھنا لیکن تجوید کی رعایت کے بغیر پڑھنا، یا اس کے حقوق میں کوتاہی کرنا، اسباق کا ناغہ کرنا، معمولات میں کوتاہی کرنا سب ہی اس کے اندر داخل ہے البتہ ہر ایک کے درجات اور بے برکتی کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔

معمولات میں ناغہ کی بے برکتی

معمولات کے ناغہ سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے، اس لیے ناغہ کبھی نہ کرنا چاہئے معمول کو آگے پیچھے کرلے، کمی زیادتی کرلے لیکن ناغہ نہ ہونے دے ورنہ اس کا وبال ہوتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ جب کبھی معمولات کا ناغہ ہوتا ہے یا کوتاہی ہوتی ہے تو فوراً تنبیہ ہوتی ہے کبھی کوئی آفت اور مصیبت و پریشانی آجاتی ہے۔ کبھی ایسا طمانچہ لگتا ہے کہ سب یاد آجاتا ہے ہاتھوں ہاتھ گرفت

ہوتی ہے اس لئے ناغہ کبھی نہ کرنا چاہئے۔

اسباق کی پابندی اور ناغہ کی مذمت

پڑھنا پڑھانا بھی ایک معمول ہے اور اہم معمول ہے اس کا بھی ناغہ نہ ہونا چاہئے۔آج کل اسباق کی پابندی کی کوئی اہمیت ہی نہیں، اسباق کا ناغہ ہونے سے بھی ایسی ہی بے چینی اور تنگی ہونی چاہئے جس طرح دوسرے مرغوبات کے فوت ہو جانے سے بے چینی ہوتی ہے۔لیکن اگر کسی کو تنگی ہی میں عیش معلوم ہو تو اس کا کیا علاج ہے؟ آدمی گھر کے نقصان کو نقصان سمجھتا ہے، مال کے نقصان کو نقصان سمجھتا ہے، لیکن اگر سبق کا نقصان ہو جائے تو اس کو نقصان نہیں سمجھتا، کھانا کھانے کا ناغہ نہ ہونا چاہئے چاہے سبق کا ناغہ ہو جائے، اگر دن بھر کھانے کو نہ ملے تو کھانے پر ایسے ٹوٹ پڑتے ہیں کہ سوائے کھانے کے کچھ نہیں سجھائی دیتا۔ایسے ہی پڑھنے پڑھانے کو نہ ملے تو وقت ملتے ہی پڑھنے پڑھانے پر ٹوٹ پڑیں اور سب سے پہلے یہی کام کریں۔

تنگ زندگی کا مطلب اور ایک اشکال کا جواب

صاحب جلالین نے تو لکھا ہے کہ قرآن سے اعراض کرنے والے کی زندگی تنگ ہوتی ہے یعنی قبر میں اس کو عذاب ہوگا اور وہاں کی تنگی مراد ہے، اس سے اس اعتراض کا جواب بھی سمجھ میں آ گیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے قرآن سے اعراض کرنے والے لوگ بڑی خوشحالی اور عیش کی زندگی میں ہیں۔ان کی زندگی تنگ نہیں، وہ بڑے آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔اس کا جواب یہی ہے کہ آیت میں تنگی سے مراد برزخ کی تنگی ہے۔یہ صاحب جلالین کی رائے ہے۔

قرآن سے اعراض کرنے والا دنیا میں بھی تنگی میں رہتا ہے

لیکن دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے دنیا ہی کی زندگی مراد ہے۔یعنی جو قرآن سے اعراض کرے گا اس کو دنیاوی زندگی میں بھی تنگی ہوگی، رہا یہ اشکال کہ بہت سے اعراض کرنے والوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے ٹھاٹ باٹ سے اور بڑی راحت وآرام کی زندگی بسر کرر ہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ زندگی کی راحت یا تنگی کی حقیقت ہی کیا ہے؟ تنگ زندگی کسے کہتے ہیں؟ راحت کا مطلب یہ نہیں کہ ہوائی جہاز میں اڑے چلے جارہے ہیں، کاروں میں بیٹھے گھوم رہے ہیں، اچھے عالیشان محلوں اور بجلی کے قمقمے اور ایرکنڈ یشن مکانوں میں آرام کرر ہے ہیں۔ اچھے عمدہ قسم کی لذیذ غذاؤں کا لطف اٹھارہے ہیں۔ دیکھنے والے ان کو ایسا ہی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کی زندگی کوئی اچھی زندگی نہیں، ان کو زندگی کی راحت نصیب نہیں، ان کے قلب کو چین وسکون نصیب نہیں، ان کا قلب پریشان اور فکرمند رہتا ہے۔ دنیاوی فکروں میں الجھے ہوئے۔ ہزاروں مسائل میں گھرے ہوئے ہیں، نیند بھی چین کی نہیں آتی، کتنے عالیشان مکان والے ہیں جو گولیاں کھا کر سوتے ہیں۔اچھی اور راحت کی زندگی تو اس کو کہتے ہیں جس میں قلب کو سکون ہو۔خواہ کھانے کو چٹنی روٹی اور سونے کو چٹائی ملے لیکن دل میں سکون ہو، اور یہ بلڈنگ اور کار والے ایسے ہیں کہ اگر اندر سے ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کتنے پریشان ہیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی فکر میں ہیں، کہیں کسی کیس میں پھنسے ہوئے ہیں، کہیں انکم ٹیکس کہیں فلاں ٹیکس اسی فکر میں گھلے جارہے ہیں، کہیں اس کی خوشامد، چاپلوسی، کہیں اس کی جوتیاں سیدھی کرر ہے ہیں، یہ زندگی اچھی ہے یا پہلے والی؟ اس زندگی میں انہیں سکون کہاں، راحت کی زندگی تو سکون والی زندگی ہوتی ہے۔

راحت کی زندگی وہ ہے جس میں قناعت ہو

اس کے علاوہ ایک بات اور ہے وہ یہ کہ جتنے ایرکنڈیشن اور کار والے ہیں ان کو اس واسطے بھی سکون نصیب نہیں ہوتا کہ ان میں حرص لالچ بہت زیادہ ہوتی ہے اور سکون اس زندگی میں ہوتا ہے جس میں قناعت ہو، کسی مالدار کی اگر نو۹ دکانیں ہیں تو دسویں کی فکر میں پریشان ہے، کسی کے پاس چھ بسیں ہیں تو ساتویں کی فکر میں دوڑ رہے ہیں، اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کررہے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں صاحب کے دستخط اور رہ گئے ہیں اگر ان کے دستخط ہو جائیں تو کام بن جائے، ایک دن میں دس دس چکر لگا رہے ہیں، کہتے ہیں مولانا ایک تعویذ دے دیجئے سارا کام ہو چکا ہے صرف ایک صاحب کے دستخط اور رہ گئے ہیں، دعا کر دیجئے وہ بھی دستخط کر دے۔ ایسی زندگی کو جس میں قناعت نہ ہو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کو سکون نصیب ہے۔ ابھی گزشتہ سال کا واقعہ ہے شہر باندا میں ایک غیر مسلم کے یہاں چھاپا پڑا تھا اسی (۸۰) کروڑ کا مال برآمد ہوا سونے چاندی کی سل کی سل برآمد ہوئیں، روپیہ بوروں میں ردی کاغذ کی طرح بھرا پڑا تھا۔ سب مصنوعی قبر میں دفن کئے ہوئے تھے، کسی نے مخبری کر دی، چھاپا پڑا، تفتیش ہوئی، کہنے لگے یہ تو پرانی قبریں ہیں، ڈر لگتا ہے، چھاپہ ڈالنے والوں نے کہا تم کو ڈر لگتا ہوگا ہم کو تو ڈر نہیں لگتا، چنانچہ مصنوعی قبر کھود دی گئی اور سارا مال لیکر چلے گئے، وہ پیسہ کس کام آیا؟ ایسی دولت سے کیا فائدہ اور کیا سکون حاصل ہوا؟

اسراف کی حقیقت

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ:

جو بھی اسراف کرے گا ہم اس کو بدلہ چکھائیں گے یعنی عذاب دیں گے،

اسراف ہر چیز میں ہوتا ہے۔ اسراف کہتے ہیں حد سے زائد یعنی ضرورت سے زائد خرچ کرنے کو مثلاً جتنی دیر بات کرنی چاہئے اس سے زائد بات کرلی، یہ بات چیت کا اسراف ہوا اور جس کام میں جتنا وقت لگانا چاہئے اس سے زائد وقت لگادیا یہ وقت کا اسراف ہوا، اسی طرح مال کا بھی اسراف ہوتا ہے یعنی بے ضرورت خرچ کرنا یا ضرورت سے زائد خرچ کرنا یہ مال کا اسراف ہوا، الغرض اسراف ہر چیز میں ہوتا ہے۔

صبر کا مطلب

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ:

صبر کا مطلب یہ ہے کہ انتقامی جذبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ آدمی جب کسی کے متعلق کوئی سخت اور دلخراش باتیں کرتا ہے تو طبعی طور پر تکلیف ضرور ہوتی ہے اور اس وقت انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ایسے وقت میں انتقامی جذبہ کو دبانا، انتقام نہ لینا یہی صبر ہے ۔ایسے موقع پر صبر سے کام لینا چاہئے ،اور رہ گیا جہاد تو جہاد انتقام کے لیے نہیں ہوتا اس لیے وہ صبر کے خلاف نہیں، جہاد تو صرف فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے،

ہر قسم کی پریشانی اور مصیبت کا علاج

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ:

اس آیت میں صبر کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ اگر کوئی مخالفت کرے سخت سست کہے یا کسی بھی قسم کی کوئی مصیبت اور ناگوار حالات پیش آئیں تو اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ صبر سے کام لیجئے اور اس طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری طرف کر لیجئے ۔توجہ کے ہٹ جانے سے رنج وغم کم ہو جائے گا اور ایسے وقت میں اللہ کی تسبیح وتحمید میں لگ جایئے ،اللہ کی طرف انابت کیجئے، جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوگا اتنی ہی پریشانی ہلکی

معلوم ہوگی، الغرض ایسے وقت میں اللہ کی طرف متوجہ ہوجائیے نماز میں ذکر وتسبیح میں لگ جائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کبھی کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو فوراً نماز کی طرف لپکتے۔ اور تجربہ کی بات ہے کہ اس طرح کرنے سے رنج وغم ختم ہوجاتا ہے اور خوشی وسکون حاصل ہوتا ہے، جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوگا مخلوق سے تعلق میں کمی ہوگی، ہر شخص کو اپنا یہی معمول مقرر کرنا چاہیے، جتنی دیر اسکیم بنانے میں اور انتقام لینے کی کوشش میں کی جاتی ہے اتنی ہی دیر میں اپنے اللہ کو یاد کرے اس سے بھی سکون ہوجاتا ہے۔

دین نہ ہو تو مال ودولت زحمت اور مصیبت ہے

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا:

یعنی کفار کو جو ہم نے مال ودولت دے رکھا ہے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھئے کیونکہ ہم نے جو کچھ بھی ان کو دیا ہے یہ ان کی آزمائش اور مصیبت کے لئے ہے۔ واقعی جتنے مال والے ہیں اکثر کسی نہ کسی مصیبت اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔ ہم نے تو آج تک کسی مالدار کو نہ دیکھا کہ راحت وآسانی کی زندگی بسر کررہا ہو۔ آئے دن کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے کہیں چوری ڈاکہ، کہیں مقدمہ بازی لڑائی جھگڑا، لڑکے کا اغوا یہ سب مالداروں ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ مالداروں کا لڑکا اغوا کرلیا اور کہہ دیا سات لاکھ روپیہ رکھ جاؤ تب لڑکا ملے گا آج تک کبھی کسی غریب کے بارے میں نہیں سنا گیا کہ اس کے لڑکے کا اغوا کرلیا گیا ہو، یہ تو مال ودولت کا عام فتنہ ہوا، مال ودولت کی وجہ سے دوسرے اور بھی فتنے ہوتے ہیں، مالدار آدمی اکثر اس کی وجہ سے طرح طرح کی نافرمانیوں کا شکار ہوتا ہے۔ اور اگر کسی قسم کی پریشانی نہ بھی ہو تو یہ مال ودولت اور راحت کی زندگی چند ہی روز کے لیے تو ہے اس کے بعد ہمیشہ ہمیش کے لیے مصیبت وپریشانی۔

مبلغ کے لئے ضروری ہدایت اور تنبیہ

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا:

یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے۔اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ کو اپنے گھر والوں کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔مبلغ کے گھر کا ماحول اگر ٹھیک نہ ہوگا تو اس کی تبلیغ کا اثر نہ ہوگا۔دوسروں کو تو تبلیغ کرتا پھرتا ہے اور خود اس کی اولاد بے نماز ،آزاد،آوارہ ہوتو دوسروں پر اس کی تبلیغ کا کیا اثر ہوگا۔دوسرے ایک بات اور بھی ہے کہ جب تک گھر کا ماحول دینی نہ ہوگا تو خود بھی دین پر قائم رہنا مشکل ہوگا۔گھر کا ماحول دینی ہوتو دین پر جمے رہنا آسان ہوگا۔

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا : یعنی دوسروں کو تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی اس پر ڈٹا رہے۔جما رہے۔یہ نہیں کہ لڑکوں سے ڈنڈا مار کر نماز پڑھوا رہے ہیں اور خود خرّاٹے لے کر سو رہے ہیں،دوسروں کو تبلیغ کرنے کے ساتھ خود بھی اس پر عامل رہے۔

قابل رشک میاں بیوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معمول تھا کہ اپنی بیوی کو رات میں نماز پڑھنے کے لیے جگایا کرتے تھے۔خود بھی نماز پڑھتے اور اپنے اہل سے بھی نماز پڑھواتے ۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شوہر سے خوش ہوتا ہے جو رات کو اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے پھر اپنی بیوی کو بھی جگائے ۔اگر وہ نہ اٹھے تو پانی چھڑک دے ۔اور اللہ تعالیٰ ایسی عورت سے خوش ہوتا ہے جو رات کو اٹھ کر وضو کرے،نماز پڑھے پھر اپنے شوہر کو جگائے اگر نہ اٹھے تو پانی چھڑک دے ۔ایسے میاں بیوی جو دونوں نماز پڑھتے ہوں اللہ ان پر رحم کرتا ہے اور فخر کرتا ہے۔اور ایسے شوہر بیوی دونوں اللہ کی نگاہ

میں محبوب ہوتے ہیں۔اس لیے اس کی بھی عادت ڈالنی چاہئے اور گھر کا ماحول دینی بنانے کی کوشش کرتے رہنی چاہئے۔

تقویٰ کی ضرورت،اہمیت،حقیقت

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی:

اعمال صالحہ کے ساتھ تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ تقویٰ سے اعمال کی حفاظت ہوتی ہے۔جس طریقہ سے خود اعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح اعمال کرنے کے بعد اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے اور اعمال کی حفاظت تقویٰ ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے تقویٰ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو اعمال اس نے کئے ہیں ان اعمال کو غارت ہونے سے بچالے، اگر یہ نہیں کرے گا تو اعمال صالحہ غارت ہو جائیں گے۔ کوئی شخص مال خوب کمائے لیکن اس کی حفاظت نہ کرے سارے نوٹوں میں ماچس لگادے تو ایسے مال سے کیا فائدہ؟ کی کرائی محنت بیکار ہوگی۔ مال کمائے اور اس کی حفاظت بھی کرے تب اس سے فائدہ ہوگا۔اسی طریقہ سے اعمال کرے اور تقویٰ کے ذریعہ اعمال کی حفاظت بھی کرے تب تو اعمال کا فائدہ ہوگا ورنہ سب غارت ہو جائیں گے۔اور تقویٰ کے ذریعہ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ معاصی (گناہوں) سے اجتناب کرے کیونکہ تقویٰ کی حقیقت یہی ہے کہ معاصی سے پرہیز کرے اور معاصی ایسی چیز ہے جو اعمال صالحہ کو برباد کر دیتی ہے۔

تفسیر کی کتابوں کا ادب واحترام

حضرت مدظلہ العالی جس جلالین شریف میں درس دے رہے تھے اتفاق سے اس کی جلد پھٹی ہوئی تھی،حضرت کو سخت ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ اللہ کے بندو! یہ مدرسہ

کی کتاب امانت ہے۔ مدرسہ کی چیزوں کے ساتھ تمہارا یہ حال ہے۔تمہارا کپڑا اگر پھٹ جائے تو اس کو سینے کی فکر ہوتی ہے، بنیائن اور کرتہ پھٹا ہوا نہ ہونا چاہئے، لیکن تفسیر کی کتاب جو اللہ کا کلام ہے اس کی جلد پھٹی ہوئی ہے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں، ذرہ برابر ادب واحترام نہیں، یہی وجہ ہے کہ محرومی ہی محرومی ہے۔ یہی سب باتیں دیکھ کر طبیعت اندر سے کڑھتی ہے۔ایسی حالت میں تم کو کیا پڑھاؤں، بالکل جی نہیں چاہتا۔

افادات درسِ قرآن

سورہ انبیاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات درس قرآن سورۂ انبیاء

حضرت لقمان علیہ السلام اتنے بڑے کیسے بن گئے؟

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ الخ : یعنی جو بات معلوم نہ ہو جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو۔ حضرت لقمان علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے کیسے بن گئے؟ فرمایا کہ مجھ کو جو بات معلوم نہ ہوتی ہے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرتا ہوں، اور اس میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتا، اس چیز نے حضرت لقمان علیہ السلام کو اتنا بڑا بنا دیا، لیکن آج کل اس کی کمی ہے۔

حضرت کی سسرال کا حال

وَمَاجَعَلْنَا هُمْ جَسَداً لَّايَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ : رسول کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کھاتے پیتے نہ ہوں گے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ جیسے آج کل بزرگوں اور مولویوں کے بارے لوگ میں خیال کرتے ہیں کہ ان کو دنیا سے کیا مطلب؟ اس پر حضرت نے اپنی سسرال اور شادی کا قصہ بیان فرمایا کہ جب میری شادی کی بات چیت چلی، میرے خواب وخیال میں نہ تھا کہ وہاں شادی ہوگی۔ کیونکہ وہ تو بہت بڑے آدمی تھے، رہن سہن اور وہاں کی یہاں کی معاشرت میں زمین وآسمان کا فرق تھا، خسر صاحب بہت بڑے آدمی اور بہت سخی، بڑے خوبصورت تھے، شیروانی پہن کر، عمامہ پہن کر نکلتے تو نواب معلوم ہوتے تھے، پورے علاقہ مین ان جیسا کوئی خوبصورت نہ تھا، لکھنؤ میں رہتے تھے، گھر بھی رہتے تھے، زمین بہت کافی تھی، سات سو من غلہ پیدا ہوتا تھا۔ گاڑیوں میں بھر بھر کر غلہ آتا اور ڈلیوں میں بھر بھر کر غریبوں کے گھروں میں بھیجا جاتا تھا، غریب گھر کی لڑکی کی شادی ہوتی تو پورا خرچ اس کا برداشت کرتے، بڑے لوگ تھے

لیکن تھے خاندان کے، جب شادی ہوگئی ایک مرتبہ میری خوش دامن اپنے والدین کے یہاں گئیں، ان سے ایک عورت نے کہا کہ سنا ہے کہ تمہاری لڑکی کی شادی ہوگئی ہے۔ کہاں ہوئی ہے؟ سنا ہے کہ کسی مولوی سے کردی ہے؟ کہا ہاں، کہنے لگی پھر تو لڑکی کی قسمت پھوٹ گئی، پوچھا کیوں پھوٹ گئی، کہنے لگی، سنا ہے کہ مولوی تو عورتوں کی طرف دیکھتے نہیں، اور فقیر اور درویش قسم کے لوگ ہوتے ہیں، دنیاداری سے ان کو کچھ مطلب نہیں ہوتا، میری ساس بہت ہنسی اور ہنس کر مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ بعد میں پھر حالات بدلے غربت آ گئی۔ ''تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا ۔ اَلْمَالُ غَادٍ وَرَاحٍ'': مال ہمیشہ رہنے والا نہیں، یہ تو آنے جانے والا ہے، اس لیے اس پر کبھی غرور نہ کرنا چاہئے۔ (یہ بطور جملہ معترضہ کے تھا)

میں یہ کہہ رہا تھا کہ انبیاء کے بارے میں لوگوں کا یہ تصور تھا کہ نبی کھاتے پیتے نہیں اور یہ محمد ﷺ کیسے نبی ہیں؟ جو کھاتے پیتے ہیں اور شادی بھی کی ہے۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اس کا جواب دیا ہے: وَمَاجَعَلْنَا هُمْ جَسَداً لَّایَاکُلُوْنَ الطَّعَامَ ۔

عبدیت کی فضیلت

بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْن : یعنی وہ فرشتے مکرم بندے ہیں۔ عباد کہہ کر بتلا دیا کہ چونکہ ان کے اندر صفت عبدیت ہے، وہ عباد ہیں اس لیے عنداللہ مکرم ہیں، معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک مکرم وہی ہوگا جس کے اندر عبدیت پائی جائے، جس کے اندر جس درجہ کی عبدیت ہوگی اسی درجہ کا خدا کے یہاں اس کا مقام ہوگا۔ فرشتوں میں عبدیت ہے اس لیے وہ عنداللہ مکرم ہیں، انبیاء میں عبدیت سب سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ سب سے زیادہ مکرم ہوتے ہیں، ہمارے نبی ﷺ کے اندر انبیاء میں سب سے زیادہ عبدیت پائی جاتی تھی اس لیے آپ سب سے زیادہ مکرم ہیں۔

بڑوں کے سامنے لب کشائی بے ادبی ہے

لَايَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ : یعنی فرشتوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے سامنے بولتے نہیں، خاموش کھڑے رہتے ہیں کسی کی سفارش نہیں کرتے، کوئی بات نہیں کرتے، الّا یہ کہ ان کو اجازت دیدی جائے۔

ادب کی بات یہی ہے کہ بڑوں کے سامنے زبان نہیں کھولنا چاہئے، خاموش رہنا چاہئے، بڑوں کے سامنے بک بک کرنا زیادہ بولنا کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ بے ادبی اور حماقت ہے، بعض لوگ بڑوں کے سامنے اور زیادہ بولنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے سامنے اپنی قابلیت اور اپنا علم جتلاتے ہیں، یہ بڑی بے ادبی ہے۔

موت کا ذائقہ اور فکر آخرت

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ :ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت کو ذائقہ فرمایا گیا ہے اور ذائقہ اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی، اسی طرح موت بھی بعض لوگوں کے لیے اچھی ہوگی اور بعض کے لیے بری، اور موت کا اچھا یا برا ہونا انسان کے حالات اور اس کے اعمال کے اعتبار سے ہوگا، اگر اس کی زندگی اللہ ورسول کی اطاعت میں گذری تو اس کی روح آسانی کے ساتھ نکالی جائے گی اور اس کو تکلیف بالکل نہ ہوگی، اس کا استقبال کیا جائے گا اور اس کو مہمان بنا کر لے جایا جائے گا۔ حدیث پاک میں اس کی مثال بھی آئی ہے، ایک حدیث پاک میں ہے کہ مؤمن کی موت کے وقت روح اس طرح آسانی سے نکالی جاتی ہے جیسے گندھے ہوئے آٹے سے عورت بال نکال لیتی ہے کہ اس میں ذرا بھی دشورای اور تکلیف نہیں ہوتی۔

اس کے برخلاف اللہ ورسول کے نافرمان کی موت بدمزہ اور کڑوی ہوتی ہے، اس کی روح سختی سے نکالی جاتی ہے جیسے آنکڑہ کو یا کانٹہ دار لکڑی کو بھیگی روئی میں ڈال کر کھینچا

جائے تو روئی مشقت سے کھنچتی چلی آتی ہے اور تار تار ہو جاتی ہے، اسی طرح اس کی روح بھی سختی اور مشقت سے نکالی جائے گی، موت دونوں کو آئے گی، جائیں گے دونوں لیکن ایک کو استقبال کے ساتھ لے جایا جائے گا اور ایک کو عذاب کی دھمکی دے کر دھتکار کر لے جایا جائے گا، ایک کو مہمان بنا کر لے جایا جائے گا اور ایک کو مجرم بنا کر۔ پولیس کے افسر کے ساتھ مہمان بھی جاتا ہے اور مجرم بھی جاتا ہے، دونوں ہی ساتھ جاتے ہیں لیکن مہمان کا اعزاز واحترام اور اکرام ہوتا ہے، مہمان نوازی ہوتی ہے اور مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالدی جاتی ہیں، ہنٹر پڑتے ہیں، گھسیٹ کر اس کو لے جایا جاتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ : یعنی ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، موت کی تعبیر کچھ اور بھی ہو سکتی تھی، یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ہر نفس کو مرنا ہے، اور ہر ایک کو موت واقع ہو گی لیکن بجائے اس کے یہ تعبیر اختیار فرمائی کہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہ اسی واسطے کہ موت کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے، اچھا بھی، خراب بھی، میٹھا بھی، کڑوا بھی۔

اگر مرنے والے نے موت کی تیاری کی ہے، اس کی زندگی اللہ ورسول کی اطاعت میں گذری ہے تو اس کی موت کا ذائقہ اچھا اور لذیذ ہوگا، اور ایسا شخص موت کا مشتاق ہوگا، اسی واسطے ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ "اَلْمَوْتُ تُحْفَةُ الْمُؤمِنِ" (موت مؤمن کے لئے ایک تحفہ ہے)، اَلْمَوْتُ جَسْرُ الْمُؤمِنِ (موت مانند پل کے ہے) اس کے ذریعہ سے ایک حبیب دوسرے حبیب سے ملاقات کر لیتا ہے، اس سلسلہ میں بزرگوں کے بہت سے واقعات ہیں۔

موت کی تیاری

اللہ کے بندوں نے موت کی تیاری میں پوری زندگی خرچ کی ہے، جس آدمی کو کسی ضروری کام کی فکر اور دھن سوار ہو جائے اس کا کسی اور کام میں جی ہی نہیں لگتا، وہ

ادھر ادھر کے جھمیلوں میں کہاں اپنا وقت ضائع کرتا ہے، اس کو کہاں فرصت کہ مخالفین سے بدلہ لیتا پھرے، وہ تو بس اپنے کام سے کام رکھتا ہے، کام کا آدمی اپنے دو منٹ بھی ضائع نہیں کرتا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی امت کو موت کی طرف توجہ دلاتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی حوض میں جس میں جانوروں کو پانی پلایا جاتا ہے اس میں پلاسٹر کر رہے تھے، حضور ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ''موت اس سے بھی زیادہ قریب ہے''۔ حضور ﷺ نے اپنی امت کو جب کبھی موت کی طرف سے ادنیٰ غفلت اور دنیا کی طرف التفات دیکھا تو فوراً آخرت کی طرف متوجہ فرمایا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کی اہلیہ کا حال

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی بیوی ان کے پیر کی لڑکی تھیں وہ بھی شیخ کی تربیت یافتہ تھیں، اور گھر میں آئے دن مسلسل فاقے ہوتے رہتے تھے، جب کئی کئی دن گذر جاتے اور بہت زیادہ بے چینی ہوتی تو ان کی بیوی فرماتیں کہ اب صبر نہیں ہو رہا، اب بھوک برداشت نہیں ہو رہی، شاہ عبدالقدوس فرماتے، گھبراؤ نہیں! جنت میں ہمارے لیے کھانے تیار ہو رہے ہیں، فرماتیں کہ بس اب صبر ہو گیا، اس ایک جملہ سے ان کی تسلی ہو جاتی تھی، موت کا یہ مراقبہ بہت اچھا ہے، اس کے ذریعہ صبر بھی ہو جاتا ہے، اور جن بزرگوں کو موت سے خوف ہوتا تھا وہ طبعی خوف تھا۔

دیندار اور بددین کی روح قبض ہونے کی کیفیت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ موت کا ایک ذائقہ ہوتا ہے، اس ذائقہ کو چکھنے کے لیے مؤمن ہر وقت تیار رہتا ہے، جیسے ذائقہ والی چیزوں کی لوگ خواہش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاؤ بھئی! کوئی میٹھی چیز لاؤ کھائی جائے، کھانے کے بعد ذائقہ کے لیے کھیر

منگاتے ہیں اور شوق سے کھاتے ہیں۔

الغرض ذائقہ والی چیز کے لوگ خواہش مند ہوتے ہیں، اس کی طرف اشتیاق ہوتا ہے، اسی طرح مؤمن کو ہر وقت موت کا اشتیاق ہوتا ہے کیونکہ موت ان کے لیے ایک تحفہ ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے لیکن یہ ذائقہ اچھا ہونا اسی کے لیے ہوگا جس نے مرنے سے پہلے موت کی تیاری کی ہوگی، ایسے نیک بندوں کی جب روح قبض ہوتی ہے تو وہ خوشی خوشی جاتے ہیں۔ جو فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آتے ہیں وہ یوں ہی نہیں آتے، بڑے ادب واحترام کے ساتھ اچھی شکل میں آکر پہلے دور کھڑے ہوجاتے ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، پوری جماعت کی جماعت ہوتی ہے اور نہایت سکون واطمینان اور آسانی کے ساتھ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں جیسے گندھے ہوئے آٹے سے عورت بال نکال لیتی ہے، زمین سے لیکر آسمان تک فرشتوں کا تانتا لگا رہتا ہے، وہ اس کا استقبال کرتے ہیں اور فرشتے جھپٹتے ہیں ایک چاہتا ہے کہ اس کی روح کو ہم لیکر جائیں، روح آسمان پر پہنچتی ہے اور عرش پر جا کر سجدہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی روح اس کے جسم میں واپس کردو، پھر اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھولی جاتی ہے، پہلے دوزخ کی کھڑکی کھولی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر تمہارے اعمال اچھے نہ ہوتے تو یہ (دوزخ) تمہارا ٹھکانا ہوتا پھر وہ کھڑکی بند کردی جاتی ہے اور جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اب تمہاری جگہ یہ ہے اور قبر اتنی کشادہ کردی جاتی ہے جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے اور وہ اس میں آرام سے سوتا رہتا ہے، اور جنت کا نظارہ کرتا رہتا ہے، اس کے برخلاف کافر، فاسق جس نے موت کی تیاری نہیں کی اس کی روح بڑی شدت سے قبض کی جاتی ہے جیسے بھیگی روئی میں کانٹے دار لکڑی اندر مار کر کھینچی جائے تو وہ آسانی سے نہیں نکلتی بلکہ تار تار ہوکر نکلتی ہے یہ موت کا کڑوا ذائقہ ہوا۔

مالداری اور تنگدستی کے ذریعہ آزمائش، صبر وشکر کی اہمیت اور ناشکری کی مذمت

وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةَ الآية : یعنی ہم تمہاری آزمائش کریں گے خیر اور شر کے ذریعہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، کبھی آزمائش مال دے کر ہوتی ہے کہ اس حال میں میرا بندہ شکر کرتا ہے یا ناشکری، میری اطاعت کرتا ہے یا نافرمانی میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور کبھی آزمائش ہوتی ہے فقر وفاقہ اور تنگدستی کے ذریعہ، اور مؤمن کی تو ہر حالت میں کمائی ہے، اچھے حال میں ہے تو شکر کے ذریعہ اور تنگدستی کے حال میں ہے تو صبر کے ذریعہ، ہر حال میں اس کو اجر ہی ملتا ہے، ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ مؤمن کا عجیب حال ہے کہ ہر حالت میں اپنی کمائی کرلیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحت ہو یا بیماری، فقر وفاقہ ہو یا مالداری اس کا کوئی حال اس سے خالی نہیں جس میں وہ کمائی نہ کرسکتا ہو، فقر وفاقہ اور تنگدستی و بیماری ہو تو صبر کے ذریعہ اور مال وغنا، صحت وتندرستی، تو شکر کے ذریعہ۔

نعمت کی ناقدری

لیکن ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اس راہ سے لینا اور ثواب کمانا جانتے ہی نہیں، اگر مال آیا تو تکبر کرنے لگے، اور اللہ کو بھول گئے، اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنے لگے، لوگوں کے حقوق ضائع کرنے لگے، اللہ نے مال دیا تو سب سے پہلے گھر میں ٹی وی لے آئے، اور عیش وعشرت اور غفلت میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کو بھول گئے۔

اور اگر ذرا کوئی تنگی اور پریشانی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی ناشکری شروع کردی،

بیماری لگ گئی تو جزع فزع کرنے لگے، اور اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے لگے، سال بھر تک اللہ نے صحت مند رکھا کچھ احساس نہیں، اس کے شکر کی توفیق نہیں، ایک دن سر میں درد ہوگیا، کوئی بیماری لاحق ہوگئی بس جزع فزع شروع کردی، سال بھر تک اللہ نے پیٹ بھر کھانا کھلایا ایک دن فاقہ ہوگیا، چند روز تک چٹنی روٹی کھانی پڑگئی، بس شکوہ شکایت کرنے لگے، بے صبری کا ظہور ہونے لگا، ارے صاحب! بڑی تنگدستی ہے، چٹنی روٹی کھاتے کھاتے اکتا گئے، اور سال بھر تک گوشت روٹی سے پیٹ بھرا اس کا ذکر نہیں، اس کو یاد کر کے شکر نہیں کرتے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ : فرمایا تقویٰ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قیامت کا استحضار ہو اور خدا کا خوف پیدا ہو، ان دو باتوں سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے، بعض لوگ تقویٰ حاصل کرتے ہیں دوزخ کے خوف اور عذاب کے ڈر سے، اور بعض لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اللہ کے خوف کی وجہ سے، یعنی اس ڈر سے کہ کہیں ہمارا اللہ ہم سے ناراض نہ ہوجائے۔ دونوں ہی طریقے صحیح ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے تقویٰ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اس کا مقام بہت اونچا ہے، دونوں کے مراتب میں بہت بڑا فرق ہے۔

اسی طرح اعمال صالحہ بعض لوگ جنت کی طلب میں کرتے ہیں اور بعض لوگ اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے، دونوں ہی طریقے صحیح ہیں، لیکن دونوں کے مراتب میں بہت فرق ہے، اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے کام کرنے والے کا مقام بہت اونچا ہے۔

حالات کے بنانے بگاڑنے میں ماحول اور رسم ورواج کو بڑا دخل ہے

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَ نَا : مشرکین کو جب توحید کی دعوت دی گئی اور متعدد معبودوں کو چھوڑ کر صرف معبود حقیقی کی تبلیغ کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم ان معبودوں کو کیسے چھوڑ دیں؟ اور اس طریقہ کو ہم کیسے ختم کر دیں؟ یہ تو ہمارے آباء واجداد کا پرانا طریقہ ہے جس پر ہم نے ان کو پایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ماحول کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے، گھر کے بڑے جس کام کو کرتے ہیں اسی کا رواج ہو جاتا ہے، اور ویسا ہی ماحول بن جاتا ہے، اور آنے والی بعد کی نسلیں اسی کو اپناتی ہیں، یہ اس ماحول اور رواج ہی کا تو اثر تھا جو ان لوگوں میں ان کے آباء واجداد سے منتقل ہو کر آیا تھا۔

اب ہر شخص دیکھ لے کہ وہ کس ماحول میں رہ رہا ہے؟ اس کے احباب کیسے ہیں؟ کس ماحول میں اس کی زندگی گذر رہی ہے اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے کون سا ماحول چھوڑ کر جا رہا ہے۔؟؟؟

دوسروں کی ہدایت وتبلیغ کی کوشش محض اللہ کا فضل وانعام ہے

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ : اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کو احسان وانعام کے موقع میں بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو یعنی انبیاء علیہم السلام کو ہدایت کا امام بنایا، ان سے ہدایت کا کام لیا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام اور اس کا فضل ہے، ہر ایک کو اس کی توفیق نہیں ہوتی، اللہ کے مخصوص بندے ہوتے ہیں جن کے اندر یہ جذبہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو ہدایت ہو جائے، لوگوں کی اصلاح ہو جائے، ہر ایک کے دل میں یہ بات نہیں

آتی کہ لوگوں کو اچھائی کی طرف بلائے اور چلائے، برائی سے روکے اور برے کاموں کو دور کرے، اس کی توفیق ہو جانا اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے، اس کے حاصل کرنے کی بھی کوشش کرنا چاہیئے، لوگوں کو نماز کے لیے جگانا، اور نماز کے لئے بلانا یہ بھی امر بالمعروف ہے، آخر اس کو کیوں نہیں کرتے؟

اسی طرح جن لوگوں میں لڑائی ہو جائے ان کے درمیان صلح کرانا یہ بھی بہت بڑا کام ہے، ہر ایک کو اس کی توفیق نہیں ہوتی اور جن کو توفیق ہو جائے اس پر اللہ کا بڑا فضل واحسان ہے، اس کام کو بھی کرنا چاہیئے۔

فیصلہ کے مقابلہ میں صلح کرانا زیادہ بہتر ہے

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمَان :

حضرت داؤد وسلیمان علیہا السلام کا قضیہ معروف ومشہور ہے، پورا واقعہ تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے، وہ واقعہ اس طرح ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں ایک شخص بکریوں والا، دوسرا کھیتی والا تھا، کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا، کچھ نہیں چھوڑا۔

داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلوادیں اور اصل قانون شرعی کا یہی مقتضٰی تھا، جس میں مدعی یا مدعی علیہ کی رضا شرط نہیں، مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا، اس لیے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے (جو کہ موقوف تھی جانبین کی رضامندی پر اور جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی) یہ صورت تجویز فرمائی کہ چند روز کے لیے بکریاں تو کھیت والے کو دی جائیں کہ ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گذر کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا

جاوے کہ اس کی خدمت آبپاشی وغیرہ کرے جب کھیت پہلی حالت پر آجاوے کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جاویں۔اس سے معلوم ہوگیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔

(معارف القرآن)

جس قضیہ کی بابت حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام میں آپس میں اختلاف ہوا تھا وہ درحقیقت اختلاف نہیں تھا، ایسا نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ صحیح اور داؤد علیہ السلام کا فیصلہ غلط تھا۔ بلکہ اصل بات یہ تھی کہ داؤد علیہ السلام نے شرعی فیصلہ فرمایا تھا جو برحق تھا اور سلیمان علیہ السلام نے بجائے فیصلہ کے صلح کی صورت اختیار فرمائی تھی۔ اور باہمی اتحاد ومصالحت کی راہ بتلائی تھی، یہ فتویٰ اور فیصلہ نہیں تھا، اس لئے داؤد وسلیمان علیہما السلام دونوں ہی کا فرمان صحیح تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا'' فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمَانَ ''یعنی ہم نے سلیمان کو فہم نصیب فرمایا جنہوں نے بجائے فیصلہ کے صلح کی صورت اختیار فرمائی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کے مقابلہ میں صلح کرانا زیادہ بہتر ہے، قرآن پاک میں بھی اس کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے '':فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا''، یعنی باہم صلح کرادیا کرو، اور ایک جگہ ارشاد ہے ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ''، یعنی صلح کرانا بہتر ہے، اگرچہ یہ خاص موقع کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے لیکن قاعدہ ہے کہ ''اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ الْاَلْفَاظِ لَالِخُصُوْصِ الْمَوَارِدِ'' کہ خاص موقع کا اعتبار نہیں بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس لئے اصولی بات یہی ہے کہ صلح کرانا زیادہ بہتر ہے، اس لئے حتی الامکان صلح کرانے کی کوشش کرنا چاہئے، جب صلح کی صورت نہ بن سکے تو فیصلہ کرنا چاہئے الحمدللہ میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہوں۔

باہم صلح کے فوائد

وجہ اس کی یہ ہے کہ فیصلہ کرنے میں فریقین کے دل بگڑ جاتے ہیں کیونکہ فیصلہ تو کسی کے موافق ہوگا اور کسی کے مخالف ہوگا، جس کے مخالف ہوگا اس کا منھ بگڑے گا، لامحالہ جھگڑا پیدا ہوگا، ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہوگی، نقصان ہوگا، دشمنی قائم ہوگی، طرح طرح کے فتنے کھڑے ہوں گے، اس سے جھگڑا ختم نہیں ہوتا بلکہ اور جھگڑا بڑھ جاتا ہے، اور صلح کرانے میں جھگڑا ختم ہوجاتا ہے کیونکہ صلح میں فریقین کی باہمی رضامندی سے ایک بات طے کی جاتی ہے، اِس کو بھی راضی کیا جاتا ہے اُس کو بھی راضی کیا جاتا ہے، اور دونوں کو تھوڑا تھوڑا دبایا جاتا ہے، اس سے جھگڑا ختم ہوجاتا ہے اور صلح ہوجاتی ہے، اس لیے حتی الامکان بجائے فیصلہ کے صلح کرانے ہی کی کوشش کرنا چاہئے۔

مصالحت کی کوشش برابر کرتے رہنا چاہئے

فرمایا قرآن پاک میں دوسرے لوگوں کے درمیان جس میں اختلاف ہوجائے صلح کرانے کا حکم دیا گیا اور اس کی کوئی حد نہیں بیان کی گئی ہے، کسی مدت کی تعیین نہیں کی گئی ہے اس لئے برابر صلح کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اور ہمیشہ اس کی فکر رہنا چاہئے، یہ نہیں کہ ایک دوبار کہہ دیا اور مطمئن ہوکر بیٹھ گئے کہ کیا کریں؟ یہ لوگ مانتے نہیں، ایک بار کوشش کرلی حجت پوری ہوگئی، اب صلح نہیں ہوتی تو کیا کیا جائے؟ حجت پوری کرنا مقصود نہیں ہے، مقصود تو صلح کرانا ہے وہ ایک بار میں ہو تو ایک بار میں ورنہ جتنے بار میں صلح ہوا تنے بار کوشش کرنا چاہئے محض ایک دوبار کہہ دینے سے کام نہ چلے گا بلکہ برابر کوشش کرتے رہنا چاہئے، کوئی مانے نہ مانے ہم کو تو اجر ملے گا۔ (لیکن اتنا پیچھے نہ پڑے کہ خود غرضی کی شبہ ہونے لگے یا ضد اور عناد پیدا ہوجائے۔ مرتب)

صلح ہوجانے کا بڑا فائدہ

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ : اس میں صلح کا فائدہ اور ثمرہ بتلایا گیا ہے کہ جب صلح ہوجائے گی تو اللہ کی طرف سے تم پر رحم کیا جائے گا، تم پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی، اور جب اختلاف وانتشار ہوگا تو اللہ کی رحمت اٹھ جائے گی، بے برکتی ہوگی، فتنوں کا نزول ہوگا، آج سارا رونا اور ساری مصیبت اسی کی ہے، باہمی اختلاف کی وجہ سے ہم اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم ہیں۔

اپنے چھوٹوں کی بات تسلیم کرنے میں عار نہ ہونا چاہئے

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے واقعہ سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر اپنا چھوٹا بھی کوئی صحیح بات کہے تو اس کو تسلیم کر لینا چاہئے، اس کے تسلیم کرنے میں عار نہ ہونا چاہئے، جیسے اس واقعہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے سلیمان علیہ السلام کی بات تسلیم کر لی، حالانکہ داؤد علیہ السلام بڑے تھے۔ استاذ کو چاہئے کہ اگر شاگرد کوئی صحیح بات کہہ رہا ہے تو اس کو تسلیم کر لے، اس میں کوئی شرم اور ہیٹی کی بات نہیں، بلکہ چھوٹوں کو اور زیادہ اعتماد ہوجاتا ہے کہ ہمارے استاد جو بات کہتے ہیں بالکل صحیح کہتے ہیں، غلط نہیں بتلاتے، اگر غلطی ہوجائے فوراً رجوع کر لیتے ہیں، اس میں عزت گھٹتی نہیں بلکہ اور عزت بڑھ جاتی ہے۔

دینی مدارس کے سرپرست واہل شوریٰ

اور بڑوں کی ذمہ داری

اگر کسی مدرسہ میں اختلاف ہوجائے تو مدرسہ کے سرپرست واہل شوریٰ کی ذمہ داری ہے کہ ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں، اگر جیسی کوشش ہونی چاہئے

اخلاص کے ساتھ کی جائے تو کامیابی ہوجاتی ہے مگر ہم ایسا نہیں کرتے، کسی فریق کے ہمنوا بن جاتے ہیں، اس لئے صلح نہیں ہو پاتی۔

صلح کرانے کا طریقہ

وَاتَّقُوْا اللّٰهَ : یعنی صلح کراتے ہوئے اللہ سے ڈرتے رہو، اس میں صلح کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ صلح کے وقت اللہ کا ڈر بھی ہو یعنی کسی ایک فریق کی طرف جھکاؤ اور اس کی حمایت وطرفداری نہ ہو، بلکہ اعتدال وانصاف سے اللہ سے ڈرتے ہوئے صلح کی کوشش کرو ورنہ ظاہر میں تو صلح ہوگی اور باطن میں فساد ہوگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ مقام کیسے نصیب ہوا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حالت یہ تھی کہ جنات بھی ان کے تابع، ہوا بھی ان کے تابع، جناتوں، انسانوں سب پر ان کی حکومت تھی۔ اللہ نے ان کو یہ مقام کیسے نصیب فرمایا؟ اس کا بھی ایک واقعہ ہے، اللہ نے ان کو بہت سے گھوڑے دیئے تھے، گھوڑے ان کی نماز چھوٹنے کا ذریعہ بن گئے، جیسا کہ تفسیر کی کتابوں میں اس کی تفصیل ہے، اس پر ان کو بے حد افسوس ہوا، اور سارے گھوڑے اس کی وجہ سے قربان کردیئے تاکہ آئندہ کبھی نماز نہ چھوٹے، اللہ کو یہ ادا پسند آگئی۔ جب اللہ کی رضا پیش نظر ہوتی ہے اس وقت تاویلیں نہیں سوجھتیں، اللہ نے فرمایا: تم نے ہمارے واسطے گھوڑے قربان کیے ہم نے تمہارے واسطے اس سے اچھی سواری کا انتظام کردیا اور ہوا کو تمہارے تابع کردیا، اللہ کے واسطے جو قربانی کرتا ہے اللہ پاک اس کو بدلہ عطا فرماتے ہیں۔

نشاط حاصل کرنے کے لئے اجتماعی ذکر کرنا

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ : یعنی ہم نے حضرت داؤد

علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندوں کو مسخر کردیا جو تسبیح کرتے تھے، یوں تو اللہ تعالی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے چنانچہ قرآن پاک میں آیا ہے "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" (بنی اسرائیل ۴۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے، لیکن داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالی نے یہ خصوصیت فرمائی تھی کہ پہاڑ ان کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اس طرح کہ لوگ اس کو سن بھی سکتے تھے ایک سماسا بندھ جاتا تھا، اور بڑا اچھا منظر ہوتا تھا، اس سے ذکر کا ماحول بن جاتا تھا، یہ بطور معجزہ کے تھا۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ تنہا ذکر وعبادت میں (عام لوگوں کا) جی کم لگتا ہے اور جب دوسرے لوگ شریک ہوں تو اس میں نشاط پیدا ہوتا ہے اور ذکر میں خوب جی لگتا ہے، اس لئے اللہ تعالی نے داؤد علیہ لسلام کے لئے یہ صورت پیدا فرمادی تھی۔

کبھی طبیعت میں تکدر اور انقباض ہوتا ہے، قبض کی کیفیت طاری ہوتی ہے، ایسی حالت میں نہ عبادت میں جی لگتا ہے، نہ ذکر میں جی لگتا ہے، ایسے وقت بطور علاج کے نشاط حاصل کرنے کے واسطے کبھی اجتماعی ذکر کرلیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی گنجائش ہے، اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے، یہ تو ایک علاج ہے جیسے جسمانی ڈاکٹر کے پاس علاج کرایا جاتا ہے اور اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا، یہ بھی ایک روحانی علاج ہے، یہ بھی بدعت نہ ہوگا۔

قبض دور کرنے اور نشاط پیدا کرنے کے واسطے کوئی بھی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے بشرطیکہ حدود شرع کے اندر ہو، لیکن یہ بطور علاج کے ہوگا جو عارضی ہوگا اس کو مقصود بنا کر ہمیشہ اس کا معمول بنانے میں مفاسد ہیں، اب اگر کوئی نشاط حاصل کرنے کے واسطے ناچ گانا کرانے لگے، بغل میں عورت کو بٹھانے لگے تاکہ اس سے نشاط پیدا ہو اور ذکر میں خوب جی لگے تو کیا اس کو بھی جائز کہا جائے گا؟ جواز اسی وقت تک ہے جب تک حدود شرع کے اندر ہو۔

سماع اور قوالی

بعض بزرگوں میں سماع اور قوالی (بلا مزامیر) کا رواج نشاط پیدا کرنے ہی کی وجہ سے چلا تھا، انہوں نے قبض دور کرنے کی مختلف تدبیریں اختیار کیں، یہ بھی ایک تدبیر تھی، اس کے بھی شرائط تھے کہ جو اشعار پڑھے جائیں اس کے مضامین درست ہوں، پڑھنے والا مرد ہو، امرد یا عورت نہ ہو، باجہ وغیرہ نہ ہو، ان شرائط کے بغیر جیسا کہ آج کل لوگوں نے غلو کر رکھا ہے گانے باجے کے ساتھ سماع ہوتا ہے اور بدکردار لوگ اولیاء اللہ سے محبت کا ڈھونگ کرتے ہیں، یہ سراسر ناجائز اور حرام ہے۔

دعوت وتبلیغ میں جان پیدا ہوتی ہے مخلوق کی خدمت سے

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَكُم : داؤد علیہ السلام پیغمبر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھلائی تھی، وہ لوہے کی زرہ بنایا کرتے تھے، غور کرنے کی بات ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر سے اللہ تعالی نے یہ کام کیوں کرایا؟ نبی کا اصل کام تو دعوت وتبلیغ ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالی نے ان سے یہ کام کرایا، وجہ اس کی یہ ہے کہ مخلوق کی خدمت کرنا، اور ان کی نفع رسانی کا انتظام کرنا یہ خود ایک مہتم بالشان کام ہے، اور دعوت وتبلیغ میں اس کو بھی بڑا دخل ہے، دعوت میں جان پیدا ہوتی ہے مخلوق کی خدمت سے، جب تک مخلوق کو نفع پہونچا کر ان کا دل نہ جیت لیا جائے اس وقت تک دعوت میں جان نہیں پیدا ہوتی، جب مخلوق کی خدمت کروگے، ان کو نفع پہونچاؤگے، تب وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں گے، تمہاری بات سنیں گے، ورنہ اس کے بغیر لوگوں کے دلوں میں تمہارے کلام کی وقعت نہ ہوگی اور وہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہوں گے، پہلے لوگوں کے دل جیتو، تب جاکر تمہاری بات اثر انداز ہوگی، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام سے اس قسم کے کام کروائے، تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے اور اپنے لئے روزی

کا انتظام ہو، انبیاء علیہم السلام نے اپنا بوجھ کسی پر نہیں ڈالا۔

دین کا کام کرنا ہے تو لوگوں سے ربط رکھنا پڑے گا

لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ سفر کم کیا کرو، لیکن اگر سفر نہ کروں تو کام کیسے بنے، لوگ قریب کیسے ہوں، لوگوں کا مزاج بنا ہوا ہے کہ اپنے نفع کو دیکھتے ہیں، اگر ان کو اپنا نفع معلوم ہوتا ہے تب تو قریب ہوتے ہیں ورنہ پاس نہیں پھٹکتے۔

اگر دین کا کام کرنا ہے تو لوگوں سے ملنا پڑے گا، ربط ضبط رکھنا پڑے گا، ان کی غمی وخوشی میں شریک ہونا پڑے گا، تب جا کر کہیں کام ہوگا۔ عیش وعشرت کے ساتھ گھر میں بیٹھے بیٹھے کام نہیں ہوتا، اگر کچھ کام کرنا ہے تو پہلے اس کے لئے تیار ہو جاؤ، جب ہم کسی کے کام نہ آئیں گے تو وہ ہماری بات کیوں سنے گا؟

تجارت کس نیت سے کرنا چاہئے؟

لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡ بَأۡسِكُمۡ :

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کا اصل مقصود تجارت سے یہ ہونا چاہئے کہ لوگوں کو اس کی ذات سے اور اس کی تجارت سے نفع ہو۔ لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں، اور باقی تجارت میں اپنا تو فائدہ ہوتا ہی ہے لیکن نیت یہ کر لینا چاہئے کہ میری تجارت سے مخلوق کو نفع ہوگا۔

فرمایا میں بھی شروع میں تجارت کیا کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں لیکن تم لوگوں کو معلوم نہیں، تجارت میں میں نے ہر چیز بیچی ہے، دری، چپل جوتے، کپڑے وغیرہ کی تجارت کی ہے، باندا سے جب آتا تھا، آلو سبزی وغیرہ لے آتا تھا اور باندا ہی کے بھاؤ، یہاں بیچ دیتا تھا اسی نیت سے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو جائے، لوگ پریشان نہ ہوں، لوگوں

کو آرام تو ہوتا ہی تھا لیکن مجھے بھی نفع ہوتا تھا اور کھانے بھر کے تو آلو خوب بچ جاتے تھے، مجھے تو اسی وقت سے تجربہ ہے کہ تجارت میں خوب برکت ہوتی ہے لیکن لوگ تو لوٹتے ہیں، دو گنا نفع لیتے ہیں۔

تجارت کرے تو سچائی، امانت داری کے ساتھ کرنا چاہئے، حدیث پاک میں سچے تاجر کی بڑی فضیلت آئی ہے، ارشاد ہے ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ ''الخ یعنی سچے تاجر کا حشر انبیاء وصدیقین کے ساتھ ہوگا، لیکن تاجر اسے کہتے ہیں جس میں جھوٹ نہ ہو، سچائی وامانت داری ہو، دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتا ہو، مخلوق کو نفع پہنچانے کی نیت ہو۔

جمعیۃ الاسعاف کی شرکت

فرمایا سہارنپور میں طلبہ کی ایک جماعت بنی تھی جس کا نام ''جمعیۃ الاسعاف'' تھا مولانا ظریف احمد صاحب اس کے ذمہ دار تھے۔ ہم لوگ پانچ چھ ساتھی (گویا اس جماعت کے ارکان تھے جو) اس میں شریک تھے، اس جماعت کا کام اور مقصد صرف یہ تھا کہ سب لوگ مل کر اکٹھا کوئی سامان خرید لاتے اور طلبہ کو سستا سامان فروخت کرتے، تجارت میں اپنا نفع مقصود نہ تھا بلکہ طلبہ کی سہولت، رعایت اور ان کی خدمت مقصود تھی۔ اس وقت مٹی کا تیل بہت گراں تھا اور ضرورت بھی اس کی بہت پیش آتی تھی اس لیے اکثر مٹی کا تیل ہی لاتے تھے، طلبہ کو سہولت وآرام پہنچانے کی ایک صورت اختیار کی تھی، اللہ کسی کو توفیق دے تو اس طرح کے بھی کام کر لے۔

ہاتھ میں پیسہ رکنے کی آسان تدبیر

سبق ختم ہو جانے کے بعد ایک صاحب تعویذ کے لئے درجہ ہی میں تشریف

لے آئے اور عرض کیا کہ حضرت خیر و برکت کا تعویذ دے دیجئے تا کہ پیسہ ہمارے ہاتھ میں رکے، میرے ہاتھ میں پیسہ رکتا نہیں سب ختم ہو جاتا ہے، ایسا تعویذ دیجئے کہ خوب پیسہ رکے اور برکت ہو، حضرت نے فرمایا: کیا ہر چیز کا تعویذ ہی ہوتا ہے، آپ کا پیسہ کیا خود بھاگ جاتا ہے، یا آپ روکتے ہیں لیکن پھر بھی وہ نکل کر دوڑ کر چلا جاتا ہے، پیسہ تو آپ کے قبضہ اور آپ کے اختیار میں ہے آپ روکیں گے تو رکے گا، خرچ کریں گے تو ختم ہو جائے گا، آپ خود ہی نہیں روکتے خرچ کم کیجئے، فضول خرچی نہ کیجئے، پیسہ جوڑ کر رکھئے پھر دیکھئے پیسہ رکتا ہے یا نہیں، پیسہ تو آپ خود خرچ کریں اور تعویذ مانگیں پیسہ رکنے کا تو تعویذ بیچارہ کیا کرے گا۔ اگر آپ کے خرچ کی عادت ہے تو پیسے اپنے پاس نہ رکھیے بیوی کے ہاتھ میں دے دیجئے تا کہ وہ جوڑ جوڑ کر رکھے، وہ بہت حفاظت سے پیسے جوڑ کر بکس کے اندر تالے میں بند کر کے رکھے گی اور کہے گی کہ چابی کھوگئی۔ پھر دیکھو پیسے رکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد حضرت نے ایک تعویذ عنایت فرد یا۔

حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی بیوی کے صبر کا قصہ

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرح سے نوازا تھا، مال و دولت اولاد و جائیداد سب ہی کچھ دیا تھا، پانچ سو جوڑے بیل تھے، اسی سے اندازہ لگاؤ کہ کتنا غلہ پیدا ہوتا ہوگا، لیکن اللہ کی طرف سے آزمائش ہوئی اور ایک ایک کر کے سب ختم ہو گئے، سارے جانور مر گئے، لڑکے مر گئے، اور خود بھی بیماری میں مبتلا ہو گئے، لوگوں نے ساتھ چھوڑ دیا، رشتہ دار اور خاندان والوں نے بھی نکال دیا، لوگ ان کو دیکھ کر دور بھاگنے لگے، اب کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا، ان کی بیوی جن کا نام لیّا تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی پوتی تھیں بے چاری بڑی پریشان تھیں، سخت

مصیبت کا شکار ہوگئیں، ان کا حال یہ تھا کہ اپنے شوہر کی تیمارداری کرتیں، کسی طرح محنت مزدوری کر کے جوڑ توڑ لگا کر اپنے شوہر کی خدمت کرتی تھیں، غور کرنے کی بات ہے کہ نبی کی بیوی اور نبی کی پوتی کس سخت مصیبت اور آزمائش میں مبتلا ہوئیں۔

ایسے حال میں لوگوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا کہ اپنے اللہ سے دعاء کریئے کہ اللہ تعالی شفاء نصیب فرمادے، فرمایا میرا اللہ مجھے جس حال میں رکھے میرے لئے وہی حال بہتر ہے، جس اللہ نے ستر سال عیش وعشرت اور آرام کے نصیب فرمائے، اگر چند سال مصیبت اور بیماری کے گذر جائیں تو کیا بے صبری کروں؟ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری اور مصیبت کے اٹھارہ سال اسی طرح گذار دیئے، اور ایک جملہ ناشکری اور شکایت کا زبان پر نہیں لائے۔

اس کے بعد جب اللہ تعالی کی طرف سے اشارہ پایا تو ایوب علیہ السلام نے ان الفاظ سے دعا فرمائی رَبِّ!... اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ. اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول فرمالی، اس سے دعا کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت زدہ کو اس طرح دعا کرنا چاہیے، الغرض ایوب علیہ السلام نے جب یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا اپنی ایڑی رگڑو، چنانچہ ایوب علیہ السلام نے ایڑی رگڑی جس سے ایک چشمہ پھوٹا اللہ کے حکم سے، اسی پانی سے حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل فرمایا اور بالکل صحت مند، چنگے اور پہلے سے زیادہ حسین وجمیل اور خوبصورت ہوگئے، ان کی بیوی اس وقت محنت ومزدوری کے لئے کہیں گئی ہوئی تھیں، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ وہاں اور تو کوئی نہیں ایک دوسرا شخص انتہائی حسین وجمیل کپڑے پہنے ہوئے بیٹھا ہے، انہوں نے سوچا کہ ہمارے مریض کو کوئی جانور وغیرہ کھا گیا ہے، بڑے افسوس کے ساتھ انہیں سے پوچھا کہ یہاں ایک مریض پڑا ہوا تھا آپ نے دیکھا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہاں ہے؟ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا کہ وہ میں ہی تو ہوں، انہوں نے کہا

کہ اللہ کے بندے! میں بے کس مجبور عورت ہوں، کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہو؟ معلوم ہو تو بتلا دو! انہوں نے فرمایا کہ واقعی میں ہوں، اور پورا قصہ سنایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی تھی اس نے چشمہ جاری کر دیا اور اس نے مجھے صحت دیدی، اب تو پھر خوشی کی لہر دوڑ گئی، اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور شکر ادا کیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو بھی پہلے سے زیادہ حسین وجمیل اور نوجوان بنا دیا، اور پھر اولاد ہوئی اور جتنے جانور مر گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس سے کہیں زائد جانور عطا فرمائے، جائیداد، باغ سب کچھ دیا، اور پہلے سے زیادہ اور اچھا دیا۔

صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے

صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کسی پر کوئی مصیبت نازل کر دیں، تنگی وپریشانی میں مبتلا کر دیں تو گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ صبر کرنا چاہئے، صبر کا بدلہ ہمیشہ بہتر ملتا ہے، لیکن ہمارا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ذرا کوئی پریشانی ہوئی، سر میں درد شروع ہوا فوراً بے صبری کرنے لگتے ہیں، حضرت ایوب علیہ السلام نے ۱۸/ برس تک اسی بیماری میں گذارے ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو ان دو حالتوں میں کون سی حالت زیادہ پسند تھی؟ فرمایا مجھے بیماری والی حالت زیادہ پسند تھی، ایسے حال میں جب اللہ تعالیٰ پوچھتا تھا کہ ایوب کیا حال ہے؟ اس میں ایسی مستی ہوتی تھی کہ سب کچھ بھول جاتا تھا، کسی عاشق کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے، اس کو اس کے علاوہ اور کیا چاہئے کہ محبوب محبت بھری نگاہ سے اس کو دیکھ لے، کرم کی نظر فرما دے، اس سے بات کر لے، اس کے لئے یہی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے، اس لئے ایوب علیہ السلام نے مصیبت اور بیماری والی حالت کو زیادہ پسند فرمایا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصیبت اور

پریشانی کے وقت بھی اپنے اللہ کو بھول نہ جائے ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے، ایسا نہیں کہ خوشحالی میں تو خوب عبادت کی اور تنگدستی میں مصیبت کے وقت سب ختم کردی، ایسے وقت میں تو اور زیادہ عبادت کرنی چاہئے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پریشانی اور مصیبت دور کردیتا ہے۔

صبر وشکر حاصل ہونے کی تدبیر اور مراقبہ

انسان کی کیسی بھی حالت ہو عیش وعشرت کی یا غربت اور تنگدستی کی، ہر حال میں اس کو یہ مراقبہ کرنا چاہئے کہ ہم کو خدا کے یہاں جانا ہے۔ اللہ کو منھ دکھانا ہے تو اس طرح بن کر جائیں کہ اس دربار سے کہیں دھتکار نہ دیئے جائیں، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ مالداری میں ناشکری نہ ہو اور مصیبت وپریشانی کے وقت میں جزع فزع نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی وخوش رہے، جس حال میں بھی اللہ رکھے وہی حال بہتر ہے۔

مصیبت کے وقت عافیت کی دعا کرنا صبر کے خلاف نہیں

حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مصیبت اور پریشانی کے وقت مصیبت کے دور ہونے اور عافیت کی دعا کرنا صبر وتوکل کے خلاف نہیں، چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرَّاحِمِیۡنَ. (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا ”اِنَّا وَجَدۡنَاہُ صَابِرًا“ کہ ہم نے ان کو صبر کرنے والا پایا، مصیبت دور ہونے کی دعا کرنا اگر صبر کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ ”اِنَّا وَجَدۡنَاہُ صَابِرًا“ نہ فرماتے۔

بیماری اور تنگی کے ذریعہ نیک بندوں کی آزمائش

وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ :

اس واقعہ میں عابدین کے واسطے نصیحت ہے ان کو اس سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اتنے بڑے پیغمبر عابد وزاہد! لیکن ان سب کے باوجود عبادت کرنے والوں کو تیار رہنا چاہئے کہ اگر کبھی ہم پر بھی ایسے حالات پیش آجائیں، ہم پر بھی کوئی مصیبت اور بیماری آجائے تو صبر وہمت سے کام لیں گے، اس کی دعا اور تمنا تو نہ کریں، دعا تو عافیت ہی کی کریں، لیکن اگر ایسے حالات پیش آجائیں تو صبر سے کام لیں، کیونکہ کبھی اس طرح بھی آزمائش ہوتی ہے، اور اس راہ سے بھی بہت ترقی ہوتی ہے، عیش وراحت کی زندگی میں عبادت کرنا اتنا بڑا کمال نہیں ہے، کیونکہ اس میں صبر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور صبر کے بغیر تو کمال حاصل ہی نہیں ہوتا، بلکہ عبادت میں جان نہیں پیدا ہوتی جب تک کہ صبر حاصل نہ ہو، جب صبر پیدا ہوتا ہے تب ہی عبادت میں جان اور روح پیدا ہوتی ہے، محض عبادت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی بیماری وپریشانی بھی ساتھ نہ لگی ہو، ترقی اسی سے ہوتی ہے، اسی لئے اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی دکھ، بیماری، مصیبت، پریشانی لگی رہتی ہے، ایک چھوٹتی ہے دوسری لگ جاتی ہے، کیونکہ عیش وعشرت اور راحت کے ساتھ جو عبادت ہوتی ہے اس میں وہ انابت نہیں ہوتی جو انابت مصیبت وپریشانی کے ساتھ عبادت میں ہوتی ہے جب کوئی پریشانی، تنگی آتی ہے تو دل سے اللہ کی طرف انابت ہوتی ہے، دعا کی توفیق ہوتی ہے، قلب میں وارفتگی و انکساری پائی جاتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے اَنَا عِنْدَ مُنْكَسِرَةِ الْقُلُوْبِ. میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہوتا ہوں یہ صفت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی مصیبت یا بیماری

آتی ہے۔اسی وقت قلب میں تواضع اور انکساری کی صفت پیدا ہوتی ہے۔اور ہر وقت اللہ کی طرف انابت ہوتی ہے اور اسی سے ترقی ہوتی ہے،اس کے بغیر ترقی نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات مصیبتوں اور بیماریوں پر صبر کرنے سے جتنی ترقی ہوتی ہے اتنی ترقی برسہا برس کے مجاہدے کے بعد بھی نہیں ہوتی۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے اونچا مقام تجویز کرتا ہے لیکن اس کی عبادت اور اس کے اعمال اس درجہ کے ہوتے نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو مصیبتوں اور بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس طریقہ سے اس کے درجات کو بلند کرتا ہے،حتیٰ کہ بسا اوقات مرتے وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور مرتے وقت اس کو وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے۔

اور اگر کوئی مقام اور درجات کی ترقی نصیب نہ بھی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے واسطے ایک حالت تجویز کر دی ہے ہم کو اس پر صبر کرنا چاہئے، دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن بے صبری اور ناشکری نہ ہو، جزع فزع نہ ہو، حکایت شکایت نہ ہو، بلکہ اللہ کی طرف انابت ہو، انکساری ہو، دعا ہو، یہی چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، جو چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اللہ کے محبوب کو بھی محبوب ہیں وہ ہم کو بھی محبوب ہونا چاہئے۔

صبر کا ثمرہ مقبولیت ہے

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ: انبیاء علیہم السلام اور جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے۔جن کو اتنا اونچا اور بلند مقام نصیب ہوا ،وہ کیوں ملا؟ان کے اندر اوصاف تو بہت سے ہونگے ،لیکن نمایاں وصف جسکی وجہ سے اللہ نے ان کو یہ مقام نصیب فرمایا وہ صبر ہی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے ،اس سے معلوم ہوا کہ نیک بننے اور اللہ کے یہاں مقبولیت حاصل کرنے میں صبر کو بہت بڑا دخل ہے۔

صبر کی تعریف

صبر کہتے ہیں نفس کے خلاف مجاہدہ کرنے کو، یعنی اپنے نفس کو معصیت سے ہٹانا اور طاعت پر جمانا یہ صبر ہے، معصیت اچھی لگتی ہے اس سے رکے رہنا اور اس پر صبر کرنا، اسی طرح طاعت نہیں اچھی لگتی، جی نہیں چاہتا پھر بھی اس کو کرنا یعنی نفس کے خلاف کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر جو بھی حالات آئیں اس پر صبر کرنا یہی صبر ہے۔

شاہ ابوالمعالیؒ کے ایک مرید کے فقر و صبر کا واقعہ

شاہ ابوالمعالیؒ کے ایک مرید کا قصہ ہے کہ ان کے یہاں آئے دن فاقہ ہوا کرتا تھا اور بچوں کی تربیت انہوں نے ایسی کی تھی کہ جب کبھی فاقہ ہوتا تو بچے کہتے تھے کہ آج ہمارے یہاں مہمان آئے ہیں، فقر و فاقہ کو مہمان کہتے تھے، بچوں کے ذہن میں جو بات بٹھادی جائے جیسی تربیت کردی جائے ویسے بن جاتے ہیں اور اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں، اسی تربیت کا اثر تھا کہ جب کافی دن ہوجاتے اور فاقہ نہ ہوتا تو بچے کہتے کہ اماں جان! بہت دنوں سے مہمان نہیں آئے، شاہ ابوالمعالیؒ کے مرید نے اپنے گھر میں پوچھا کہ بہت دنوں سے دونوں وقت پابندی سے کھانا مل رہا ہے، کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن آپ کے پیر صاحب تشریف لائے تھے اور کھانے کیلئے کچھ تھا نہیں، محلّہ سے ادھار مانگا وہاں سے بھی نہ ملا، پیر صاحب سمجھ گئے کہ گھر میں کچھ ہے نہیں، تنگی و پریشانی ہے، خود ہی ایک روپیہ نکال کر اس کا آٹا منگایا اور گھر پہنچادیا اور ایک تعویذ لکھ کر دیا کہ اس تعویذ کو برتن میں رکھ دیں جب سے تعویذ رکھا ہے آٹا ختم ہی نہیں ہوتا، برابر کھانا پکتا ہے، لیکن اس سے کم نہیں ہوتا، مرید صاحب نے فرمایا کہ اچھا! وہ ہمارے پیر صاحب کا تعویذ ہے اس کو تم نے بھڑیا (آٹے کے برتن) میں رکھ رکھا ہے یہ اس کی توہین کی ہے اس کو تو میں اپنے سر میں رکھوں گا، تعویذ کا نکالنا تھا

کہ بس اسی دن آٹا ختم ہوگیا، اور پھر فاقہ شروع ہوگیا، بعض اللہ کے بندوں کا فاقہ اختیاری ہوتا تھا ان کو ایسی زندگی پسند تھی، ان کو اسی میں مزہ آتا تھا اور وہ اسی میں خوش ہوتے تھے کہ ہماری زندگی حضور ﷺ کے مشابہ رہے، کبھی فقر وفاقہ اور کبھی پیٹ بھر کھانا یعنی کبھی صبر اور کبھی شکر اور اس کے لئے طریقہ ایسا اختیار کیا کہ تعویذ کی بے ادبی و بے وقعتی بھی نہ ہو اور مقصود بھی حاصل ہو جائے۔

غصہ نہ کرنے کی بابت حضرت ذوالکفل کی حکایت

ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ پیغمبر تھے یا ولی، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ پیغمبر تھے، لیکن دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ پیغمبر نہیں بلکہ پیغمبر کے خلیفہ تھے، حضرت یسع علیہ السلام نے اپنی اخیر عمر میں ان کو اپنا خلیفہ بنایا تھا، جس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت یسع علیہ السلام نے اخیر عمر میں جب کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ بنانا چاہا تو ایک مرتبہ مجلس میں اعلان کیا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہو، رات کو نماز پڑھتا ہو، اور کبھی غصہ نہ کیا ہو؟ مجلس برخاست ہوگئی، دوسرے دن پھر مجلس میں حضرت یسع علیہ السلام نے اسی طرح اعلان فرمایا پھر بھی کوئی نہ کھڑا ہوا اور یہ کھڑے ہوگئے ان کی ظاہری حالت اچھی نہ معلوم ہوتی تھی، پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے، حضرت یسع علیہ السلام نے پوچھا تم روزہ رکھتے اور رات کو نماز پڑھتے ہو؟ کہا: ہاں! پوچھا کبھی تم نے غصہ نہیں کیا؟ کہا: نہیں! اس کے بعد حضرت یسع علیہ السلام نے ان کو اپنا نائب اور قاضی بنا دیا، لوگوں کے درمیان آپ فیصلے فرمایا کرتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ دوپہر کو آرام فرماتے اور عصر کے بعد فیصلے فرمایا کرتے تھے اور فیصلے کے بجائے صلح کرانے کی زیادہ کوشش کرتے تھے، شیطان نے ایک دن کہا کہ ان کو غصہ دلانا چاہئے، اس کے لئے اس نے یہ حرکت کی کہ رات بھر جاگنے کے بعد عین دوپہر کو آرام کے وقت شیطان

مظلوم بن کر آیا اور اپنے ظلم کی شکایت کا مقدمہ پیش کیا، حضرت ذوالکفل نے غور سے سنا اور فرمایا کہ اچھا عصر کے بعد آنا عصر بعد فیصلہ کردوں گا، لیکن شیطان عصر بعد نہیں آیا، دوسرے دن پھر شیطان عین آرام کے وقت وہی شکایت لے کر آ گیا اور نیند خراب کردی۔ حضرت ذوالکفل نے پھر شکایت سنی اور عصر بعد آنے کے لئے فرمایا، لیکن پھر وہ عصر بعد نہیں آیا۔ تیسرے دن حضرت ذوالکفل نے دروازہ بند کروادیا تاکہ اندر نہ آئے، لیکن شیطان دروازہ بند ہونے کے باوجود اندر پہنچ گیا، حضرت ذوالکفل سمجھ گئے یہ شیطان ہے، اس سے پوچھا کیوں آئے، کیسے آئے ہو؟ شیطان نے خود ہی قبول کیا کہ میں شیطان ہوں، تم کو غصہ دلانے آیا تھا، لیکن ناکام رہا، فرمایا: ''غصہ اگر نفس کے لئے ہو تو برا ہے اور اگر دین کے لئے ہو تو محمود اور پسندیدہ ہے''۔

اللہ کے واسطے گناہ چھوڑنے کی فضیلت اور اس کا ثواب

ایک ذوالکفل اور بھی ہیں وہ بڑے آوارہ اور عیاش قسم کے تھے، اللہ نے ان کو مال بہت دیا تھا، ان کا قصہ ہے کہ ایک عورت پر عاشق ہوگئے، وہ عورت غریب اور مجبور تھی، اس عورت نے ان سے کچھ سوال کیا ہوگا، انہوں نے ایک شرط رکھ دی، عورت بیچاری مجبور تھی، اس نے شرط منظور کرلی، مجبوری انسان سے سب کچھ کرادیا کرتی ہے، اس کے بعد جب یہ شخص اپنی خواہش پوری کرنے بیٹھا تو اس عورت نے کہا اے شخص! اللہ سے ڈر! اور ایک آہ بھری اور کہا کہ زندگی بھر تک جو کام میں نے کبھی نہیں کیا مجبوری آج مجھ سے وہ کام کرارہی ہے، وہ شخص اللہ سے ڈرا اور پیچھے ہٹ گیا اور اس عورت کو چھوڑ دیا اس کے مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وا قعہ کی وجہ سے اس کی بخشش فرمادی، اللہ کے واسطے جو گناہ چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیتا ہے، اسی کا نام تقوی ہے۔

پیار ومحبت کے القاب

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ الخ : یہ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ہے، ذوالنون سے مراد یونس علیہ السلام ہیں اور یہ پیار محبت کا انداز ہے کہ اس انداز سے ان کا ذکر کیا گیا، یعنی مچھلی والے پیغمبر، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا گیا" یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ !، یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ!" اے کملی اوڑھنے والے! اور جیسے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جب کہ وہ زمین میں نیچے لیٹے ہوئے تھے" قُمْ یَا اَبَا تُرَابْ !" یعنی اے مٹی والے! اٹھو، کھڑے ہو، یہ انداز دلار اور پیار کا ہوتا ہے، اسی انداز سے یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو فرمایا کہ مچھلی والے پیغمبر۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقبول بندوں کی برکت

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ معروف ومشہور ہے، ان کی قوم نے ان کی نافرمانی کی اور ان کو عذاب کی دھمکی دی گئی اور عذاب کے آثار بھی سمجھ میں آنے لگے، اس لئے حضرت یونس علیہ السلام بستی سے تشریف لے گئے کیونکہ نبی کے ہوتے ہوئے عذاب آتا نہیں، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے" وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ" کہ اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہیں کرے گا درآنحالیکہ آپؐ ان کے بیچ میں موجود ہوں۔

بہت سے اللہ کے نیک بندے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے رہنے سے عذاب ٹلتا رہتا ہے ان کے رہنے کی برکت سے مصیبتیں نہیں آتیں، آفتیں ٹلتی رہتی ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کو کچھ کرنا ہوتا ہے اور عذاب نازل ہی کرنا ہوتا ہے یا ان لوگوں کو مصیبت اور فتنہ میں مبتلا کرنا ہوتا ہے، تو اللہ اپنے نیک بندوں کو وہاں سے ہٹا لیتا ہے، یہ خدا کا تکوینی نظام ہے، یہ اللہ کے بندے جب کہیں جاتے ہیں تو نا معلوم اپنے ساتھ کتنی خیر وبرکتیں لے جاتے ہیں۔

مقربین کی گرفت زیادہ ہوتی ہے

حضرت یونس علیہ السلام عذاب کے آثار سمجھ کر اس بستی سے تشریف لے گئے کیونکہ عذاب کے آنے کا تو آپ کو یقین ہو ہی چکا تھا اور یہ بھی یقین تھا کہ میرے ہوتے ہوئے عذاب نہیں آئے گا، لیکن قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو وہ اللہ پاک کے سامنے گڑگڑائی، توبہ کی، اللہ تعالی نے عذاب اٹھالیا، یونس علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ عذاب اٹھ گیا، اب اگر بستی میں واپس جاتا ہوں تو لوگ مجھے جھوٹا سمجھیں گے اور قتل کردیں گے کیونکہ جھوٹے کی سزا ان کے یہاں قتل کرنا تھا، یونس علیہ السلام نے بغیر وحی الٰہی کے انتظار کے آگے کا سفر شروع کردیا، یہیں سے ان کی آزمائش شروع ہوگئی کہ میری اجازت کے بغیر ایسا کیوں کیا؟ چونکہ امید وحی تک وحی کا انتظار انبیاء کے لئے مناسب ہے اور یہ مناسب کام ان سے ترک ہوگیا، لہٰذا ان کو یہ ابتلاء پیش آیا کہ راستہ میں ان کو کوئی دریا ملا، اور وہاں کشتی میں سوار ہوئے کشتی چلتے چلتے رک گئی، یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ میرا یہ بلا اجازت آنا اللہ کو ناپسند ہوا، اس کی وجہ سے یہ کشتی رکی، کشتی والوں سے فرمایا کہ مجھ کو دریا میں ڈال دو، وہ راضی نہ ہوئے۔ غرض قرعہ پر اتفاق ہوا تب بھی ان ہی کا نام نکلا، آخر یونس علیہ السلام کو کشتی سے دریا میں ڈالا گیا اور خدا کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نے نگل لیا، مچھلی کے پیٹ میں آپ ایک مدت تک رہے، سوکھ کر کانٹا ہوگئے، بدن پیلا پڑ گیا۔

اتنے مقبول اور چہیتے بندے کی سخت گرفت ہو رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مقربین کی گرفت زیادہ ہوتی ہے، معمولی معمولی باتوں میں بھی گرفت کرلی جاتی ہے اور شفقت وتربیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ معمولی باتوں پر تنبیہ کی جائے، جس کے جتنے مراتب ہوتے ہیں اور جس کا جو مقام ہوتا ہے اس کو اتنا ہی زیادہ کسا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ گرفت ہوتی ہے۔

اس واقعہ کو بیان کرکے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ جب ہم اپنے مقبول اور چہیتے

اور مقربین بندوں کی گرفت کر سکتے ہیں تو اوروں کی کیوں نہیں کر سکتے، کبھی درجات کی ترقی کے واسطے کسا جاتا ہے، مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد نوازش ہوتی ہے اور پہلے سے کہیں زیادہ ترقی ہوتی ہے آج تو آدمی اپنی خواہشات میں رہنے کے ساتھ ساتھ بزرگ اور ولی ہونا چاہتا ہے، خواہشات میں پڑنے کے ساتھ ساتھ منازل طے کرنا چاہتا ہے، منازل طے ہوتے ہیں خواہشات کو پامال کرنے سے یا خواہشات کو اپنانے سے؟ کچھ مجاہدے کرو تم کو بھی ترقی ہو۔

بڑوں اجازت لینے اور مشورہ کرنے کی ضرورت

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ چھوٹوں کو چاہئے کہ جب کوئی کام کریں تو بڑوں سے پوچھ کر ان کی اجازت اور مشورہ کے بعد کریں، کہیں جانا ہو تو بڑوں سے پوچھ کر جائیں، ایک نبی کو تو اجازت کی ضرورت ہو اور غیر نبی کو اپنے بڑوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہ ہو۔

طالب علم کو چاہیئے کہ کہیں جائے تو چھٹی لے کر اور اجازت لے کر جائے، کوئی کتنا ہی بڑا ہو جائے لیکن وہ کبھی اپنے بڑوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا، لیکن آج کل طلبہ کا حال یہ ہے کہ فارغ ہونے کے بعد سند ملتے ہی خودمختار ہو جاتے ہیں، اب نہ ان کو کسی سے مشورہ کی ضرورت، نہ اجازت کی حاجت، اپنی اصلاح خود ہی کر لیا کرتے ہیں، اسی وجہ سے آج کل ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔ کام کے لوگ نہیں پیدا ہوتے۔

مصیبت اور پریشانی کے وقت کا دستور العمل

حضرت یونس علیہ السلام کشتی سے دریا میں کود پڑے ڈوبنے کے واسطے نہیں بلکہ لوگوں کو بچانے کے واسطے کودے تھے۔ کودتے ہی مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ خبردار یہ تیری غذا نہیں بلکہ امانت ہے، چنانچہ آپ بالکل محفوظ مچھلی کے پیٹ میں رہے، اور پیٹ ہی میں سنگریزوں سے یونس علیہ السلام نے یہ کلمات سنے

"لاَ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْن" اس کو سن کر یونس علیہؑ نے بھی یہی کلمات کہے، اور اللہ کی طرف انابت کی، روئے گڑگڑائے، اللہ نے ان کی مصیبت دور فرمائی، اور ان کو نجات ملی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت اور پریشانی کے وقت اس کو پڑھنے سے اللہ تعالیٰ مصیبت دور کرتا ہے، جتنا زیادہ اللہ کی طرف انابت اور توجہ ہوگی اور جتنا زیادہ اس کو پڑھا جائیگا اتنی ہی جلد مصیبت دور ہوگی، ایسے حالات میں تو یہی ہونا چاہیے کہ اپنے جرم کا اقرار واعتراف ہو، اللہ کی طرف انابت اور اس آیت کا ورد ہو پھر دیکھو مصیبت ٹلتی ہے یا نہیں، الغرض مصائب اور پریشانیوں کو دور کرنے میں اس دعا کو بہت بڑا دخل ہے، آج کل لوگ طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کچھ کرنا نہ پڑے، تعویذ ہی سے سب کچھ ہو جائے۔ کوئی مسئلہ پیش آ گیا تو اس کے لئے جلسے ہوں گے۔ میٹینگیں ہوں گی کہ فلاں تاریخ کو تجویز پاس ہوگی۔ اخباروں میں مضامین لکھے جائیں گے۔ نعرہ بازی ہوگی، جلوس نکالے جائیں گے، کالی پٹیاں، ہری جھنڈیاں لگائیں گے، ان سب باتوں سے کہیں مسئلہ حل ہوتا ہے؟ جو بھی پریشانی اور مصیبت آتی ہے اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ ہر قسم کی پریشانی اور مصیبت دور کرنے کا اصل علاج یہی ہے کہ اللہ کی طرف انابت ہو، خدا کے سامنے جھکیں، اپنے قصور کا اعتراف کریں، دعائیں پڑھیں، اس آیت کو بطور وظیفہ کے پڑھیں اور جو جائز تدبیر ہو اس کو بھی اختیار کریں پھر دیکھو مسئلہ حل ہوتا ہے یا نہیں اور پریشانی ومصیبت ٹلتی ہے یا نہیں، اس لئے جب کبھی کسی پر کوئی پریشانی آئے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی طرف انابت کرے، گڑگڑا کر دعا کرے، دعا میں جتنا زیادہ گڑگڑانا ہوگا اتنی ہی زیادہ دعا قبول ہوگی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی معمول یہی تھا کہ جب کبھی کوئی مصیبت و پریشانی آتی تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے اور اللہ سے دعا کرتے۔

افادات درسِ قرآن

سورہ حج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات درس قرآن سورۂ حج

انسان کی عادت اور مزاج کے بدلنے میں چالیس دن کو بڑا دخل ہے

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ : انسان کی خلقت اور پیدائش میں جو تغیرات ہوتے ہیں ان میں چالیس دن کا بڑا دخل ہے، نطفہ سے چالیس دن میں علقہ ہوتا ہے پھر چالیس دن میں مضغہ بنتا ہے، جتنے بھی تغیرات ہوتے ہیں سب چالیس چالیس دن میں ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کی خلقت کی تبدیلی میں چالیس دن کو بڑا دخل ہے تو انسان کی عادت وطبعیت کی تبدیلی میں بھی چالیس دن کو دخل ہوگا۔

چنانچہ چالیس دن اگر کسی کام کو پابندی سے کرلیا جائے تو اس کی عادت پڑ جاتی ہے، اسی وجہ سے بزرگان دین مشائخ چلہ کشی کرواتے ہیں، چونکہ عام طور سے چالیس دن میں عادۃً تغیر ہوجاتا ہے اس لئے چالیس دن کو اختیار کیا گیا۔

پابندی سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا بڑھاپے میں پریشان نہ ہوگا

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ : بڑھاپے میں آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی، اس کے مزاج میں چڑچڑا پن آجاتا ہے، اس کو غصہ بہت آتا ہے، نسیان کا مرض بھی ہوجاتا ہے، سامان کہیں رکھ کر بھول جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن جو شخص قرآن

پاک کی تلاوت کا پابند ہوتو حضرت عکرمہؒ سے منقول ہے کہ ایسے شخص کے ہوش وحواس بڑھاپے میں بھی صحیح وسالم رہیں گے، وہ ان بلاؤں سے محفوظ رہے گا، اس کونسیان کا مرض نہ ہوگا۔

ایک تو ہوتا ہے عام نسیان جو عام طور پر لوگوں کو ہوجایا کرتا ہے وہ مراد نہیں، بڑھاپے کی وجہ سے جو عوارض لاحق ہوتے ہیں اس قسم کا نسیان قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے کو نہیں ہوگا، اس لئے پابندی سے تلاوت قرآن کا اہتمام کرنا چاہئے۔

بحث مباحثہ اور مناظرہ ہر ایک کو اور ہر ایک سے نہیں کرنا چاہئے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ الآية :

ترجمہ ومطلب: بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل اور بدون کسی روشن کتاب کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے یعنی دین حق سے بے راہ کردیں ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھادیں گے۔

یعنی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کی ذات کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں تا کہ لوگ سیدھی راہ سے ہٹ جائیں، گمراہ ہوجائیں کیونکہ لوگوں کے سامنے بحث کرنا ان کے لئے مضر ہوگا، وہ اس سے متأثر ہوں گے اور گمراہ ہوں گے۔

اسی واسطے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بحث مباحثہ ہر ایک کے سامنے نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بسا اوقات سننے والوں کے ذہن میں اشکال تو بیٹھ جاتا ہے، اور اس اشکال کا جو جواب ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا یا ذہن اس کو قبول نہیں کرتا۔

اور خود بحث کرنے والے پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے گو خود اس کا اعتقاد صحیح ہو، لیکن ایک بات کو جب بار بار کہا جاتا ہے تو قلب پر اس کا اثر ہوتا ہے، بلکہ اگر غلط اور گمراہی کی بات نہ ہو صرف فضول بات ہو اس کا بھی قلب پر اثر ہوتا ہے اور قلب حکمت سے خالی ہو جاتا ہے۔

غلط قسم کی کتابیں دیکھنا بھی مضر ہے

یہی حال کتابوں کا ہے اگر گندی اور غلط کتابیں دیکھی جائیں تو اس کا بھی اخلاقی طور پر بہت برا اثر پڑتا ہے، اگر ناول اور فلمی کتابیں دیکھی جائیں یہ تو بہت ہی مضر ہے، اس لئے ہر کتاب کو نہ دیکھنا چاہئے۔

دین کے ساتھ تکبر کرنے والا دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے

بعض اعمال کی سزا ہاتھوں ہاتھ ملتی ہے، آخرت میں تو ملے گی ہی، دنیا میں بھی مل کر رہتی ہے، بدعملی کرنے والے تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں، لیکن ایک ہوتا ہے دین کے ساتھ تکبر و استخفاف، یہ ایسا برا عمل ہے کہ ایسا شخص دنیا میں بھی ذلیل ورسوا ہوگا، اور آخرت میں جو گناہ ہوگا وہ علاحدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے محض خودغرضی اور مطلب کا تعلق

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ : بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ایک کنارہ پر، مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک کرتے ہیں جب تک دنیاوی اغراض پورے ہوتے رہیں، منافع حاصل ہوتے رہیں، اللہ تعالیٰ سے تعلق بھی ان کو دنیاوی غرض اور لالچ کی بنا پر ہوتا ہے کوئی مقدمہ نہ قائم ہو، بھینس نہ مرے، کوئی مصیبت، پریشانی نہ آئے، کوئی بیماری نہ آئے،

دردسر نہ ہو، جو چاہیں وہ ہوجائے، جس کی چاہیں زمین ہڑپ کرلیں، الغرض جو چاہیں وہ ہوجائے، تب تو کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا کرم ہے اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اور واقعی یہ دین بڑا اچھا ہے۔

اور اگر کوئی مصیبت، بیماری، پریشانی آگئی، بھینس مرگئی، لڑکا مرگیا، بس عبادت چھوڑ دی، رب کا شکر ختم ہوگیا، اب نہ دین اچھا، نہ اللہ اچھا۔ (نعوذ باللہ)

بزرگوں کی ناقدری

اسی طرح بزرگوں سے لوگ غرض اور مطلب کا تعلق رکھتے ہیں، اگر کام ہوگیا تو پھر دیکھو تعریف کے پل باندھتے ہیں کہ فلاں صاحب نے تعویذ دیا تھا انہوں نے دعا کردی کام ہوگیا، ارے صاحب! ان کا کیا کہنا! واقعی وہ بڑے بزرگ ہیں ان جیسا کوئی نہیں، بزرگی کا معیار یہ ہے کہ تعویذ فائدہ کرجائے اور اگر وہ کام نہیں ہوا تو بزرگ صاحب کی ساری بزرگی ختم، کہتے ہیں کہ ارے کیا ہے کچھ بھی نہیں، تین سال سے چکر لگا رہا ہوں ابتک ایک کام نہ ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں سے تعلق اسی واسطے ہوتا ہے کہ کوئی مصیبت، پریشانی نہ آنے پائے، تو یہ بزرگ اللہ پاک کا ہاتھ پکڑ لیں کہ نہیں اس کے لیے پریشانی نہ لکھئے، وہ میرا آدمی ہے میرے پاس آتا جاتا ہے۔ (نعوذ بالله من ذلک)

آج کتنے لوگ ہیں جو بزرگوں سے دین کیلئے اور اپنی اصلاح کے لیے تعلق رکھتے ہیں، زیادہ تر دنیاوی غرض اور لالچ کے لئے آتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان دین بس اسی کام کے لیے رہ گئے ہیں کہ کسی پر کوئی مصیبت نہ آنے دیں۔ بزرگوں کے پاس جس غرض سے جانا چاہئے اور ان سے جو چیز سیکھنا اور لینا چاہئے وہ تو حاصل نہیں کرتے محض دنیا کے لئے جاتے ہیں یہ بزرگوں کی ناقدری ہے۔

حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا باہمی تعلق

مصائب اور پریشانیاں بھی رفع درجات کا سبب بنتی ہیں

حضور ﷺ سے صحابہ کے تعلق کی حالت یہ تھی کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے، حضور نے فرمایا: سوچ سمجھ کر کہو کیا کہتے ہو؟ صحابی نے پھر یہی عرض کیا، حضور نے فرمایا: تو اچھا پھر فقروفاقہ اور مصیبت وپریشانی کے لیے تیار ہوجاؤ۔

کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال ایسے نہیں ہوتے جس کی وجہ سے اس کو وہ اونچا مقام نصیب ہو، اعمال میں کچھ کسر اور کوتاہی ہوتی ہے اس کسر کو مصیبتوں، بیماریوں سے پورا کیا جاتا ہے، کیونکہ بیماری اور مصیبتوں کی وجہ سے درجات میں ترقی ہوتی ہے، حتی کہ بسا اوقات بعض اللہ کے بندوں کی پوری زندگی پریشانی میں گذر جاتی ہے، پھر بھی اگر کچھ کسر باقی رہ جاتی ہے تو قبر میں تکلیف پہنچا کر وہ کسر پوری کردی جاتی ہے یہاں تک کہ قیامت میں وہ بالکل پاک وصاف ہوکر اٹھتا ہے، اور وہ مقام اس کو مل جاتا ہے۔

بزرگوں سے تعلق رکھنے میں فاسد نیت

اسی طرح اللہ والے بزرگوں سے آج کل لوگ صرف دنیا کے واسطے تعلق رکھتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں صرف دعا اور تعویذ کے لئے اور کہتے ہیں کہ ان کی دعا سے میں غریب تھا مالدار ہوگیا، خوشحالی آگئی، اور اگر خوشحالی نہ آئی تو کہتے ہیں کہ ارے وہ کیا بزرگ ہیں! پانچ سال سے برابر ان کے پاس جارہا ہوں، ان کی جوتیاں سیدھی کرتا ہوں لیکن جو حال پہلے تھا اب بھی وہی حال ہے، میں نے کتنے بزرگوں سے

ملاقات کی سب کے در کی خاک چھانی لیکن کچھ نہیں، سب ڈھونگ ہے، لیجئے صاحب بزرگی اسی واسطے رہ گئی ہے۔

آج کل بزرگوں سے فیض کیوں نہیں ہو پاتا

آج کل لوگ چھانٹ چھانٹ کر ایسے بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جن سے تعلق قائم کرنے میں کچھ فائدہ ہو، خوب شہرت ہو، نام اونچا ہو، دنیا کا نفع حاصل ہو، عبادت کرتے ہیں تو اسی لئے، اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہیں تو بھی اسی غرض سے، اسی لیے عبادت کا اور بزرگوں سے تعلق رکھنے کا جو فائدہ اور ثمرہ ہونا چاہئے وہ حاصل نہیں ہوتا۔

مصیبت ہو یا راحت ہر حال میں اللہ کی عبادت کرنی چاہئے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ : بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک کرتے ہیں جب تک اللہ کی طرف سے انعامات کی بارش ہوتی ہے، بھلائی پہنچتی رہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا ہو رہا ہے، نماز کی پابندی بھی ہے، اور جہاں ذرا حالات بگڑے، کوئی پریشانی، مصیبت آگئی تو سب چھوڑ بیٹھتے ہیں اس آیت میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے۔

مجھے کثرت سے ایسے لوگ ملتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مولانا اتنے دن سے نمازیں پڑھتا ہوں، اللہ سے دعا کرتا ہوں لیکن کچھ بھی نہیں ہوتا، چنانچہ پھر وہ سب کچھ چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے سے کیا فائدہ؟ اچھا نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں تو کیا نماز نہ پڑھنے سے فائدہ ہوا؟ نماز چھوڑ دینے سے کیا مصیبت دور ہوگئی؟ پریشانی ختم ہوگئی؟ مسئلہ حل ہوگیا؟ کیا نماز صرف اسی لئے پڑھی جاتی ہے کہ مصیبت دور

ہوجائے، نماز تو اللہ نے فرض کی ہے، فریضہ سمجھ کر ادا کی جاتی ہے، اللہ کے واسطے پڑھی جاتی ہے، پریشانی ہو یا راحت، نماز ہر حال میں پڑھنا ضروری ہے۔

کبھی آزمائش اس طرح بھی ہوتی ہے

نرینی ضلع باندا کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب بڑے نماز کے پابند تھے، ان کی ایک بھینس اتفاق سے مرگئی جس کی وجہ سے انہوں نے نماز چھوڑ دی تو نماز چھوڑ دینے سے کیا بھینس زندہ ہوگئی؟ یہ سب شیطانی دھوکہ ہے، کبھی آزمائش اس طرح بھی ہوتی ہے، ایسے وقت میں آدمی کو صبر سے کام لینا چاہئے۔

اللہ کے خاص بندوں کی ایک حالت

اللہ والے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس غرض سے کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوجائے، اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتے ہیں، ان کو اللہ سے عشق اور لگاؤ ہوتا ہے، دوزخ کے خوف یا جنت کی طلب کی وجہ سے بھی وہ عبادت نہیں کرتے حالانکہ اگر دوزخ سے بچنے یا جنت کی طلب کی نیت سے عبادت کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ اللہ کے بندے اپنی عبادت سے جنت کی بھی طلب نہیں کرتے، محض اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ کی حکایت

سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو جنت کو بنا سنوار کر ان کے سامنے لایا گیا، انہوں نے منھ پھیر لیا اور کہا کہ ساری زندگی میں نے اسی واسطے پاپڑ بیلے تھے، اگر میری زندگی بھر کی محنت کا یہی ثمرہ ہے

تو میں نے اپنی عمر کو ضائع کیا، جنت سے منھ پھیر کر کہا کہ مجھے اس کی ضرورت، نہیں میرے سامنے تو وہ چیز ہونی چاہئے جس کے لئے میں زندگی بھر پریشان رہا، جس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا، جس کی یاد میں تڑپتا رہا، چنانچہ اسی وقت اللہ کی تجلی ظاہر ہوئی اور روح پرواز کر گئی، ایسے بھی اللہ کے بندے گذرے ہیں انہیں کا یہ شعر ہے ؎

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی

بعض اللہ کے محبوب بندے اخیر وقت میں خوب مچلتے ہیں، کیونکہ جب ان کا اخیر وقت ہوتا ہے، وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بلاوا آیا ہے، مجھے میرے محبوب نے بلایا ہے، ابتک تو مکلّف تھے اور اب تکلیف کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے، اللہ کے سامنے بڑے نخروں سے جاتے ہیں کہ مجھے یہ چاہئے یہ چاہئے، اس طرح نہیں جاؤں گا وہ اللہ کے محبوب بندے ہوتے ہیں، اللہ ان کے نخروں کو برداشت کرتا ہے، ان کی مانگ پوری کی جاتی ہے۔

اللہ والے تکبر سے بہت ڈرتے اور بچتے ہیں

اللہ والوں کا یہ بھی حال ہوتا ہے کہ وہ تکبر سے ڈرتے اور بچتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تکبر ایسی بری آگ ہے، جو سارے اعمال کو برباد کر کے رکھ دے گی۔ کی کرائی محنت پر پانی پھیر دے گی، سب کو راکھ کر ڈالے گی، تکبر ایک کرنٹ ہے اور ایسا کرنٹ جو بالکل چوس کر رکھ دیتا ہے، جب تک پورا چوس نہیں لیتا اس وقت تک چھوڑتا نہیں اس کے ہوتے ہوئے کوئی خیر، خیر نہیں، کوئی کمال، کمال نہیں، تکبر سارے کارناموں پر پانی پھیر دیتا ہے، جس کے اندر تکبر ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، اس کی ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں، شیطان ہلاک اور مردود ہوا ہے تکبر ہی کی وجہ سے، اللہ حفاظت فرمائے۔

انسان کے بس میں جتنا ہو کرتا رہے
اللہ پاک مدد فرماتا ہے

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ الخ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ میری آواز سب کو کیسے پہونچے گی، اللہ پاک نے فرمایا: اعلان کرو، اعلان کرنا تمہارا کام ہے، آواز پہنچانا ہمارا کام ہے، بندے کے بس میں جتنا ہوا تنا کرلے، اس میں کسر نہ اٹھا رکھے، اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ تو اپنا کام کرے اور اللہ تعالیٰ اپنا کام نہ کرے، بندہ کا کام محنت کرنا ہے، اور اللہ کا کام مدد کرنا ہے۔

حج میں تجارت

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ : اس سے معلوم ہوا کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور ضرورت کی وجہ سے تجارت بھی کرلے تو کوئی حرج نہیں، مقصود تجارت ہی نہ ہو کہ وہاں جا کر تجارت کریں گے اور حج بھی کرلیں گے، دونوں میں بڑا فرق ہے، تجارت کی نیت سے حج نہیں کرنا چاہئے، ہمیر پور کے ایک صاحب ہر سال حج کرنے جایا کرتے تھے، اس زمانہ میں ایسی دشواری نہ تھی، لوگ ہر سال حج کرنے جاسکتے تھے، ویزا ایزہ کی کوئی پابندی نہ تھی، وہ ہر سال حج کرنے جاتے لیکن ان کے پاس آمدنی کا ذریعہ کچھ نہیں تھا البتہ وہاں جا کر لوگوں کے بال بنایا کرتے تھے، اسی سے ان کا پورا خرچ نکل آتا تھا، اور بھی اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

حضرتؒ کے سفر حج کا واقعہ اور حاجیوں کے لئے ایک نمونہ

فرمایا پہلے حج بہت کم خرچ میں ہوجاتا تھا، تین چار سو میں آسانی سے حج پورا

ہوجاتا تھا، جب میں نے پہلا حج کیا ہے اس وقت بھی خرچ کم تھا میرے تیرہ سو روپے لگے تھے، میرے سفر حج کی بڑی لمبی داستان ہے، اگر اس کو سناؤں تو بہت دیر لگے گی، سبق بھی رہ جائے گا، پہلے حج میں، میں نے اپنے پاس سے ایک پائی نہیں خرچ کی، مجھ پر حج فرض ہی نہیں تھا، حج کر کے واپس آیا تو ایک سامان بھی نہیں لایا، صرف ایک مصلیٰ مغربی صاحب کے لئے لایا تھا، ان کے مجھ پر بڑے احسانات تھے، اس لئے ان کے واسطے مصلیٰ لایا تھا، اور دس ریال کے کھجور لے لئے تھے، لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے بہت کافی مل گئے تھے، اور آب زمزم، بس یہ تین چیزیں لایا تھا، اس کے علاوہ کوئی سامان اڑی گھڑی کچھ بھی نہیں لایا تھا۔

دن بھر حرم پاک میں گذارتا تھا، بازار تو کبھی جاتا ہی نہ تھا، تکبیر اولیٰ اور صف اول کا بہت اہتمام کرتا تھا، صف اول میں بھی حجر اسود کے محاذات میں (سامنے) کھڑا ہوتا تھا، اور اسی لالچ میں پورا دن حرم پاک ہی میں گذارتا تھا، باہر جاتا ہی نہ تھا، بس پیشاب پاخانہ کے واسطے تھوڑی دیر کے لئے جاتا تھا، اس زمانہ میں استنجاء کا تقاضا بھی کم ہوتا تھا، اور کھانا اسی واسطے کم کھاتا تھا کہ کہیں پاخانہ نہ لگے، صرف ایک وقت کھانا کھاتا تھا، ایک دو بسکٹ ڈبل روٹی لے لی، اور بغیر سالن کے یوں ہی کھالی۔

آدمی جب وہاں جائے تو پوری قیمت وصول کرے، تکبیر اولیٰ اور صف اول تو چھوٹنی ہی نہ چاہئے، اور میں تو محض اسی وجہ سے پورا دن وہیں گذار دیتا تھا، کبھی تلاوت کرتا، سخت گرمی کے موسم میں تپش کے وقت میں مطاف میں بھیڑ نہ ہوتی تھی اس وقت طواف کرتا اور خوب آب زمزم پیتا اور اپنے اوپر بھی ڈالتا، بس یہی کام کرتا تھا۔

لیکن صف اول میں وہاں جگہ بہت مشکل سے ملتی تھی، ذرا کوئی ہٹا فوراً دوسرا قبضہ کر لیتا تھا، اس لئے نماز سے پہلے میں جگہ سے ہٹتا ہی نہ تھا، اور میرے ایک ساتھی حاجی سعید احمد خاں صاحب تھے، دونوں نے یہ طے کیا تھا کہ حرم پاک ہی میں دن بھر

رہیں گے، پیشاب پاخانہ کے لئے جانا ہوتا تو باری باری جاتے، جب وہ جاتے تو میں ان کی جگہ روکے رہتا، جب میں جاتا رومال بچھا کر چلا جاتا اور وہ جگہ روکے رہتے، پورے حج میں یہی معمول رہا۔

اللہ پاک نے ایک خدمت بھی میرے ذمہ لگادی تھی، ایک بیچارے ساتھی بیمار ہوگئے، شروع سفر سے اخیر تک بیمار ہی رہے، اور کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا، جتنے ان کے ساتھی تھے قریب تک نہ آتے، میں ہی ان کی خدمت کرتا تھا، ان کی خدمت کے لئے حرم پاک سے باہر آتا، ان کو پاخانہ کراتا، کپڑے دھوتا، دوسرے کپڑے پہناتا، اپنے ہاتھ سے ان کے لئے کھچڑی پکاتا، دوا کھلاتا، اس کے بعد واپس چلا آتا، اور یہ معمول روزانہ کا تھا، ان کو پورا حج یعنی سعی، طواف وغیرہ بھی سب میں نے ہی کرایا۔

بیمار کی خدمت کرنا بھی تو عبادت ہے، خالی حرم پاک میں نوافل پڑھتے رہنا، طواف کرنا صرف یہی تھوڑی عبادت ہے۔ بس اتنا میرا کام تھا، جب ان کو پاخانہ کرانے جاتا خود بھی فارغ ہوجاتا، ان کی خدمت کے علاوہ سارا وقت حرم پاک ہی میں گذارتا۔

بازار تو میں کبھی جاتا نہیں تھا، صرف ایک مرتبہ اخیر میں ضرورت سے گیا، وہاں مجھے ایک ساتھی نظر آئے لیکن ان کی ڈاڑھی غیر شرعی، لباس بدلا ہوا، میں تو ان کو پہچان نہ سکا لیکن وہ مجھے پہچان گئے، میں ان کو دیکھتا رہا، انہوں نے دیکھ کر فوراً کہا ادھر آؤ مولوی صدیق! گلے سے لگالیا، بیچارے بڑی مصیبت کے مارے ہوئے تھے، اللہ نے اسباب مہیا فرمادیئے، دکان، مکان، شادی سب کچھ وہیں کرلیا، مجھ کو انہوں نے بہت روکنا چاہا، اور وہاں ٹھہرنے کے پورے انتظامات بھی تھے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کے لئے یہاں مکان وغیرہ ہر چیز کا انتظام ہوجائے گا، آپ ٹھہر جایئے، بہت اصرار کیا لیکن میں کسی قیمت پر تیار نہیں ہوا، کیونکہ مجھے یہاں آکر کام کرنا تھا، اس کے

بعد ایک مدرسہ والوں کو خبر ہوئی (مراد مدرسہ صولتیہ ہے) فرمایا کہ آپ مدرسہ سنبھال لیجئے، آپ کو ہر طرح سہولت پہونچائی جائے گی، اس زمانہ میں وہاں رہنا آسان تھا، کوئی دشواری نہ ہوتی تھی لیکن میں تیار نہیں ہوا، میں نے سوچا کہ مجھے تو علاقہ میں کام کرنا ہے وہاں شدید ضرورت ہے اور کوئی کام کرنے والا نہیں، اس لئے میں واپس چلا آیا، اللہ تعالیٰ جس سے جو چاہے کام لے لے، اس کے بعد جب دوسرے حج میں گیا تو ان صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی معلوم نہیں کہاں چلے گئے، وہ دکان بھی کسی دوسرے کے قبضہ میں آ گئی۔

تقوی کی علامت

يٰۤـاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ :اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور تقویٰ کی علامت ہے اطاعت، اگر کسی شخص میں اطاعت ہے تو وہ متقی ہے، اور اگر اطاعت نہیں تو وہ متقی نہیں، جیسے حکومت نے کوئی قانون مقرر کر دیا تو واقعی جس کو قانون کا لحاظ اور حکومت کا ڈر ہے تو وہ خلاف قانون کوئی کام نہ کرے گا، اور اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس کو حکومت کے قانون کا خوف ہے، اور اگر کوئی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہو تو کیا اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس کو حکومت کا ڈر ہے؟ ایسا شخص تو باغی ہوتا ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

اِنَّ زَلْـزَلَةَ السَّـاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ : اس آیت میں تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے، ہر چیز حاصل کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے، انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت پیدا کی ہے کہ جو چیز اس کو حاصل نہ ہو اور وہ اس کو حاصل

کرنے کی کوشش کرے، اس کے اسباب اختیار کرے تو وہ چیز اس کو حاصل ہوجاتی ہے۔تقویٰ کا دروازہ بند نہیں ہوگیا مگر اس کے حاصل کرنے کا طریقہ ہے اسی طرح اس کو حاصل کیا جائے، جب دنیا میں ہر چیز کے حاصل کرنے کے اسباب موجود ہیں اور اسباب اختیار کرکے وہ چیز حاصل کی جاسکتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تقویٰ کے حاصل کرنے کے اسباب نہ ہوں اوران اسباب کے اختیار کرنے سے تقویٰ حاصل نہ ہو۔ محنت کرنے اور کسی شئ کو وجود میں لانے کے لیے آدمی کوشش کرتا ہے تو وہ چیز موجود ہوجاتی ہے، آدمی مکان بناتا ہے جب مکان بن کر تیار ہوتا ہے تو وہ بالکل خالی ہوتا ہے، لیکن دنیا بھر کے تمام سامان نمک، لکڑی، کھانے، پینے کے سامان بعد میں لائے گئے، اس کی کوشش کی گئی تو موجود ہوگئے اور گھر سامان سے بھر گیا اسی طرح قلب بھی بالکل خالی ہے لیکن اگر اس کو تقویٰ سے آباد کیا جائے، تو قلب بھی تقویٰ سے آباد ہوجائے گا، تقویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو کیوں نہ تقویٰ پیدا ہوگا۔لیکن کوئی حاصل تو کرے، کوشش تو کرے، تقویٰ حاصل ہونے کے اسباب تو اختیار کرے، یہ دنیا تو دار الاسباب ہے یہاں تو کچھ کرنے ہی کے بعد حاصل ہوگا۔

اس آیت میں تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت کو یاد کیا کرو، موت اور موت کے بعد کی حالت اور خدا کے سامنے پیش ہونے کا استحضار کرو، جب ہر وقت قیامت کا منظر سامنے ہوگا اور ہر وقت اللہ کے سامنے پیشی کا خیال ہوگا تو ایسا شخص خدا کی نافرمانی نہ کرے گا۔ ہر وقت موت اور آخرت کی تیاری میں مشغول رہے گا اس کی طرف سے کبھی غافل نہ ہوگا جیسے کسی کے مقدمہ کی تاریخ ہو، اور مقدمہ کی تاریخ اور اس کا منظر اور پیشی کا خیال بھی ہو تو کبھی بھی ایسا شخص مقدمہ کی تاریخ نہیں بھول سکتا، دکان بھی کرے گا کھانا بھی کھائے گا، گھر والوں سے ملاقات بھی کرے گا،

لیکن اس کے ساتھ ہر وقت مقدمہ کو یاد رکھے گا اور اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا اس کی تیاری کرے گا، اور جس چیز کی ضرورت ہوگی اس کا انتظام کرے گا، گواہوں کی ضرورت ہوگی اس کا انتظام کرے گا حتی کہ رشوت دینا ہوگی تو اس کی بھی فکر کرے گا یہی حال تقویٰ کا ہے کہ جب اللہ کا خوف ہوگا، قیامت کا منظر سامنے ہوگا تو خود بخود اس کی تیاری میں لگے، گا اس طرح اس کو تقویٰ حاصل ہو جائے گا۔

علم کی تین قسمیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ : کفار اللہ تعالیٰ کی شان میں بغیر کسی علم کے افترا کیا کرتے تھے۔ (اللہ پر بہتان لگاتے تھے)

علم کی تین قسمیں ہیں: علم بدیہی جیسے آگ کا جلانا، اور آگ کی گرمی، برف کی سردی وغیرہ، علم بدیہی میں استدلال اور نقل وسند کی ضرورت نہیں ہوتی، اور ایک علم ہوتا ہے علم استدلالی پھر استدلالی کی دو قسمیں ہیں۔

استدلالی عقلی اور استدلالی نقلی، یعنی ایک تو یہ کہ عقلی مقدمات کے ذریعہ صغریٰ کبریٰ ملا کر کسی بات پر استدلال کیا جائے یہ استدلال عقلی کہلاتا ہے، اور ایک علم استدلالی وہ ہے جس میں عقلی مقدمات کی ضرورت نہ ہو بلکہ کسی غیر کے حوالہ سے اور اس کی طرف نسبت کر کے کوئی بات نقل کی جائے۔ جس کا حق پر ہونا معتمد اور مسلم ہو، مثلاً فقہ وفتویٰ میں شامی، ، بحر الرائق، فتح القدیر وغیرہ کے حوالہ سے کوئی بات کہنا کہ یہ بھی علم استدلالی ہی ہے، اسکا دوسرا نام علم سندی بھی ہے، کفار مکہ بغیر کسی علم کے اللہ کی شان میں افترا کیا کرتے تھے، یعنی نہ تو ان کے پاس علم بدیہی تھا نہ علم استدلالی عقلی، نہ علم استدلالی نقلی وسندی، محض اٹکل سے اللہ کی ذات پر افترا کیا کرتے تھے۔

حضرتؒ کے زمانۂ طالب علمی کی حاضر جوابی کا واقعہ

دوران درس یہ گفتگو آئی کہ جنت میں انسان کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ تمنا کرے گا، اس پر حضرت نے ایک قصہ سنایا کہ کانپور میں جس زمانہ میں میں نحو میر وغیرہ پڑھا کرتا تھا، میرے ایک عزیز بھی وہاں رہتے تھے، ان کے قریب ایک مسجد تھی، کبھی کبھی جمعرات کو کپڑے دھونے وہاں چلا جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ وضو کی جگہ بیٹھ کر کپڑے دھورہا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی پینٹ پہنے ہوئے بیڑی پیتے ہوئے ہنسی مذاق کرتے ہوئے داخل ہوا، مجھ سے پوچھا مولوی صاحب! کیا پڑھتے ہو؟ میں نے بتلا دیا نحو میر وغیرہ، میں خاموش تھا، وہ بیڑی پیتے ہوئے ہنستے جارہے تھے اور بڑے مذاقیہ انداز میں بطور تمسخر کے مجھ سے کہتے ہیں کہ مولانا! جنت میں تو بیڑی پینے کو ملے گی؟ میں نے کہا بیڑی پینے والا جنت میں جائے گا نہیں، بس بالکل خاموش ہوکر رہ گئے پھر نہیں بولے، بڑے شرمندہ ہوئے کاٹو تو خون نہیں (حضرت نے یہ ان کی بدتہذیبی کا جواب دیا تھا پھر حضرت نے فرمایا کہ) بیڑی پینے والے بھی جنت میں جائیں گے لیکن جب جائیں گے تو بیڑی کی عادت اور چاہت ختم ہوجائے گی، وہاں بیڑی پینے کا جی ہی نہ چاہے گا، یہ مطلب ہے اس کا کہ کوئی بیڑی پینے والا جنت میں نہ جائے گا اور یہ ایسا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، حضور کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھی عورتیں جائیں گی تو لیکن جوان بن کر جائیں گی، بوڑھی بن کر نہیں جائیں گی۔

شیطان کا فتنہ اور اس کے جال میں پھنسنے والے لوگ

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيْهِ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ :
یعنی اللہ تعالیٰ نے تو بات طے کردی ہے کہ جو بھی شیطان سے دوستی کرے گا اس کے

راستہ پر چلے گا تو وہ اس کو گمراہ کردے گا اور سیدھے اس کو دوزخ کے عذاب میں جا کر گرائے گا۔

یہاں پر لفظ ''مــــن'' عام ہے یعنی جو شخص بھی شیطان سے دوستی کرے گا اور خلاف سنت طریقہ اختیار کرے گا، اس کا انجام یہی ہوگا جو اس آیت میں مذکور ہے، خواہ وہ کوئی عالم صاحب ہوں یا مفتی صاحب ہوں یا خانقاہوں میں رہنے والے لوگ ہوں، جو بھی شیطان سے دوستی کرے گا، شیطان اس کو گمراہ کردے گا اور شیطان سے دوستی اسی وقت ہوگی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے طریقہ کے خلاف کوئی کام ہوگا۔

ایک دردناک واقعہ

کتابوں میں ایک بڑا دردناک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بہت بڑے عالم شیخ کامل بڑے پایہ کے بزرگ شیخ ابوعبداللہ اندلسی اپنے سیکڑوں مریدین کے ساتھ ایک مرتبہ سفر حج میں جارہے تھے کہ راستہ میں ایک کنویں پر ایک نصرانی لڑکی پر اچانک نگاہ پڑگئی جو پانی بھر رہی تھی، بس اس کو دیکھ کر دیکھتے ہی رہ گئے، وہیں کھڑے ہوگئے آگے جانے کا نام ہی نہیں لیتے، مریدین نے بہت درخواست کی تو فرمایا اب تم لوگ جاؤ! میں تمہارے کام کا نہیں رہا، بس اس لڑکی پر ایسے فریفتہ اور ایسے عاشق ہوئے کہ اس کے گھر کا ہر وقت چکر لگاتے رہتے تھے، کسی نے اس لڑکی کے باپ سے بات کی کہ جب یہ حال ہے تو ان کا رشتہ لڑکی سے کردیا جائے، باپ نے کہا کہ میں شادی تو کردوں لیکن یہ مسلمان اور یہ لڑکی نصرانی ہے، رشتہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ بات جب ان شیخ کو معلوم ہوئی تو کہا کہ اس میں کیا بات ہے میں بھی نصرانی ہوجاتا ہوں، چنانچہ وہ بھی نصرانی ہوگئے اور رشتہ ہوگیا اور وہ اپنے خسر کے خنزیر چرانے لگے، جس عصا کو لے کر خطبہ دیا کرتے تھے اب اسی عصا کو لے کر سور چرایا کرتے تھے، ایک مدت گذر گئی تقریبا ۹/۸ سال تک

اس میں ابتلاء رہا ادھر ان کے مریدین میں ایک سے ایک بزرگ سب ان کی ہدایت کے لئے دعاء کرتے تھے، ان سے آکر ملاقات کرتے، جب کوئی ملتا تو آنکھوں میں آنسو آجاتے، حافظ قرآن اور حافظ حدیث تھے لیکن قرآن وحدیث سب بھول گئے صرف ایک آیت: وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ مُّكْرِم . یادرہی جس کا ترجمہ ہے جسے اللہ ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، اور یہ حدیث یادرہی مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوهُ یعنی جو شخص اپنے دین کو بدل دے اس کو قتل کردو۔

ان کی اس حالت پر کہرام مچ گیا، چاروں طرف ان کے مریدین مشائخ ہیں، ان کے لیے دعائیں ہورہی ہیں بالآخر ایک وقت آیا کہ اللہ نے توبہ کی توفیق نصیب فرمائی، نہادھوکر کپڑے بدلے، پاک وصاف ہوکر اپنے ایک مرید کے پاس گئے اور کہا کہ مجھے توبہ کراؤ، چنانچہ توبہ کا کلمہ پڑھا اور پھر خانقاہ کو آباد کیا، ان کی بیوی پتہ لگا کر ان کے پاس پہنچی تو اس سے کہا کہ میں تمہارے کام کا نہیں، میں مسلمان اور تم نصرانی، اس عورت نے کہا کہ جب آپ نے میرے لیے دین کو بدل دیا تھا اور آپ نے میرے واسطے اپنے مذہب کو چھوڑ کر میرا مذہب اختیار کیا تھا تو میں بھی آپ کے واسطے اپنا مذہب چھوڑتی ہوں اور میں بھی مسلمان ہوتی ہوں، چنانچہ وہ بھی مسلمان ہوگئیں اور دونوں ساتھ رہنے لگے۔ اور خانقاہ میں پھر بہار آگئی۔

یہ سب کچھ ہوا، اتنے بڑے بزرگ کو یہ سزا ملی، کیوں ملی؟ ایک کام سنت کے خلاف ہوگیا تھا حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی اجنبی عورت پر پہلی نگاہ پڑ جائے تو فوراً نگاہ ہٹالو، اور دوبارہ اپنے اختیار سے نگاہ مت ڈالو، "اَلْاُوْلٰی لَکَ وَالثَّانِيَةُ عَلَيْکَ" پہلی نگاہ جو اچانک پڑ گئی اس میں تو نقصان نہیں اور دوسری نگاہ جو اپنے اختیار سے ڈالوگے اس میں گناہ اور وبال ہوگا، اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندے تھے، اس لئے اتنی سی بات پر

اتنی سخت گرفت کی گئی، غلطی یہی تھی کہ جب پہلی بار نگاہ پڑی تو نگاہ پھیر کیوں نہیں لی، دوبارہ نگاہ کیوں ڈالی، خلاف سنت کام کیا اس کا یہ انجام ہوا، اس لئے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے معلوم نہیں کب کون سی غلطی اور خلاف سنت کام ہوجائے جس کی وجہ سے گرفت ہوجائے ان کے لیے تو بڑے بڑے بزرگ جنید وشبلی دعاء کرتے تھے اللہ سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، تو ہدایت عطا ہوگئی، ہمارے لیے کون دعاء کرے گا، اتنے بڑے بزرگ کو جب شیطان بہکا سکتا ہے تو کیا ہم کو نہیں بہکا سکتا؟؟؟

شیطان کے بہکانے کے مختلف طریقے

شیطان کے بہکانے کے بہت سے طریقے ہیں، اچھوں اچھوں کو بہکا دیتا ہے، بڑے بڑے دینداروں کو بہکا دیتا ہے، کسی ایک کام میں لگا دیتا ہے اور دوسرے ضروری کاموں سے غافل کر دیتا ہے، مثلاً نفل نماز میں لگا کر دوسرے ضروری کاموں سے چھڑا دے گا، کبھی مسجد میں بیٹھا کر بیوی بچوں کے حقوق کو پامال کرادے گا۔

الغرض شیطان کے بہکانے کے بہت سے طریقے ہیں، جس لائن کا آدمی ہوتا ہے اس کو اسی اعتبار سے بہکاتا ہے، دینداروں کو بہکانے کا طریقہ یہی اختیار کرتا ہے کہ کسی ایک کام کی خوبی اور اس کا جوش دل میں پیدا کر دیتا ہے، جس لائن میں بھی لگ کر وہ گمراہ اور غافل ہوسکتا ہو بس اسی میں لگا کر دوسرے ضروری کاموں سے غافل کر دیتا ہے اور دوسروں کے حقوق پامال کر دیتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں بہت اچھا کام کر رہا ہوں حالانکہ وہ دوسرے ضروری کاموں سے غافل ہوکر اور حقوق واجبہ کو پامال کر کے سخت گنہگار ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے ”اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا“ کہ ان کی کی کرائی ساری محنت رائیگاں اور برباد گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کر رہے ہیں۔

رات میں بیوی کے پاس رہنا اس کا حق ہے

کتنے دیندار ایسے ہیں جو اپنی بیوی پر ظلم کرتے ہیں، بیوی بیچاری مزدوری کرکے، کپڑا سی کر پیٹ پالتی ہے اور میاں صاحب کو اپنی عبادت سے فرصت ہی نہیں ملتی، یہ سب شیطانی حربے ہیں کہ ایک عبادت میں لگا کر دوسرے اہم کاموں کو چھڑا دیا۔ کیا بیوی کا کچھ بھی حق نہیں، علماء نے لکھا ہے کہ بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ رات کو اس کے پاس رہا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون دیندار ہوگا لیکن آپ کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ آپ ازواج مطہرات میں سے جس کے یہاں باری ہوتی تھی رات وہاں گذارتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ عائشہ! اگر تم اجازت دو تو میں آج کی رات اپنے رب کی عبادت میں گزار دوں، آخر حضرت عائشہ سے یہ اجازت کیوں چاہی جارہی ہے؟ اسی واسطے کہ رات میں بیوی کے پاس رہنا اس کا حق ہے۔ لیکن یہاں تو لوگ سالوں سال غائب رہتے ہیں۔ گھر کی خبر ہی نہیں لیتے، علماء نے لکھا ہے کہ چار مہینے کے بعد تو اس کے پاس جانا ضروری ہے۔ البتہ اگر بیوی اجازت دے دے اور اس کو شکایت نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ بہت سے بزرگوں کے متعلق منقول ہے کہ گھر جانے کا ان کو موقع ہی نہیں ملتا تھا، حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا کہ رات میں بھی ان کو گھر جانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ لیکن ان کی اہلیہ نے اپنے حق کو معاف کردیا تھا کہ آپ دین کے کام میں مشغول ہیں، میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔

شیطان کے ہتھکنڈے اور بہکانے کے مختلف طریقے

دوران درس فرمایا کہ شیطان جب کسی کو بہکاتا ہے تو یہ کہہ کر نہیں بہکاتا کہ میں تم کو بہکا رہا ہوں، اور نہ وہ شیطانی شکل میں آتا ہے، بلکہ وہ تو خیر خواہ بن کر

خیرخواہوں کی شکل میں آتا ہے۔ وہ تو اس کا پتہ بھی نہیں لگنے دیتا کہ میں شیطان ہوں، آدم علیہ السلام کو شیطان نے بہکایا تو بڑا ناصح اور بڑا خیرخواہ بن کر آیا تھا اور بڑی خیرخواہی ظاہر کی تھی، یہ نہیں کہا تھا کہ میں شیطان ہوں بہکار ہا ہوں۔ اسی طرح انسانوں کو شیطان بہکاتا ہے اور بڑی خیرخواہی کے انداز سے بہکاتا ہے۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان خود انسانی شکل میں آ کر بہکاتا ہے کبھی کسی کی شکل میں اور کبھی کسی کی شکل میں، نانا، نانی، خالہ، اماں، دادا، دادی، بیوی کی شکل میں آتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود تو آ کر نہیں بہکاتا لیکن دوسروں کو آمادہ کرتا ہے وہ آ کر اس کو بہکاتے ہیں، اس کے پاس آ کر ایسی ایسی باتیں کرے گا کہ وہ خود ہی بہک جائے، کبھی بیوی ایسی باتیں کرے گی کہ خواہ مخواہ شوہر بہک جائے، بیٹا ایسی ضد کرے گا کہ باپ اس کی ضد پورا کرنے پر مجبور ہو جائے اور بیوی بیٹے کو یہی شیطان سمجھاتا ہے کہ ایسا کرو۔

الغرض شیطان کے بہکانے کے مختلف طریقے ہیں، ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ طریقے سے بہکاتا ہے۔ تاجروں کو بہکائے گا دوسرے انداز سے، عالم اور عابد و زاہد کو بہکائے گا دوسرے انداز سے، اس کی چالوں کا سمجھنا آسان نہیں، بس اللہ ہی جس کو محفوظ رکھے وہی بچ سکتا ہے، اس واسطے ہمیشہ شیطان کے شر سے بچنے کی دعاء کرتے رہنا چاہئے۔ اور ہر کام میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرتے رہنا چاہئے۔

حضور ﷺ کی مخالفت میں شیطان کی سازش

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جب کفار مکہ سازش کر رہے تھے کہ کسی طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ رک جائے، اس کے لیے مشورہ ہوا کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، یہ بڑے میاں بھی (شیطان) ڈنڈا ٹیکتے

ہوئے پہونچ گئے، لوگوں نے پوچھا، کیسے آئے؟ کہنے لگے سوچا کہ مشورہ ہو رہا ہے، میں بھی شریک ہو جاؤں اور اس کارخیر میں، میں بھی مشورہ دے دوں۔ مشورہ میں جو بھی تجویز پاس ہوتی تھی شیطان اس کی کاٹ کر دیتا تھا، لوگوں نے تجویز پاس کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ نکال دیا جائے۔ یہاں سے بھگا دیا جائے، شیطان بولا: دیکھتے نہیں کتنا فصیح اللسان آدمی ہے اس کی زبان میں کتنی تاثیر ہے! باہر جا کر تقریر کر کے سب کو اپنا تابع بنائے گا، وہ سب آ کر تم پر چڑھائی کر دیں گے، ایسا ہرگز نہ کرنا اور بھی لوگوں نے اپنی اپنی رائے دیں لیکن شیطان نے اسے فیل کر دیا، ایک نے کہا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے میں اس کا اہتمام کیا جائے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی قتل میں شریک ہو، تا کہ ان کے خاندان کے لوگ کسی سے بدلہ نہ لے سکیں، شیطان نے کہا، یہ رائے مناسب ہے، تو شیطان اس طرح خیر خواہ بن کر پہونچ جاتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

شیطان کے شر سے بچنے کا طریقہ

شیطان کے بہکانے کے عجیب عجیب طریقے ہیں، اس کے جال سے بچنا بہت مشکل ہے، بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگوں اور بزرگوں تک کو بہکاتا ہے، اسی وجہ سے جو بھی کام کرے اپنے کسی بڑے اور شیخ سے پوچھ کر کرے کہ کہیں اس میں کوئی نفس اور شیطان کی چال تو نہیں ہے، کام سے پہلے مشورہ کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ خیر کا جو جذبہ پیدا ہوا فوراً اس کو کر بیٹھے، کیا پتہ، وہ جذبہ شیطان ہی کا پیدا کردہ ہو، الغرض شیطان کے جال سے بچنا بڑا مشکل ہے، بس اللہ جس کو بچائے وہی بچ سکتا ہے، لیکن ایسا نہیں کہ کوئی بچنے کی کوشش کرے، اسباب اختیار کرے، پھر بھی نہ بچ سکے، اور شیطان کے شر سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اتباع شریعت اور اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے، بس

اتباع سنت ہی سے شیطان سے حفاظت ہو سکتی ہے۔لیکن شریعت وسنت کا ہر ایک کو علم کہاں! اور پھر سنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اور شریعت کا مقصد و مقتضیٰ ہر ایک کو کہاں معلوم! اس لیے کسی اپنے بڑے اور شیخ سے پوچھ کر کام کرنا بہت ضروری ہے،اس کے بغیر خطرہ ہے۔

جب تک آدمی شریعت کے حصار میں رہے گا، تب تک شیطان سے محفوظ رہے گا، جہاں ایک انچ ذرا ہٹا فوراً شیطان دبوچ لے گا،سنت کے راستہ سے ہٹا نہیں کہ شیطان کے جال میں پھنسا،اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔آمین۔

حصول تقویٰ کی ایک علامت

حُرُمَاتِ اللّٰهِ : اللہ تعالیٰ کے محترم احکام،یہ سارے احکام اس واسطہ بیان کئے گئے ہیں تاکہ تقویٰ اور خدا کا خوف پیدا ہو۔سارے احکام کا مقصود تقویٰ ہے،اور تقویٰ تو قلب کی صفت ہے، اور معلوم کیسے ہو کہ اس کے اندر تقویٰ ہے؟ اس کی علامت یہ ہے کہ جو شخص احکام الٰہی کا احترام کرتا ہو،اس کے اندر تقویٰ ہے اور یہ احکام ہی تقویٰ اور خوف خدا کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کی ضرورت

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ : آج کل اللہ تعالیٰ کی اور اس کے احکام کی عظمت نہیں،ماں باپ کی،دوست اور ساتھی کی عظمت تو ہے لیکن اللہ کی عظمت نہیں ورنہ جس کی عظمت دل میں ہو اور اس کی طرف سے کوئی منادی ندا دے پھر بھی اتنی غفلت اور بے توجہی؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کسی کا دوست آنے والا ہو اور معلوم ہو کہ فلاں دن فلاں وقت اتنے بجے والی گاڑی سے آرہا ہے تو وقت سے پہلے ہی اسٹیشن پر اس کو لینے کے لئے پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ دل میں اس کی عظمت ہے اور یہاں اللہ کا منادی پکارتا رہتا ہے لیکن

اطمینان سے بیٹھے رہتے ہیں، اس لئے کہ دل میں اللہ کی اور اس کے احکام کی عظمت نہیں، ایک شخص نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کیسے پیدا ہو، فرمایا اطاعت سے۔

نبوت کسبی شئ نہیں وہبی ہے

اَللّٰہُ یَصْطَفِی مِنَ الْمَلاَئِکَۃِ رُسُلاً : اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے۔

نبوت کوئی اختیاری چیز نہیں، اور نہ ہی یہ کسبی چیز ہے، نہ ہر ایک کے اندر اس کی صلاحیت ہوتی ہے، نہ ملائکہ میں ہر فرشتہ رسول ہوتا ہے، بلکہ بعض ملائکہ ہوتے ہیں جن کو اللہ اس کام کے لئے منتخب فرماتا ہے۔

اسی طرح انسانوں میں ہر انسان رسول نہیں ہوسکتا، جس کے اندر صلاحیت ہوتی ہے ایسے اوصاف ہوتے ہیں اللہ ان کو اپنے کام کے لیے رسول بناتا ہے، رسول ملائکہ میں بھی ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کو انبیاء تک پہنچاتے ہیں، اور انسانوں کے رسول کا کام یہ ہوتا ہے کہ دوسرے انسانوں تک اللہ کے احکام پہنچادیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کس کے اندر رسول بننے کی صلاحیت ہے اور کون اس کا اہل ہے اسی کا انتخاب کرتا ہے۔

جہاد کی تفسیر و تقسیم

وَجَاھِدُ وا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ : جہاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دین کے راستہ میں جس قسم کی ضرورت اور جیسے حالات ہوں اس کے مطابق عمل کیا جائے دشمن سے مقابلہ کی ضرورت ہو تو مقابلہ کیا جائے۔

جہاد تین طرح پر ہوتا ہے یا یہ کہو کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں: ایک دشمن کے مقابلہ میں جہاد اور ایک جہاد شیطان کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور ایک جہاد نفس سے ہوتا

ہے، کسی نے دشمن سے جہاد تو کیا لیکن نفس سے جہاد نہیں کیا یعنی اللہ کے محرمات سے نہیں بچا، نماز نہیں پڑھی تو اس نے جہاد کا حق ادا نہیں کیا، جہاد کا حق اسی وقت ادا ہوگا جب کہ ہر طرح سے جہاد کرے، یعنی جس وقت جیسی ضرورت ہو وہی جہاد کرے، نفس اور شیطان سے تو ہر وقت جہاد مطلوب ہے بلکہ بڑا جہاد یہی ہے، غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کفار سے جہاد فرما کر واپس ہوئے تو فرمایا: جہاد اصغر سے ہم جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے، دشمن سے مقابلہ کرنے اور تلوار چلانے کو جہاد اصغر اور نفس سے جہاد کرنے کو جہاد اکبر فرمایا۔

مؤمن کی شان

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی علامت اور مؤمن کا وصف یہ ہے کہ اس کے اندر اطاعت وتسلیم کا مادہ ہونا چاہئے ہر بات میں آمَنَّا وَسَلَّمْنَا ہونا چاہئے، جی چاہے یا نہ چاہے، ہر حال میں ماننا چاہئے، اسی میں کامیابی ہے، جس کے اندر یہ وصف نہیں پایا جاتا اس کے ایمان میں نقص ہے اور وہ ناکام ہے۔

زبان سے نہیں عمل کر کے دکھلانا چاہئے

فَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ آگے فرمادیا کہ محض زبان سے کہنے کا اعتبار نہیں اعتبار تو عمل کا ہوتا ہے، اپنے عمل سے کر کے دکھلاؤ محض زبان سے کہنے کا کیا فائدہ، کہتے ہو کہ نماز کی پابندی کریں گے، تکبیر اولیٰ کا اہتمام کریں گے، لیکن نہیں کرتے۔

دین آسان ہے

مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ: دین میں تنگی نہیں، دین کی آسانی

کا حال اس وقت معلوم ہوتا ہے جب دوسری حکومتوں کے قوانین پر بھی نظر ہو، حکومت کے قوانین میں کتنی رعایت اور کتنی چھوٹ ہوتی ہے، نیز حکومت کے قوانین عقلی ہوتے ہیں اور عقلی اعتبار سے ان میں رعایت کردی جاتی ہے۔ فطرت کی رعایت نہیں کی جاتی، لیکن شریعت کے جو قوانین ہیں ان میں ہر ایک کی رعایت کی گئی ہے، اس کے قوانین انسانی فطرت کے مطابق ہیں، حالات کے پیش نظر ہر ایک کے لئے الگ الگ قانون ہے، انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے دنیا بھر کے جتنے قوانین ہیں ان کو دیکھا جائے پھر اس نظام کو دیکھا جائے جس کو شریعت نے بیان کیا ہے تب اندازہ ہوگا کہ واقعی شریعت میں کتنی آسانی ہے، تقابل اور موازنہ کے بعد ہی اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

نماز، زکوٰۃ کی اہمیت

نماز دین کی بنیاد ہے جو نماز کو قائم کرے گا وہ دین کے سارے احکام پر عمل کرے گا۔ نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، جب بندہ جان ومال اللہ کی راہ میں لگائے گا تو تمام احکام پر بھی عمل کرے گا اسی وجہ سے نماز اور زکوٰۃ کا خاص طور پر حکم دیا۔ بلکہ نماز قائم کرنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ دین کے سارے احکام پر عمل کرے۔

(سورۂ حج مکمل)

افاداتِ درسِ قرآن

سورہ مؤمنون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات درس قرآن

سورۂ مؤمنون

مخلوق کی خدمت اور اس کو ہلاکت سے بچانے کی اہمیت

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ .

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا کیونکہ جب عذاب آئے گا، جس سے سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے، ایسے وقت میں اپنی حفاظت کا سامان بھی تو ہونا چاہئے، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانا شروع کی تاکہ ایمان لانے والی مخلوق ہلاکت وتباہی اور اللہ کے عذاب سے بچ سکے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف نماز روزہ ہی عبادت نہیں، مخلوق کی خدمت کرنا اور ان کو تکلیف ومصیبت سے بچانے کی کوشش کرنا بھی انبیا کی سنت ہے، انبیا نے خود اس کام کو کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا، اس سے اس کام کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

کام کرنے والوں کے لئے تسلی

بعض روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور کشتی میں بیٹھنے والوں کی تعداد صرف اسّی تھی، حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ فرمائی لیکن صرف اتنے لوگ ماننے والے ہوئے، اس سے کام کرنے والوں کو تسلی ہوتی ہے اور سبق ملتا ہے کہ اپنا کام کرتے رہنا چاہئے، ہدایت دینا ہمارا کام نہیں، اللہ جس کو چاہے گا ہدایت دے گا، جس کی قسمت میں ہوگا ہدایت قبول کرے گا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انبیا نے کتنا صبر کیا ہوگا، جب آدمی صبر وتحمل کرتا ہے، مخلوق کی کڑوی کسیلی سب سنتا ہے، سب کچھ برداشت کرتا ہے، تب کہیں جا کر کام ہوتا ہے اور تب ہی اللہ کی مدد آتی ہے۔

حصولِ نعمت کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے

فَقُلِ الحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ نَجَّانَا مِنَ القَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ :

جب حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ کشتی پر بیٹھ گئے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی تعریف کریں، اس کا شکر کریں کہ اس نے ہم کو نجات نصیب فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک جب کسی کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو وہ اللہ کی حمد کرے، اس کا شکر ادا کرے، آج کل خوشی کے موقع پر مٹھائیاں تو تقسیم ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں ادا کیا جاتا، اللہ کی حمد نہیں کی جاتی، شکر کی نماز کوئی نہیں پڑھتا، ساتھیوں کو مٹھائی کھلا دینے سے کیا اللہ کا شکر ادا ہوتا ہے؟ نعمت کے وقت تو اللہ کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اکل حلال کی اہمیت

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحاً.

اس آیت میں رسولوں کو رزق حلال کا حکم دیا گیا ہے، جب رسولوں کو رزق حلال کا مکلّف بنایا گیا ہے تو دوسروں کے لئے بھی بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا، اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کو بڑے لوگ کرنے لگتے ہیں تو چھوٹوں پر اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے، اگر بڑے لوگ اینٹیں ڈھونے لگیں تو چھوٹے بھی ڈھونے لگیں گے، جامع العلوم کانپور میں اساتذہ بھی جماعت میں نکلتے ہیں، اس لئے چھوٹوں اور طلبہ پر نکلنا آسان ہے، اور ہونا بھی یہی چاہئے، اس واسطے رسولوں کو رزق حلال کا حکم دیا گیا تاکہ امت بھی اس کو اپنائے اور امت کے لئے یہ عمل آسان ہو جائے، انبیاء علیہم السلام تو اکل حلال کا اہتمام کرتے ہی ہیں، لیکن ان کو حکم دے کر امت کو ترغیب مقصود ہے۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں امت

کو بھی حکم دیا گیا ہے یَاایُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْامِنْ طَیِّبٰتِمَارَزَقْنٰکُمْ۔

رزق حلال کی اہمیت

آگے فرمایا: وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی رزق حلال کھاؤ اور اعمال صالحہ کرو۔
رزق حلال کی بدولت اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی ہے اور اگر رزق حلال نہ ہو تو اعمال صالحہ کی توفیق نہیں ہوتی یا اگر کچھ اعمال کر بھی لئے تو وہ صالح اور مقبول نہ ہوں گے، کیونکہ عمل صالح اس کو کہتے ہیں جو جنت کی طرف لے جانے والا ہو، ورنہ وہ عمل صالح نہیں، اعمال صالحہ ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ اکل حلال نہ ہو، اعمال صالحہ کے لئے حلال روزی کا ہونا ضروی ہے۔

رزق حرام کی نحوست

حرام روزی کے ساتھ نہ تو عبادت مقبول ہوتی ہے نہ دعا قبول ہوتی ہے، اگر روزی حلال نہیں تو عمل پاکیزہ ہو نہیں سکتا، ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ جسم جو حرام روزی سے پلا ہو وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے، کُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ کَانَتِ النَّارُ أَوْلٰی بِھَا، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ پراگندہ اور خستہ حال ان کے ہوں گے، بال بکھرے ہوئے ہوں گے، انہیں کو دیکھ کر ترس آئے گا، وہ رو رو کر دعائیں کریں گے، اور گریہ وزاری کریں گے، بڑی تواضع اور انکساری کے ساتھ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہیں گے اَللّٰھُمَّ اَللّٰھُمَّ یَا رَبِّ یَارَبِّ چلا چلا کر دعائیں کریں گے یعنی ظاہری سارے اسباب ایسے جمع ہوں گے جن سے دعائیں قبول ہو جائیں، لوگوں کو بھی ان کا حال دیکھ کر رونا آجائے، لیکن حدیث میں آتا ہے " وَمَاکَلُہٗ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ، مُلْبَسَہ، حَرَامٌ یعنی ان کا کھانا حرام، پینا حرام لباس حرام "فَانّٰی یُسْتَجَابُ لذلک" پھر کہاں ان کی دعا قبول ہو سکتی ہے۔
صحیح مسلم (۱۵۔۱) الترمذی (۲۹۸۹ و أحمد ۲/ ۲۲۸) (مسلم، ترمذی)

لیکن آج کل اس کا اہتمام نہیں، اس کی طرف سے بڑی بے فکری ہے، عبادات، نوافل اور معمولات کا تو اہتمام ہے لیکن رزق حلال کا جیسا اہتمام ہونا چاہئے نہیں ہے، کتنے ہیں! تسبیح گھمانے والے جن کی تہجد، اشراق نہیں چھوٹتی، لیکن دوسروں کی زمین دبائے پڑے ہیں، حرام روزی کے ساتھ تو نہ عبادت مقبول ہے نہ دعا قبول ہوسکتی ہے، اس لئے ہر شخص کو حلال روزی کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کی تدبیر اختیار کرنا چاہئے۔ حلال روزی کی مثال ایسی ہے جیسے کشتہ، کہ مقدار میں تو بہت تھوڑا ہوتا ہے لیکن طاقتور بہت ہوتا ہے، ایسے ہی رزق حلال گو تعداد میں تھوڑا ہو لیکن کشتہ کا کام کرتا ہے، اس میں قوت ہوتی ہے برکت ہوتی ہے، صحابہ کو دیکھو! آدھا کھجور کھا کر، گٹھلی چوس کر کفار کا مقابلہ کرتے تھے، اور تنہا ایک آدمی ایک ہزار کا مقابلہ کر لیتا تھا، یہ رزق حلال کی برکت تھی۔

حرص وبخل کی مذمت

اگر اللہ کسی کو پیسہ دے تو دل بھی دے، اسی ضمن میں فرمایا محض مال کمانے سے کیا فائدہ؟ اگر اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہ کرے، ایسا شخص تو مال کا حریص اور دنیا سے محبت کرنے والا ہے، اس کا دل تو ہمیشہ یہی چاہے گا کہ کہیں سے مال اور مل جائے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ حریص آدمی کو اگر دو وادیاں بھی مال سے بھری ہوئی مل جائیں تب بھی اس کا پیٹ نہ بھرے گا اور وہ تمنا کرے گا کہ تیسری بھی مل جائے۔

یہ تو دنیا کے پیچھے پڑنا ہوا، اللہ نے پیسہ دیا ہو تو دین کے نام پر خوب خرچ کرے، غریبوں کی، بیواؤں کی، یتیموں کی مدد کرے، گجراتیوں میں یہ بات میں نے بہت دیکھی ہے، اللہ نے ان لوگوں کو مال بھی خوب دیا ہے اور وہ لوگ دین کے نام پر خرچ بھی خوب کرتے ہیں۔ اور ایک ایک آدمی تنہا پورے مدرسہ کا خرچ برداشت کرتا ہے، اور یہاں کسی کو توفیق ہی نہیں ہوتی، دین کے نام پر خرچ کرنا جانتے ہی نہیں، یہ

میری بدعملی کا نتیجہ ہے، ورنہ یہاں کیا نہیں ہوسکتا، لوگ ایک مدرس کی تنخواہ تو پوری نہیں کر پاتے، نوبت یہاں تک آجاتی ہے کہ چھوٹا سا مکتب وہ بھی بند ہوجاتا ہے، اور وہاں تنخواہیں بھی خوب ہوتی ہیں اور لوگ خوشی سے دل کھول کر دیتے بھی خوب ہیں۔

حضرت اقدس کے ایک عزیز کا واقعہ

اسی مناسبت سے حضرت نے اپنے ایک عزیز کا واقعہ بیان فرمایا کہ اللہ نے ان کو دولت دی تھی، زمین بھی اچھی خاصی تھی، انہوں نے سب تقسیم کرڈالی، تھوڑی سی باقی رکھ چھوڑی، ان کا حال یہ تھا کہ جتنی بھی آمدنی ہوتی وہ سب دوسروں پر خرچ کرڈالتے، جتنے بھی مسافر، پردیسی ہوتے سب کے کھانے کا اہتمام اور انتظام کرتے اور ان کے مال میں اللہ نے برکت بھی بہت دی تھی، مہمانوں کا بھی خرچ برداشت کرتے تھے، مسجد کا بھی پورا خرچ خود ہی برداشت کرتے تھے، آدمی اگر کرنا چاہے اور کوشش کرے تو سب کچھ کرسکتا ہے، اور حریص آدمی کا تو کبھی پیٹ بھرہی نہیں سکتا، مال کی دو وادی بھی اس کے لیے کافی نہ ہوں گی تیسرے کی فکر میں رہے گا۔

عجیب واقعہ

انہیں کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ جب ان کی بیوی کا انتقال ہوا، تجہیز و تکفین اور تدفین سے جب فارغ ہوئے تو قبر پر اپنی بیوی کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ''گھبرانا نہیں میں بھی تین روز بعد آتا ہوں''، چنانچہ ٹھیک تین روز کے بعد اپنی اولاد کو بلایا نصیحت وصیت کی اور تیاری کرکے لیٹ گئے، انتقال ہوگیا، عجیب آدمی تھے۔

تقویٰ سے متعلق ایک واقعہ

انہیں کا واقعہ ہے کہ ان کے تقوی کی یہ حالت تھی کہ ان کے بیل جب کھیتوں

میں جاتے تو بیلوں کے منھ میں جابا (مسکہ) باندھ دیتے تا کہ دوسرے کے کھیت میں منھ نہ ڈال دیں، اس قدر احتیاط کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بہت جلدی تھی جلدی کی وجہ سے جابا نہ باندھ سکے، اتفاق کی بات اسی دن بیل نے دوسرے کے کھیت میں منھ ڈال دیا، اور دوسرے کے گیہوں کا ایک پوداا کھاڑ کر کھانے لگا، انہوں نے فوراً اس کے منھ سے نکال لیا اور اس کو لے کر کھیت والے کے پاس گئے اور اس پودے کو دکھلا کر کہا کہ یہ میرے بیل نے آپ کے کھیت کا نقصان کیا ہے، اس کے بدلہ میں چاہے پیسہ لے لو یا جو تمہارا جی چاہے، اس سے معافی مانگی، کھیت والا غیر مسلم تھا وہ تو پیروں میں گر پڑا اور کہا کہ سرکار! سب کچھ آپ ہی کا تو ہے، یہ ان کے تقویٰ کا عالم تھا۔

ایک مفید مراقبہ جس کا مکلّف ہر مسلمان ہے

اِنّیِ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ. یہ ایک مفید مراقبہ ہے کہ ہر عمل سے پہلے یہ سوچ لے کہ میرے عمل کو اللہ تعالیٰ دیکھنے والا اور جاننے والا ہے، وہ میری ہر حرکت اور ادا کو دیکھ رہا ہے، عبادت کے اندر بھی یہ مفید ہے کہ جب عبادت کرو تو یہ مراقبہ (تصور) کرو کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے، یہ استحسانی کیفیت ہے، جو مطلوب ہے، حدیث پاک میں آیا ہے: "أنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ" یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد تو ضرور ہونا چاہے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے، ہر عمل سے پہلے اگر آدمی یہ سوچ لے تو بہت سے گناہوں سے بچ سکتا ہے بلکہ ہر گناہ سے بچنے کا علاج یہی ہے۔

تو اب ترتیب یہ ہوگی کہ حلال روزی کھاؤ تا کہ اعمال صالحہ کی توفیق ہو، اور اعمال میں قبولیت کی شان اور ان میں جان اس وقت پیدا ہوگی جب کہ استحسانی کیفیت پیدا ہو جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

نیک بیوی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے

دوران درس ایک چھوٹی بچی حضرت کے گھر سے ایک پیالہ میں دودھ حضرت کے لیے لائی، حضرت نے فرمایا میری صحت ٹھیک نہیں رہتی، سانس بھی پھولتی ہے، بولنا چلنا اور بھی دشوار ہوتا ہے، دواوغیرہ بھی فائدہ نہیں کرتی بلکہ نقصان کر جاتی ہے، اس لیے سب بند کر دیا ہے، اگر فائدہ کرے تو استعمال بھی کروں، اتنے دن سے کھا رہا ہوں کچھ فائدہ نہیں، الجھن اور بڑھ جاتی ہے، اب تو اللہ کے نام پر سب کچھ چھوڑ دیا، کتنے امراض نے مجھے گھیر لیا، اب تو میں اپنے اللہ سے مہلت لے کر چل رہا ہوں، جب تک مہلت مل جائے، جب تک گاڑی چل جائے، آج رات بھر سویا نہیں، درد کی وجہ سے کراہتا رہا، میرے گھر میں بھی میری وجہ سے رات بھر سوئیں نہیں، رات بھر جاگتی رہیں، اب صبح پینے کے لیے دودھ بھیجا ہے، ہم لوگوں کے گھروں میں دودھ ہی سب کچھ ہے، سمجھتے ہیں کہ بیماری میں اس کے پینے سے فائدہ ہو گا، طاقت آئے گی، حالانکہ ڈاکٹروں نے مجھے دودھ استعمال کرنے سے منع کیا ہے، حضرت نے فرمایا اگر کسی کی بیوی نہ ہو تو کوئی اسے پوچھتا اُوچھتا نہیں، بیوی ہی ہے کہ خوشی غمی ہر موقع پر ساتھ دیتی ہے، نیک بیوی اللہ کی بڑی نعمت ہے!!!

اپنی ذات اور نفس کے لئے بدلہ نہ لینا

شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی اہم دعا

وَقُلْ رَّبِّ أَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر تبلیغ فرماتے رہے لیکن کفار مکہ برابر تبلیغ کی مخالفت کرتے رہتے، آپ کے کام میں رکاوٹ پیدا کرتے، ہر طرح سے پریشان کرتے، ان سب کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ احسن طریقہ سے اس کا دفاع کیجئے یعنی اس کے بدلہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق کریمانہ کا برتاؤ

کریں، انتقام لینے کے درپے نہ ہوں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔

اللہ کے نیک بندوں صلحاء، اولیاء کا بھی یہی حال ہے کہ اپنی ذات کے لیے وہ کبھی انتقام نہیں لیتے، لیکن ایسا کر لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، غصہ اور جذبات کو قابو میں رکھنا مشکل ہوتا ہے، بعض حالات ایسے آتے ہیں کہ شیطان ورغلاتا ہے، نفس میں انتقامی جذبہ کا جوش پیدا کرتا ہے، اس وقت کے لیے فرمایا کہ یہ دعاء پڑھ لیا کیجئے تا کہ شیطان کے شر سے پوری حفاظت رہے: " رَبِّ اِنِّي أَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ يحْضُرُوْن ".

صبر کرنے والوں کو کامیابی کا پروانہ

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الفَائِزُوْنَ :

کفار مکہ مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی اسکیمیں بناتے اور سازشیں کرتے تھے، مسلمانوں کا ہنسی مذاق اڑاتے، ان کو ذلیل اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے اور مسلمان اس پر صبر کرتے تھے، کفار کے مذاق اڑانے اور تمسخر کرنے کی سزا ان کو ملے گی، اوپر کی آیات میں اس کا ذکر ہوا اور مسلمانوں کو ان کے صبر کا بدلہ دیا جائے گا اور صبر ہی کی وجہ سے ان کو کامیابی کا پروانہ ملا، اس آیت میں اسی کا ذکر ہے، اس سے صبر کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

علم اور علماء کا مذاق اڑانے والے

جیسے آج کل بھی لوگ مولویوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ٹرین میں بیٹھو تو دیکھو کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں، مجھے بھی کئی مرتبہ ایسا سابقہ پڑ چکا ہے، علم دین پڑھانے والوں کا مذاق بھی اڑاتے ہیں اور ان کو ذلیل بھی سمجھتے ہیں، اڑاتے رہیں مذاق جتنا اڑانا ہو سب کو وہیں پتہ چلے گا، بسا اوقات ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں اور ان باتوں سے واقعی روحانی

تکلیف ہوتی ہے، جی چاہتا ہے کہ منھ نوچ لیں لیکن صبر کیا جاتا ہے، اس صبر کا بدلہ انشاءاللہ آخرت میں ملے گا۔ اور جو لوگ مولویوں کو ذلیل سمجھتے ہیں سب کو قیامت میں پتہ چلے گا۔

علم دین پڑھنے پڑھانے کی اہمیت

میں نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ قیامت میں جب اہل علم کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اس وقت ان کے پلڑے میں ایک چیز ڈال دی جائے گی، نہ وہ عمل ہوگی، نہ ایسی کوئی خاص چیز ہوگی لیکن اس کے ڈالتے ہی ترازو کا پلڑا نیچے کو جھک جائے گا اور دوسرا پلڑا ہوا کی طرح اڑنے لگے گا، اور جو چیز ڈالی جائے گی وہ یہی علم پڑھنا پڑھانا ہوگا، جسکو لوگ آج کل ذلیل وحقیر کام سمجھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ صرف یہی اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اور حکومتیں اس کے آگے ہیچ ہیں لیکن لوگوں کو اس کی قدر نہیں، آج کل تو حکومت کی کرسی اور عہدے کی قدر ہے اور عہدوں اور کرسیوں کو چھوڑ کر ٹاٹ اور بورئے میں بیٹھنا کون پسند کریگا، ہوائی جہاز میں اڑنا اچھا لگتا ہے، جھونپڑیوں میں بیٹھنا کس کو اچھا لگے گا۔

قیامت میں اعمال کے تولے جانے کی صورت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت میں اعمال کی پیشی اس طریقہ سے ہوگی کہ اعمال کو جسم کی شکل دیدی جائے گی اور ان اجسام کو تولا جائے گا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خود انسان ہی کو تولا جائے گا اور اسی سے اعمال کی ناپ تول ہو جائے گی یعنی اعمال کے اعتبار سے انسان کا وزن گھٹ بڑھ جائے گا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان اعمال ہی کو تولا جائے گا، اس میں اشکال واستبعاد کی کیا بات ہے؟ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے، اور اس زمانہ میں تو اس کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں، جب سردی گرمی، حرارت و برودت، بخار اور بلڈ پریشر کی ناپ ہو سکتی ہے، تو اعمال کی ناپ کیوں نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے!!! (تمت سورۂ مؤمنون)

افاداتِ درسِ قرآن

سورۂ نور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات درسِ قرآن سورۂ نور

واقعۂ افک

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُ وْ ا بِالْاِ فْکِ الخ .

قصۂ افک مشہور ہے، غزوہ بنی المصطلق میں یہ واقعہ پیش آیا، اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، سفر سے واپسی کے وقت حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئی تھیں اور اسی درمیان قافلہ روانہ ہو گیا، حضرت عائشہؓ کی سواری کے لئے ایک ہودج تیار کیا گیا تھا جس میں حضرت عائشہؓ بیٹھ جاتیں اور اس ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا جاتا ہودج پر پردہ پڑا رہتا تھا، حضرت عائشہؓ ہلکی پھلکی تو تھیں ہی، صحابہ سمجھے کہ حضرت عائشہؓ ہودج کے اندر بیٹھی ہوئی ہیں اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا گیا اور قافلہ واپس ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ چل دیئے اور کسی کو نہیں معلوم کہ حضرت عائشہؓ بھی جنگل ہی میں ہیں، جب واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ رخصت ہو چکا ہے اس وقت انہوں نے یہ بڑی عقلمندی کی کہ اسی جگہ ٹھہر گئیں اور سوچیں کہ جب لوگ مجھ کو نہ پائیں گے اسی مقام پر تلاش کریں گے چنانچہ حضرت عائشہؓ ایک درخت کے نیچے لیٹ گئیں اور آپ کی آنکھ لگ گئی۔

حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کہیں کوچ کرنا ہوتا تو فجر سے پہلے ہی سفر شروع فرماتے اور ایک دو صحابی کو حکم دیتے کہ وہ ٹھہر جائیں اور فجر بعد خوب روشنی ہو جانے کے بعد روانہ ہوں تا کہ راستہ میں گرا پڑا اگر کوئی سامان رہ گیا ہو تو اس کو اٹھا لیں، چنانچہ حسب معمول حضرت صفوانؓ واپس ہو رہے تھے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے پڑا کوئی سو رہا ہے حضرت عائشہؓ اوڑھنی ڈالے سو رہی تھیں، اور چہرہ مبارک کھلا ہوا

تھا، حضرت صفوانؓ نے پردہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تھا، اسلئے فوراً پہچان گئے کہ یہ حضرت عائشہؓ ہیں، "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ". پڑھا، حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بخدا صفوان سے بجز اِنَّا لِلّٰهِ الخ کے اور کوئی دوسرا لفظ میں نے نہیں سنا۔

حضرت عائشہؓ نے پردہ فرمایا، حضرت صفوانؓ نے اُونٹ قریب کر کے بٹھا دیا اور علاحدہ ہو گئے حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہو گئیں اور حضرت صفوانؓ اُونٹ کی نکیل پکڑ کر چل دئے، دوپہر کے وقت جبکہ قافلہ والے اپنے مقام تک پہونچ چکے تھے اس وقت حضرت عائشہ پہنچیں۔

منافقین کو موقع مل گیا انہوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانا شروع کر دی منافقین کی ایک جماعت تو شریک تھی ہی، حضرت مسطح بن اثاثہؓ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قریبی رشتہ دار تھے وہ بھی اس جال میں آ گئے تھے، واقعہ بڑا مفصل ہے، حدیث پاک میں اس کی تفصیل آئی ہے، ان آیات میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

حضور ﷺ اور علم غیب

دوران درس موقع کی مناسبت سے حضرت نے فرمایا کہ اتنا سب کچھ پیش آیا، حضرت عائشہؓ ابھی جنگل میں ہیں، ہودج اٹھا کر رکھ دیا گیا، قافلہ روانہ ہو گیا، حضور ﷺ بھی چل دئے اور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ نے اس بات کو جانتے ہوئے بھی کہ حضرت عائشہؓ موجود نہیں ہیں پھر بھی آپ نے اطلاع نہیں کی، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی ہوتا تو آپ اس وقت فرما دیتے کہ ابھی ٹھہرو! عائشہ موجود نہیں ہیں، اس کے بعد پھر جو طوفان برپا ہوا، منافقین نے کس قدر بدنام کیا، اس وقت تک حضور ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا کہ یہ الزام غلط ہے، بالکل جھوٹ

ہے، تہمت ہے، پھر جب برأت کی آیات نازل ہوئیں، اس وقت حضور ﷺ نے ان آیات کو پڑھ کر سنایا، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مَاکَانَ مَایَکُوْنُ ، ذرہ ذرہ، چپہ چپہ کا علم تھا اور پھر بھی حضورؐ نے نہیں فرمایا کہ عائشہ موجود نہیں، ساری پریشانیاں آئیں، نبی کی بیوی ام المومنین متہم کی جارہی ہے، ایسے وقت بھی آپ خاموش رہے، نعوذ باللہ یہ تو حضورؐ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔

حضور ﷺ کیلئے علم غیب کلی ہونے کا عقیدہ آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے

حضور ﷺ کی زندگی میں بکثرت ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کو عالم الغیب مان لیا جائے تو آپ پر سخت قسم کا اعتراض واقع ہوگا اور آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہوگی مثلاً ایک تو یہی واقعہ۔

دوسرا واقعہ

جنگ احد کے موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو مخصوص جگہ متعین فرما کر مقرر فرما دیا کہ اس جگہ سے ہٹنا نہیں، یہاں سے دشمن کے حملہ کرنے کا خطرہ ہے، لیکن جب مسلمانوں کو کامیابی نظر آئی، ضرورت نہ سمجھ کر صحابہ نے وہ مورچہ چھوڑ دیا، اسی وقت دشمن کی ایک جماعت نے زبردست حملہ کر دیا، مسلمان نرغے میں آ گئے، صحابہ کی بڑی تعداد شہید ہوگئی، بہت سے زخمی ہوئے، حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔

جس وقت صحابہ نے وہاں سے ہٹنے کا ارادہ فرمایا تھا اسی وقت حضور ﷺ آ کر منع فرما دیتے یا کسی سے اطلاع بھیج دیتے کہ خبردار! وہاں سے ہٹنا نہیں! لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا، اس کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ نے جان بوجھ کر یہ سب

کروایا اور چاہا کہ صحابہ شہید ہو جائیں۔

جیسا کہ آج کل سیاسی لوگ اسطرح کی چالبازیاں کیا کرتے ہیں کیا، حضور ﷺ آج کل کے لوگوں کی طرح لیڈر ہیں؟ غور تو کرو کہ علم غیب کلی مان لینے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کیسے کیسے اعتراض وارد ہوں گے۔

تیسرا واقعہ

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری بستی میں دین اور قرآن سکھانے کیلئے صحابہ کو بھیج دیجئے۔ حضور ﷺ نے بڑے جید حفاظ و قراء کو بھیج دیا اور ان لوگوں نے ان تمام صحابہ کو لے جا کر شہید کر ڈالا، حضور ﷺ کو سخت صدمہ ہوا، کافی عرصہ تک آپ ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو آپ ﷺ کیوں صحابہ کو بھیجتے؟ کیا نعوذ باللہ آپ ﷺ نے جانتے ہوئے بھی ستر صحابہ کو شہید کروایا؟۔

چوتھا واقعہ

اسی طرح ایک واقعہ اور بھی ہے، جس کا تذکرہ سورہ حجرات میں آیا ہے جس میں قریب تھا کہ صحابہ آپس میں قتال کر بیٹھتے، حضور ﷺ نے زکوۃ کی وصول یابی کے لئے ایک قبیلہ کے پاس ایک صحابی کو بھیجا، ان صحابی کی اس قبیلہ والوں سے اسلام لانے سے پہلے کچھ لڑائی چلا کرتی تھی، قبیلہ والوں کو جب اسکا علم ہوا کہ حضور ﷺ کے فرستادہ آنے والے ہیں وہ لوگ اشتیاق میں استقبال کیلئے بستی سے باہر تشریف لائے، ان صحابی نے دور سے دیکھ کر سمجھا کہ یہ مجھ سے لڑنے کیلئے باہر آئے ہیں، یہ زکوۃ تو کیا دیں گے مجھ کو شہید کر ڈالیں گے، واپس جا کر حضور ﷺ سے شکایت کی حضور ﷺ نے حضرت خالد بن

ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ فرمایا، ادھر قبیلہ والوں کو افسوس تھا کہ حضور ﷺ کے فرستادہ کیوں نہیں آئے، وہ خود ہی زکوۃ لے کر حاضر ہورہے تھے، راستہ میں حضرت خالدؓ سے ملاقات ہوگئی اور حقیقت کا انکشاف ہوا، بدگمانیاں دور ہوئیں، حضرت خالدؓ واپس تشریف لے آئے اور آکر حضور ﷺ سے پورا قصہ عرض کیا، اس وقت سورۂ حجرات کی آیات نازل ہوئی تھیں۔

اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو آپ پہلے کیوں نہ فرمادیتے؟ حضور ﷺ کی ذات پر کتنا بڑا اعتراض ہوتا ہے کہ جانتے ہوئے بھی قریب تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کو آپس میں لڑادیتے اور خون خرابہ ہوتا۔

پانچواں واقعہ

اسی طرح سے ایک واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع کا ہے جس وقت یہ خبر مشہور ہوئی تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کردئے گئے، مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی، اسی موقع پر حضور ﷺ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ سے بیعت لینا شروع فرمادی، یہ بیعت اسی واسطے تھی کہ ہم کفار سے حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لیں گے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، حضور ﷺ کو اگر علم غیب ہوتا اور آپ ﷺ کو اسکا علم ہوتا کہ حضرت عثمانؓ شہید نہیں کئے گئے تو آپ ﷺ کو غلط فہمی کیوں ہوتی؟ آپ ﷺ بیعت نہ فرماتے، آپ ﷺ فرمادیتے کہ یہ واقعہ غلط ہے، عثمانؓ تو وہاں بیٹھے ہیں۔

حضور ﷺ کیلئے علم غیب کلی کا عقیدہ یہودیوں کی سازش ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خفیہ سازش اور سوچی سمجھی تدبیر ہے جو اسلام اور

مسلمانوں کے خلاف کی گئی ہے کہ حضور ﷺ کی تعریف ایسے انداز میں کرو کہ مسلمان تو تعریف میں مگن رہیں اور حضور ﷺ کی ذات پر اعتراضات خود بخود ہوتے چلے جائیں، یہ سازش یہودیوں کی معلوم ہوتی ہے اور یہ بہت پرانی سازش ہے کہ حضور ﷺ کی اسطرح تعریف کرواور اتنا بڑھاؤ کہ خود ان کی ذات متہم ہو جائے حضور ﷺ کے لئے جب علم غیب کلی ثابت کیا جائیگا، تو اسکا مطلب یہی ہوگا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ نے جانتے ہوئے بھی ستر صحابہ کو مروا ڈالا، ساز باز کر کے اپنے آدمیوں کو ختم کروا دیا، بہت سے واقعات میں آپ ﷺ کی ذات پر شدید قسم کا اعتراض ہوگا اور جو شخص ایسا ہو وہ مقتدا اور پیشوا اور نبی نہیں ہوسکتا، یہی یہودیوں کی سازش تھی۔

لیکن بعض مسلمان اتنے بھولے بھالے سیدھے سادھے ہیں کہ ان کی سازش میں آکر پھنس گئے، دوسری طرف ان کا ذہن ہی نہیں گیا کہ علم غیب کلی مان لینے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ البتہ غیب کی وہ باتیں جن کا تعلق دین سے ہے وہ آپ ﷺ کو سب بتلادی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی وہ حسب موقع بتلادیں۔

حضور ﷺ کی بڑائی علم غیب پر موقوف نہیں

اللہ کے رسول ﷺ کی بڑائی صرف اسی میں منحصر نہیں ہے کہ آپ کے لئے علم غیب کلی ثابت کیا جائے، ہمارا عقیدہ ہے کہ حسب ضرورت اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا تھا جتنا علم اللہ نے دیا ہے وہی بہت ہے کیا یہ کم علم ہے کہ ساری مخلوق اور تمام انبیاء میں سب سے زیادہ آپ کو علم دیا گیا؟۔

کیا حضور ﷺ کی تعریف اور آپ ﷺ کی بڑائی اسی میں ہے کہ آپ ﷺ کے لئے علم غیب کلی ثابت کیا جائے؟ آپ ﷺ کو اللہ کے مساوی اور برابر قرار دیا جائے؟ تب ہی آپ ﷺ کی بڑائی ہوگی، آپ ﷺ کی بڑائی تو ہر ہر قول وعمل سے ظاہر ہوتی ہے، آپ ﷺ کی

زندگی کا ایک ایک واقعہ آپ ﷺ کی بڑائی ظاہر کر رہا ہے کیا، آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ آپ ﷺ کا عملی کردار ایسا نہیں ہے؟ جس سے آپ ﷺ کی تعریف اور بڑائی ظاہر ہوتی ہو۔؟

کیا حضور ﷺ کو علم غیب کلی وفات سے پہلے دے دیا گیا تھا؟

ایک طالب علم نے عرض کیا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب واقعات اس وقت کے ہیں جس وقت آپ ﷺ کو علم غیب کلی نہیں دیا گیا تھا اس لئے کوئی اعتراض نہیں، علم غیب کلی تو آپ ﷺ کو وفات سے قبل دیا گیا ہے اسلئے نہ کوئی تناقض اور نہ کوئی اعتراض۔

حضرت نے فرمایا یہ سب دھوکہ بازی چالبازی ہے جب یہاں پھنسے تو کہہ دیا گیا کہ وفات سے کچھ پہلے علم دیا گیا تھا، آخر اسکا کوئی ثبوت اور شرعی دلیل بھی تو ہونا چاہئے، عقیدہ کا مسئلہ بغیر کسی قطعی دلیل کے کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟۔

دوسری بات مسلم شریف کی ایک حدیث شریف میں آتا ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز بہت سے لوگ حوض کوثر پر میرے پاس تیزی سے آئیں گے اور میں ان کو جام کوثر پلانے کی کوشش کروں گا لیکن ان کو روک دیا جائیگا، حضور ﷺ فرمائیں گے "امتی امتی"، یعنی یہ میرے امتی ہیں، حضور ﷺ سے فرمایا جائیگا کہ" اِنَّکَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَکَ"۔ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیسی خرافات اور بدعات ایجاد کر رکھی تھیں۔

یہاں صاف صاف لَا تَدْرِيْ کہا جا رہا ہے کہ آپ نہیں جانتے چنانچہ اس کے بعد حضور ﷺ فرمادیں گے "سُحْقًا سُحْقًا" بھاگو بھاگو، تم کو ہلاکت ہو، تم کو ہلاکت ہو، یہاں بھی کہہ دیجئے کہ اس وقت علم غیب کلی نہیں تھا جنت میں داخل ہونے سے چند منٹ قبل دے دیا جائیگا۔

معمولی باتوں سے احتیاط نہ کرنے کا انجام

واقعۂ افک میں یہ نوبت کیوں آئی کہ نبی ﷺ کی بیوی متہم ہوئی، حضور ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا، بعد میں خود وہ صحابہ بھی نادم ہوئے جو اس سازش میں شریک ہو گئے تھے، یہ نوبت اسی وجہ سے آئی کہ جب آدمی معمولی معمولی باتوں سے احتیاط نہیں کرتا ہر بات میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے اور بات کرنے سے پہلے یہ نہیں سوچتا کہ اسکا انجام کیا ہوگا اور مجھ کو ایسی بات کہنی چاہئے یا نہیں، جب بغیر سوچے سمجھے، بغیر تحقیق کے کوئی بات کہہ دی جاتی ہے تو اسکی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ازواج مطہرات کی طرف بھی غلط بات منسوب کرنے لگتا ہے، یہ کتنی سخت بات ہے! اسلئے ضروری ہے کہ جب بھی کوئی بات کہے، کہنے سے پہلے سوچ لے کہ یہ بات کہنے کی ہے یا نہیں اور ادھر ادھر کی باتوں میں خواہ مخواہ نہ پڑے۔

حضور ﷺ کی وسعت ظرفی

اپنی ذات کیلئے انتقام نہ لینا

واقعۂ افک پیش آیا جس کے نتیجہ میں ایک ہنگامہ مچ گیا، طوفان برپا ہو گیا، لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کہیں، غلط افواہیں اڑائیں، حضور ﷺ کو کس قدر صدمہ ہوتا ہوگا! لیکن کبھی آپ ﷺ نے غصہ کا اظہار نہ فرمایا، نہ کسی کو برا کہا، نہ کسی سے لڑے جھگڑے، نہ بداخلاقی سے پیش آئے، کسی کی بیوی کے متعلق اس طرح کی باتیں کہی جائیں اور اس کی عزت کا مسئلہ ہو یہ کتنی بڑی بات ہے! لیکن مسئلہ چونکہ اپنی ذات کا تھا اس لئے اپنی ذات کے لئے حضور ﷺ نے غصہ نہیں فرمایا اور نہ انتقام لیا، پورا واقعہ

حدیث پاک میں موجود ہے :

تَخَلَّقُوْا بِاَ خْلَاقِ اللّٰہِ . یعنی اللہ کے اخلاق سے متصف ہوجاؤ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ میری بیٹی عائشہ کو تہمت لگانے میں مسطح بن اثاثہ بھی شریک ہیں جو آپ کے رشتے دار تھے اور غریب محتاج بھی تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی انکا خرچ برداشت کرتے تھے، جب یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی اس میں شریک ہیں تو قسم کھالی کہ مسطح بن اثاثہ پر خرچ نہ کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی ''وَلَایَاْتَلِ اُولُوْا الفَضْلِ مِنْکُمْ'' الآیۃ یعنی فضل والوں کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، بڑے لوگوں کا ظرف بھی بڑا ہونا چاہئے، کوئی کچھ بھی کرے، کہے سب کچھ پی جائے کسی بات کا اثر نہ لے اور رب العزت نے ان کی تربیت فرمائی اور فرمایا کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟ چنانچہ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم توڑی اور ان کو خرچ دینا شروع کردیا، یہ ہے ''تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰہِ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے تم بھی معاف کرو، کفار مشرکین اللہ تعالیٰ کو کیا نہیں کہتے، اللہ چاہے تو فوراً ان کو ہلاک کردے لیکن اللہ ایسا نہیں کرتا اور جن کو سزا دیتا ہے تو اس وقت اس کی حکمت کا مقتضی یہی ہوتا ہے تاکہ وہ اور زیادہ جرم نہ کریں یا دوسرے لوگ باز رہیں۔

بڑے آدمی کی پہچان اور اس کا معیار

وَلَایَاْتَلِ اُوْالُوالفَضْلِ مِنْکُمْ .... الخ :

صبر و تحمل، حلم و بردباری یہ وہ اوصاف ہیں جن سے آدمی ترقی کرتا ہے، جس آدمی کا جتنا زیادہ اونچا مقام ہوتا ہے اتنا ہی اسکا ظرف بھی وسیع ہوتا ہے اور یہ اوصاف حاصل ہوتے ہیں بڑے مجاہدے اور نفس پر چھری چلانے سے، نفس کے خلاف کوئی بات

پیش آئے اس کو برداشت کرلے، یہ ہے کمال کی بات! اچھے اچھے لوگ اس میں پھسل جاتے ہیں، تہجد پڑھنا آسان، نوافل کی پابندی کرنا آسان لیکن یہاں پر آکر تہجد پڑھنے والے بھی پھسل جاتے ہیں، یہاں تو وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جس نے اپنے نفس کو کچلا ہو، صبر وتحمل کی عادت ڈالی ہو، نفس پر چھریاں چلائی ہوں، آدمی کسی کو کوئی بات کہے اور اسکا اثر نہ ہو؟ نفس یوں ہی چھوڑ دے گا؟ وہ تو انتقام لینے کی کوشش کرے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی تھی ان میں حضرت ابوبکر صدیق کے ایک رشتہ دار مسطح بن اثاثہ بھی شریک ہو گئے جن کو حضرت ابوبکر صدیق ہی خرچ دیا کرتے تھے، جب ان کو اسکا علم ہوا کہ مسطح بھی اس میں شریک ہیں، قسم کھالی کہ ان پر کبھی خرچ نہ کریں گے، کس قدر غصہ ہوگا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو! اللہ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نفس کے خلاف کام کرنے کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ نے قسم توڑی اور خرچ دینا شروع کردیا۔

یہ آیت ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی: **ولایَاْتَلِ اُوالُو الْفَضْلِ مِنکم الخ**

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام بہت اونچا تھا اور جسکا جتنا اونچا مقام ہوتا ہے اسکا ظرف بھی اتنا بلند ہونا چاہئے، اس کے اندر تواضع وانکساری کے اوصاف پائے جانے چاہئے، اسی سے آدمی بڑا بنتا ہے اور یہی علامات ہیں آدمی کے بڑا ہونے کی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی حال تھا کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے میں شرکت کی تھی وہ لوگ بھی بعد میں حضرت عائشہؓ کے پاس آتے تھے اور مسائل دریافت کرتے تھے، حضرت عائشہؓ سب کو اچھی طرح جواب دیتی تھیں یہ سب ظرف کی باتیں ہیں۔

جولوگوں کومعاف کرتا ہےاللہ اس کومعاف کرے گا

آدمی کا جیسا معاملہ مخلوق کے ساتھ ہوگا اللہ تعالی کا بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوگا،تم دوسروں کو معاف کروگے، اللہ تم کو معاف کرے گا،تم دوسروں پر رحم کروگے اللہ تم پر رحم کرے گا، یہ مضمون تو حدیث شریف میں بھی آیا ہے،اس سلسلہ میں بہت سے واقعات بھی ہیں۔

ایک حکایت : کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا،لوگ ٹال مٹول کر کے معذرت کرتے تو مہلت دے دیتا،غریب محتاج اپنی مجبوری ظاہر کرتے تو اس کو درگذر کر دیتا،معاف کر دیتا،جس نے دیا دیا نہیں تو نہیں سہی،انتقال کے بعد اللہ تعالی نے بھی اسکے تمام گناہوں کو معاف کر دیا اور اسکے لئے جنت کا فیصلہ فرما دیا،اور کہا گیا کہ جب تم لوگوں کو معاف کرتے تھے آج ہم بھی تم کو معاف کرتے ہیں۔

ایک اور حکایت : ایک اور شخص کی حکایت لکھی ہے کہ وہ شخص تجارت کرتا تھا اور لوگوں سے کھوٹے اور خراب سکے بھی قبول کر لیتا تھا،جب اسکا انتقال ہوا دربار میں پیشی ہوئی تو اس سے کہا گیا کہ تمہاری عبادتیں مقبول،تمہاری خطائیں معاف جب تم لوگوں سے کھوٹے سکے قبول کر لیا کرتے تھے، آج ہم تمہاری کھوٹی عبادتیں بھی قبول کر لیں گے۔

دین کے واسطے عزت کی بھی قربانی دینا پڑتی ہے

غور کرنے کی بات ہے کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی پاکدامن عورت پر تہمت لگائی جاسکتی ہے، جب نبی کی بیوی کو متہم کیا جاسکتا ہے تو پھر کیا

نہیں ہوسکتا، کسی کا منھ تو پکڑا نہیں جا سکتا ذرا سی بات ہوئی فوراً الزام لگا دیا لیکن دین کے واسطے سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے، دین کے واسطے عزت کی بھی قربانی دینا پڑتی ہے، جب آدمی عزت کی قربانی دیتا ہے تب دوسروں کی عزت کی حفاظت کا سامان ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کتنی مصیبت برداشت کی لیکن ہمیشہ کیلئے آسانی ہوگئی اور تمام عورتوں کی عزت محفوظ ہوگئی، آئندہ اگر ایسی کوئی تہمت کسی پر لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر حد قذف اسی (۸۰) کوڑے لگیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ کا ظرف دیکھئے کہ انہوں نے سب کو درگذر کر دیا کسی سے انتقام نہیں لیا۔

اسی طرح کا یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے، ان کو بھی بھائیوں نے بہت تنگ کیا تھا، پورا واقعہ سورۂ یوسف میں ہے یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے بھائیوں سے انتقام نہیں لیا، سب کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی کی درخواست کی، حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی، انہوں نے بددعا نہ کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بدلہ نہیں لیا، یہ ایسے اوصاف ہیں جن کو اختیار کرنا چاہئے اور یہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں نفس پر مجاہدہ کرنے سے۔

ہر مؤمن کے ساتھ اچھا گمان رکھنا چاہئے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہر مؤمن کے ساتھ اچھا گمان رکھنا چاہئے، یہ نہیں کہ کسی نے کسی کے متعلق اگر کچھ کہا، فوراً اس کو مان لیا، کسی کے کہنے پر اور اڑتی ہوئی باتوں پر کسی سے بدگمان نہ ہونا چاہئے اور نہ ہی اس بات پر یقین کرنا چاہئے۔

حضرت تھانویؒ کا ظرف

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت تھانویؒ سے عرض کیا کہ فلاں شخص آپ کے متعلق اس اس طرح کی باتیں کہتا ہے مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس نے تو میرے سامنے کہا نہیں، البتہ تم کہہ رہے ہو، اس نے تو تکلیف پہنچائی نہیں، البتہ تم میرے سامنے کہہ کر مجھے تکلیف پہنچا رہے ہو، اگر کسی نے مجھ کو کچھ بھی کہا ہے اور آئندہ کہے گا میں نے سب کو پہلے ہی سے معاف کر دیا ہے، اگر تم سے برداشت نہیں ہوتا تو تم سے کس نے کہا تھا وہاں جانے کو؟ مت جایا کرو، اس طرح فرما کر اسکا منہ بند کر دیا، مجال نہیں تھی کہ ان کے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرے، ان کی مجلس غیبت، چغلی اور ادھر اُدھر کے تبصروں سے پاک وصاف ہوتی تھی۔

حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ

حضرت مدنیؒ جب گرفتار ہوئے تو کسی نے حضرت تھانویؒ سے کہا کہ مولوی حسین احمد مدنی گرفتار ہو گئے، اس گرفتاری کی خبر سن کر حضرت کو بہت صدمہ ہوا، کافی دیر تک خاموش رہے اور بعد میں فرمایا کہ اسی وجہ سے تو میں کہا کرتا تھا کہ انکا ظرف اتنا وسیع ہے کہ وہ سب کچھ جھیل لے جائیں گے، برداشت کرلیں گے، لیکن ان کے چاہنے والوں کا کیا حال ہوگا، وہ کس طرح برداشت کریں گے حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کے متعلق لوگوں نے کیا کیا اڑا رکھا ہے، حالانکہ دونوں میں بہت تعلق تھا اور محبت تھی، نظریاتی اختلافات اپنی جگہ پر تھے، لیکن ان سب کے باوجود ہر ایک کو دوسرے سے ہمدردی تھی، گہرا تعلق اور قلبی لگاؤ تھا، ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ تھانہ بھون تشریف لے گئے، حضرت تھانویؒ کو اس کا علم ہوا تو آپ خود قیام گاہ سے باہر تشریف لائے اور استقبال فرمایا۔

آپسی اختلافات اور اس کے حدود

اختلاف ہوجانا کوئی ایسی بات نہیں، گھر گھر میں اختلاف ہوجاتا ہے، بھائی بھائی میں اختلاف ہوتا ہے، خود انسان ہی کے اندر مختلف حالتیں ہوتی ہیں، آدمی کبھی کچھ سوچتا ہے اس کے بعد اس کی رائے تبدیل ہوجاتی ہے، کیا حضور کے گھرانہ میں اختلاف نہیں ہوا؟ صحابہ میں اختلاف نہیں ہوا؟ لیکن اختلاف کے حدود بھی تو ہیں، ایک دوسرے پر کچھ حقوق بھی تو ہیں، اختلاف ہوتو حد کے اندر رہے، اختلاف کی وجہ سے کسی کی حق تلفی نہ ہو، اختلاف ہونے کی صورت میں یہ باتیں تو ہم کو یاد رہتی ہیں کہ اس کو ہمارے ساتھ یہ کرنا چاہئے لیکن یہ ہم کو یاد نہیں رہتا کہ ہم کو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، اس نے کیا یا نہیں کیا وہ جانے، لیکن اس کے ساتھ ہم کو جو کرنا چاہئے یہ تو نہ بھولنا چاہئے، اگر یہ بات پیدا ہوجائے تو اختلاف بڑھ بھی نہیں سکتا لیکن یہی آج کل نہیں ہے۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب محدّث پانی پتیؒ کا واقعہ

اختلاف سے کوئی بچا نہیں، حضور ﷺ کے گھر میں بھی اختلاف ہوا ہے، حضرت عائشہؓ سے زیادہ کون دین دار ہوگا، لیکن وہاں بھی اختلاف اور ناراضگی کی صورتیں پائی گئیں۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ گھر میں کبھی اپنی بیوی سے ناراض ہوجاتے، خفا ہوکر گھر سے باہر تشریف لے آتے، گھر نہ جاتے، کھانا بھی نہ کھاتے، ان کی بیوی بے چین ہوجاتیں، پریشان ہوتیں، پڑھنے والے لڑکوں سے پوچھتیں کہ کھانا کھایا یا نہیں؟ لڑکے کہتے کہ کھالیا، پھر مزید اطمینان کے لئے پوچھتیں کہ صحیح صحیح بتاؤ کھایا یا نہیں؟ تم نے اپنی آنکھوں سے کھاتے ہوئے دیکھا، لڑکے بتلاتے کہ ہاں، تب جا کر

اطمینان ہوتا اور پھر خود کھانا کھاتیں، ورنہ وہ بھی کھانا نہ کھاتیں، یہ باتیں چھپتی نہیں ہیں، جب قاری صاحب کو معلوم ہوتا تو گھر تشریف لاتے اور فرماتے (یہ واقعہ سناتے ہوئے حضرت آبدیدہ ہوگئے) کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کرو! میری وجہ سے تم بھوکی رہی، میری وجہ سے تم نے کھانا نہیں کھایا اور افسوس فرماتے۔

گھر کے آپسی اختلافات سے بھی ترقی ہوتی ہے

جبکہ حدود کے اندر ہو

اس میں بھی آدمی کی ترقی ہوتی ہے کیونکہ اس میں نفس کشی ہوتی ہے، دنیا تو کمانے کی جگہ ہے، انسان کے حالات یکساں نہیں رہتے، نفس کو تکلیف بھی ہوگی راحت بھی ہوگی، ہمیشہ انسان کی ایک ہی حالت رہے ایسا ہو نہیں سکتا، ہمیشہ سردی ہی رہے یا ہمیشہ گرمی ہی رہے ایسا ہو نہیں سکتا، زمانہ کو قرار نہیں، حالات بدلتے رہتے ہیں، ہمیشہ سورج ایک ہی وقت پر طلوع ہو، یہ ہو نہیں سکتا، انسان کے حالات ہمیشہ یکساں رہیں، ترقی ہو نہیں سکتی، ہمیشہ صبح ہی رہے، کھیتی پک نہیں سکتی، ہمیشہ بارش ہی ہوتی رہے، غلہ اگ نہیں سکتا، دنیا کی ترقی ہو نہیں سکتی، حالات میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں کبھی دن ہے، کبھی رات، کبھی روشنی ہے، کبھی تاریکی، کبھی بارش ہے، کبھی خشکی، حالات بدلتے رہتے ہیں تو ترقی ہوتی ہے۔

گھر میں بھی انسان کے حالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے، مختلف حالات سے سابقہ پڑتا ہے، ان حالات سے گھبرانا نہیں چاہئے، صبر وہمت سے کام لینا چاہئے، دنیا میں کون ہے جس پر حالات نہ آئے ہوں اور جس پر ہمیشہ یکساں ہی حالات رہے ہوں، انبیاء ،اولیاء کے ساتھ بھی ایسے حالات آئے ہیں، ان کی حالت بھی یکساں نہیں رہی، جب انبیاء

اولیاء نہیں بچ سکے تو کون بچ سکتا ہے، اس قسم کے حالات میں بھی انسان کو ترقی ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، بشرطیکہ صبر و ہمت سے کام لے اور شریعت کی پابندی کرے۔

اختلاف کے موقع پر ہم کو کیا دیکھنا چاہئے؟

اختلافات ہوتے رہتے ہیں لیکن ایسے موقع پر ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ فلاں نے غبن کیا، دھوکا دیا، خیانت کی، ہمارے فلاں بھائی یا رشتہ دار نے ہمارے ساتھ بدخواہی کی، تکلیف پہنچائی، ہماری مخالفت کی، ہم سے لڑائی کی، ہم کو ستایا، پریشان کیا، سب باتیں اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں لیکن ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ دوسری نسبت بھی اسکے ساتھ لگی ہوئی ہے، وہ اللہ کی مخلوق ہے، اس کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، وہ اللہ کا بندہ ہے، اس نسبت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، پھر ہماری بھی تو اس سے کچھ نسبت ہے، ہمارا رشتہ میں کچھ لگتا ہے، بھائی ہے، بیوی ہے، کوئی دور کا رشتہ دار ہے، اگر اس نے ہمارے ساتھ بدسلوکی کی ہے تو ہم کو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، اگر ہمارے حقوق اس پر ہیں اور اس نے ہمارے حقوق تلف کئے تو اس کے بھی تو ہمارے اوپر حقوق ہیں، اگر اس نے ہمارے حقوق تلف کئے تو کیا ہم بھی ایسا کریں؟ اس نے غلطی کی تو کیا ہم بھی غلطی کریں؟ پھر ہم میں اور اس میں کیا فرق رہا؟ اور اگر رشتہ دار نہیں ہے تو کچھ نہ سہی، انسان اور مسلمان ہونے کے ناتے بھی تو ایک دوسرے پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، صرف اپنے ہی حقوق حاصل کرنیکی کوشش میں نہ رہے، یہ بھی دیکھے کہ ہم کو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟

بے پردگی فتنوں کی جڑ، اور بے حیائی آج کل کا فیشن ہے

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ الآية .

ان آیات میں مردوں، عورتوں کو نگاہ کی حفاظت اور نگاہ کو پست رکھنے کا حکم دیا

گیا ہے، سارے فتنے اسی بدنگاہی اور بے پردگی سے پیدا ہوتے ہیں، جب بھی گناہ ہوتا ہے پہلے نگاہ کا قصور ہوتا ہے، اسی لئے نگاہوں کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن آج کل کے ماحول ومعاشرہ میں بے پردگی کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، اس کی قباحت لوگوں کے ذہنوں میں نہیں باقی رہی، جو چیز ماحول ومعاشرہ میں رائج ہوجائے اور معاشرہ میں جسکو بری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اس کی قباحت باقی نہیں رہتی، گندگی اور بدبو کے ماحول میں بدبو، بدبو نہیں معلوم ہوتی، آج کل کالجوں، اسکولوں کے ماحول میں لڑکی لڑکے سے دوستی کرتی ہے، ساتھ میں ٹہلتی ہے اور اسکول میں اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا، لڑکی کا دوست گھر آتا ہے اور لڑکی کی ماں بے حیا ہوکر پراٹھے پکا کر کھلاتی ہے، اور یہ دونوں لڑکا لڑکی ٹھٹھے بازی، ہاہا کررہے ہیں، بعد میں دونوں ٹہلنے جاتے ہیں، لڑکی کہتی ہے کہ امتحان کے پرچے حل کرنا ہے، رات کو ۱۲ بجے واپسی ہوتی ہے، اور لڑکی کے ماں باپ مطمئن ہیں ان کو کچھ پرواہ نہیں، اور یہ وہ ماں باپ ہیں جو داڑھی رکھائے تسبیح ہلاتے رہتے ہیں اور بڑے دیندار بنتے ہیں، پھر جب لڑکی کسی کے ساتھ بھاگ جاتی ہے تو روتے پھرتے ہیں، اور آئے دن ایسے واقعات پیش آتے ہیں پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

تھوڑے دن کا پردہ، رسمی پردہ

بہت سے گھرانوں میں پردہ ہوتا ہے لیکن رسمی طور سے اور تھوڑے دن کا، رفتہ رفتہ وہ پردہ ختم ہوجاتا ہے، شریعت نے جس چیز سے منع کیا ہے اور اس کے جو حدود مقرر کئے ہیں، جب بھی اس بندش اور حدود کو توڑا جائیگا فساد ہوگا، آج کل کتنے گھرانے ایسے ہیں کہ کسی بہانہ سے گھر کے اندر جاتے ہیں اور جوڑ توڑ لگایا کرتے ہیں، گھر میں داخل ہوئے اور کہا چچا! بازار سے کچھ منگانا تو نہیں؟

کہہ رہے ہیں کچھ، اور گئے ہیں کسی اور مقصد سے، سامان لانے کے بہانے سے بار بار آنا جانا ہوتا ہے اور بڑے میاں بدھو بخش ہیں، وہ سمجھتے نہیں بڑی تعریف کرتے ہیں کہ لڑکا بڑا شریف، بڑا خدمت گذار ہے، کچھ دن آیا گیا، گھر کے اندر آنے جانے لگا، باپ کو بنایا چچا اور ماں کو کہا چچی اور چچی چچی کر کے گھر کے اندر جانے لگا، کچھ دن بعد چچی سے پردہ ختم ہو گیا، بہن کا پردہ بھی کچھ دن رہتا ہے اور کچھ دن میں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، پھر جب کبھی مہمان آجاتے ہیں تو باپ کہتا ہے کہ فلانے مہمان آئے ہیں ذرا آجانا تمہیں معلوم نہیں تمہاری بہن کے دکھوا آئے ہیں، چچی چچی کر کے گھر کے اندر گھس جاتا ہے پھر کس کا پردہ؟ اور کیسا پردہ؟ پھر جو کچھ نہ ہونا چاہئے وہ ہونے لگتا ہے، سیکڑوں واقعات اسی طرح کے سننے میں آتے ہیں، کہیں لڑکی کسی کے ساتھ بھاگی جارہی ہے، کہیں لڑکی بضد ہے کہ رشتہ کروں گی تو اسی سے، یہ ساری خرابیاں اسی وجہ سے پیدا ہوئیں کہ شروع میں شریعت کے حدود کا لحاظ نہ کیا، آج کل سارے فتنے کی بنیاد ہی بے پردگی اور بدنگاہی ہے، اس لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ نگاہوں کی حفاظت کرو، نگاہوں کو پست رکھو، یہ حکم مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی ہے۔

بے حیائی اور فیشن دار پردہ

آج کل بے پردگی بھی ایک فیشن بن گئی ہے، بے حیائی ایسی عام ہوگئی ہے کہ پردہ میں بھی بے پردگی ہوتی ہے، دوپٹہ ایسا چلا ہے کہ پورا سر کھلا ہوتا ہے اور بطور فیشن کے ڈال لیتی ہیں جسطرح مرد مفلر گلے میں ڈال لیتے ہیں اسی طرح عورتیں گلو بند ڈال لیتی ہیں اور اس کا نام رکھا ہے دوپٹہ اور پردہ، اور اسی حال میں بے محابہ چلی جارہی ہیں، بڑے بڑے شہروں میں دیکھو! کیسی بے حیائی ہے! اس قدر غصہ آتا ہے کہ اگر حکومت مل جائے تو ایک ایک کو پکڑ کر سزا دوں۔

پاکستان میں ضیاء الحق مرحوم نے اس کی کوشش کی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ کوئی عورت بے پردہ باہر نہ نکلے، اور جو نکلتی تھی اس کو سزا دیتا تھا، اگر کوئی مرد اسکوٹر میں بے پردہ اپنی عورت کو بٹھائے ہوتا تو اسکو اتروا کر عورت سے کہتا کہ شوہر کے جوتے لگائے، پھر کون ہمت کرتا جو بیوی کے جوتے کھائے۔

ایک ہندو مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ایک زمانہ تھا کہ عورت کی ایڑی بھی نہیں دکھائی دیتی تھی اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ عورت کی گدی بھی دکھائی دیتی ہے، بے پردگی کا افسوس تو سب کو ہے کیونکہ آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا ہوتا رہتا ہے، اور کوئی نہ کوئی بھاگتا رہتا ہے، اور یہ سب بے پردگی ہی کا نتیجہ ہے۔

شادی کے لئے لڑکی لڑکا دیکھنا

جس طرح بے پردگی حرام ہے، اسی طرح ناجائز اور گندی تصویریں دیکھنا بھی گناہ ہے، البتہ اگر شادی کی ضرورت سے کوئی لڑکی دیکھ لے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ یہاں ضرورت ہے، ہمارے علاقہ کا رواج یہ ہے کہ گھر کی بڑی سمجھدار عورتیں لڑکی کو دیکھ لیتی ہیں اور ان کا دیکھ لینا کافی سمجھا جاتا ہے، اچھائی برائی وہ بہتر سمجھ لیتی ہیں، پھر کیا ضرورت ہے کہ لڑکا ہی دیکھے، شریف گھرانوں میں اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے، شریفوں کے گھر میں اس کا رواج نہیں ہے، وہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے، لڑکی دیکھنے سے جو غرض ہے وہ عورتوں کے دیکھنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

ایک واقعہ

اسی علاقہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب کا بہت اصرار تھا کہ میں لڑکی دیکھ ہی کر شادی کروں گا، گھر کی عورتوں، ماؤں، بہنوں کے دیکھنے پر ان کو اطمینان نہیں ہوا، یہی رٹ لگائے تھے کہ میں بھی دیکھوں گا، چنانچہ جب لوگ دیکھنے گئے تو حضرت بھی پہنچ گئے اور

وہاں بھی ان کا اصرار باقی رہا، لڑکی والے اس پر تیار نہیں ہوئے، رشتہ ہو یا نہ ہو، کسی طریقہ سے یہ خبر خود لڑکی کو پہنچ گئی، اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ پوری بات بتلائی گئی، اس نے کہا کوئی حرج نہیں، ان کو بلا لیجئے، وہ مجھے دیکھ لیں، ایک کمرہ میں دیکھنے کیلئے آ گئے، جب دیکھ چکے تو لڑکی نے کہا اب کیا رائے ہے؟ لڑکی پڑھی لکھی سمجھدار تھی، اس نے کہا: میں آپ کو پسند ہوں یا نہیں؟ لڑکے نے کہا پسند ہیں، لڑکی نے کہا لیکن تم مجھ کو پسند نہیں، میں تم سے راضی نہیں، تمہاری ایسی حرکتیں ہیں، چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ، منھ لٹکا کر واپس چلے آئے، شریف خاندان کے لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

چہرہ کا پردہ؛ بازار اور نماز کے پردہ کا فرق

فرمایا پردہ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چہرہ وغیرہ کا پردہ نہیں ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ایک مرتبہ میں نے کانپور میں تقریر میں کہا تھا کہ پردہ کی دو قسمیں ہیں ایک پردہ ہوتا ہے بازار کا اور ایک پردہ ہوتا ہے نماز کا، نماز کا پردہ تو یہ ہے کہ پورا بدن ڈھکا رہے، چہرہ، ہتھیلی اور پیر کھلے رہیں، لیکن بازار کا پردہ یہ ہے کہ اس میں ہاتھ اور چہرہ کا بھی پردہ واجب ہے، اس کا چھپانا بھی ضروری ہے۔

عورتوں کا مردوں کو دیکھنا

ایک شخص نے عرض کیا اس آیت میں عورتوں کے لئے بھی حکم ہے کہ نگاہوں کو پست رکھیں یعنی مردوں کو نہ دیکھیں اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کو حبشیوں کا کھیل دکھلایا ہے، حضرت نے فرمایا کہ موٹی سی بات ہے کہ حضور ﷺ کا عمل اس آیت کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ کے قول و عمل میں تعارض کیسے ہوگا؟ لامحالہ کوئی نہ کوئی توجیہ کرنا پڑے گی، بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ

یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اور ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ حبشیوں کو نہیں دیکھ رہی تھیں بلکہ حبشیوں کے کھیل کو دیکھ رہی تھیں کہ نیزے کیسے مار رہے ہیں، کہاں گرا ہے، حبشیوں کو دیکھنا مقصود نہ تھا، کھیل مقصود تھا۔ واللہ اعلم۔

نکاح کی ترغیب

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى الخ. گذشتہ آیات میں فواحش کا ذکر تھا اور فواحش کے سد باب کے لئے پردہ کا حکم فرمایا گیا، اس کے بعد نکاح کا حکم دیا کہ لڑکا ہو یا لڑکی، فواحش کے سد باب کیلئے سب سے بہتر اور اچھا علاج یہ ہے کہ ان کا نکاح کردو، اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔

اس آیات میں ''اَیَامٰی'' یعنی غیر شادی شدہ لوگوں کی شادی کردینے کا حکم ہے، لفظ ''اَیَامٰی'' میں لڑکا اور لڑکی دونوں داخل ہیں، شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، شادی ہوکر عورت مطلقہ ہوگئی ہو یا بیوہ ہو سب صورتیں اس کے اندر داخل ہیں اور سب ہی کے واسطے حکم ہے کہ ان کا نکاح کردو۔

نکاح انسان کی فطری ضرورت ہے

نکاح تو ایک ضرورت کی چیز ہے، جس طریقہ سے کھانا پینا انسان کی ایک ضرورت ہے، اسی طریقہ سے نکاح بھی ایک طبعی حاجت ہے جس کے بغیر زندگی گذارنا دشوار ہے، بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ لڑکی بیوہ ہوگئی ہے، اس کے واسطے ایک ٹیکسی خریددی ہے، اس کا کرایہ آتا رہے گا، زمین سے غلہ ملتا رہے گا، اس طرح کام چلتا رہے گا اور زندگی پار ہوجائے گی۔

ارے زندگی تو پار ہوجائے گی لیکن زندگی کی اور بھی تو حاجتیں ہیں، صرف کھانا

پینا ہی زندگی تھوڑی ہے دوسری حاجتوں کا کیا انتظام کیا؟ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کیسے شادی کروں، دوسری شادی کروں گا تو بچوں کی زندگی خراب ہو جائے گی۔

بچوں کی زندگی خراب ہونے کا خیال ہے خود اس کی زندگی خراب ہو گی اس کا خیال نہیں، اور ایسے لوگ پھر کیا نہیں کرتے، گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ بے نکاحی عورتوں کا نکاح کر دیا کرو۔

خود نکاح کرنے کے بجائے بڑوں کے واسطے سے نکاح کرنا چاہئے

وَانْكِحُوا الْاَيَامٰى. میں لفظ اَنْكِحُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ایسا معاملہ ہے کہ خود کرنے کے بجائے اپنے بڑوں کے حوالہ کرنا چاہئے، بڑے اپنی سمجھ اور صوابدید کے مطابق جہاں بہتر سمجھیں گے کر دیں گے، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی سے تعلق ہو گیا، عشق ہو گیا، اسی کے پیچھے لگ گئے کہ شادی کرنا ہے تو اسی سے کرنا ہے، آگے پیچھے کچھ نہ سوچا، نہ کفوٴ (برابر و ہم پا ہونا) دیکھا، اسکا انجام اچھا نہیں ہوتا اور ایسے نکاح میں خیر و برکت نہیں ہوتی، بہتر طریقہ یہ ہے کہ نکاح کے معاملہ کو گھر کے بڑوں، بزرگوں کے حوالہ کر دینا چاہئے جن کو اولیاء کہتے ہیں، اچھے اور شریف خاندانوں میں یہی طریقہ ہے، خود نکاح کرنے کا انجام اچھا نہیں ہوتا، نکاح کے مصالح اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب بڑوں کے مشورہ سے نکاح کیا جائے۔

نکاح میں کیا چیز دیکھنا چاہئے

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ. اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ نکاح کے اندر سب سے زیادہ دیکھنے کی چیز نیکی اور دینداری ہے، اگر لڑکا صالح

اور دیندار ہے تو عورت چاہے جیسی بداخلاق ہو وہ اپنی دینداری اور نیکی کی وجہ سے سب کچھ برداشت کرے گا اور ہر طرح سے نبھالے گا، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرد کما کما کر لاتا ہے اور عورت سیدھے منھ بات نہیں کرتی لیکن دیندار شوہر سب کو جھیل لے جاتا ہے، اسی طرح اگر لڑکی دیندار ہے تو خواہ کیسی ہی عسرت اور تنگدستی ہو، اور لڑکا چاہے جیسا ہو فاسق فاجر ہی کیوں نہ ہو، ظلم ہی کیوں نہ کرتا ہو لیکن لڑکی سب کچھ جھیل لے جائے گی، برداشت کرلے گی۔

نکاح کی برکت سے فقر دور ہوتا ہے، غنا نصیب ہوتا ہے

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. نکاح میں اللہ نے خاصیت رکھی ہے کہ اس کی برکت سے غربت دور ہوجاتی ہے، ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فقر وفاقہ کی شکایت کی، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ نکاح کرلو، چنانچہ نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ نے واقعی ان کو غنی (مالدار) بنادیا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ شادی میں جہیز خوب ملے گا، جہیز کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس طرح سے مالدار ہو جائیں گے۔ بلکہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ نکاح سنت ہے، اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ غنا (مالدار) نصیب فرمادے گا جب نکاح کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوگی تو آدمی محنت سے کمائے گا، تجارت کرے گا، اللہ تعالی اس کی کمائی میں برکت دے گا، جو لڑکی آتی ہے اپنا مقدر لے کر آتی ہے، اس کے نان ونفقہ وغیرہ کی ذمہ داری ہے ایمان کی حفاظت کا سامان کیا ہے، اسی لئے اللہ پاک کی نصرت ہوگی، رزق میں برکت ہوگی۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى. نکاح کی برکت سے اللہ نے حضور ﷺ کو غنی بنادیا۔

غنی کا مطلب

غنی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خوب مالدار بن جائے، عیش کے اسباب پیدا کرلے، اللہ تعالیٰ آسانی سے ضرورت کو پوری فرمادے، آدمی کسی کا محتاج بن کر نہ رہے، جس کو یہ نعمت حاصل ہو وہ غنی ہے، اللہ تعالیٰ ضرورتوں، حاجتوں کو پورا فرماتا ہے، اللہ نے رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے "وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" روئے زمین پر ہر بسنے والی مخلوق کو رزق دینے کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ جولڑکی آتی ہے اپنے مقدر کا کھاتی ہے۔ غنی ہونے کا مطلب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عیش پرستی کرنے لگیں، روپیہ پانی کی طرح بہائیں تب غنی ہوں گے، یہ مطلب صحیح نہیں۔

صحابہ کی حالت

صحابہؓ کی حالت یہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے خیر کے دروازے کھولے اور بکثرت فتوحات ہونے لگے اور دنیاوی اعتبار سے عیش وعشرت کے اسباب پیدا ہوگئے تو صحابہ گھبرا گئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا ہو، اور آخرت میں ہم کو کچھ نہ ملے صحابہ کی تو یہ حالت تھی کہ وہ مال و دولت اور راحت طلبی کے اسباب سے گھبراتے تھے، اور ہماری حالت یہ ہے کہ ذرا بھی کوئی کام منشا کے خلاف ہوا بس شکایت شروع کردی، ناشکری کرنے لگتے ہیں۔

دین نام ہے ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا

وَآتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِي اٰتَاكُمْ . اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن غلاموں کو تم نے مکاتب بنادیا ہے ان کو تھوڑا مال بھی دیدیا کرو (مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ مثلاً ایک لاکھ روپیہ تم ادا کردو تو تم آزاد ہو) اس

آیت میں مکاتب بنادینے کے بعد ان کی مدد کرنے کا حکم دیا تاکہ اس مال سے وہ تجارت کرسکیں اور پونجی بڑھا کر بدل کتابت ادا کرسکیں، خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے، دین اسی کا نام ہے، اسی لئے ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ" دونوں جگہ معرف باللام ہے، ترجمہ ہوگا کہ دین خیر خواہی ہی کا نام ہے، ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کرنا دین کا تقاضا ہے، دین یہی سکھلاتا ہے، سارا دین ہی خیر خواہی ہے۔

ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب

خیر خواہی ہر ایک کے ساتھ ہونی چاہئے اللہ کے ساتھ بھی، نبی کے ساتھ بھی، علماء کے ساتھ بھی، اور لوگوں کے ساتھ بھی، اللہ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے، اس کے احکام کے مطابق عمل کیا جائے، نبی کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، علماء کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ دین کے کام میں ان کی نصرت کی جائے، لوگوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کریں وہ اپنے بھائی کے لئے پسند کریں، ان کو خیر کا مشورہ دیں، خیر خواہی یہ نہیں کہ جس نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہم نے اس کے ساتھ احسان کر دیا، اس نے ہم کو کھانا کھلایا ہم نے اس کو کھانا کھلا دیا، یہ خیر خواہی نہیں بلکہ یہ تو مکافات (بدلہ دینا) ہے، خیر خواہی یہ ہے کہ اس نے ہمارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا، اس نے ہمارے ساتھ بدسلوکی کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن ہمارا معاملہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا ہو، ہم یہ دیکھیں کہ اس کے حق میں کیا بہتر ہے، وہی معاملہ اس کے ساتھ کریں، یہ ہے خیر خواہی، چنانچہ ایک حدیث پاک میں آیا بھی ہے۔

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ. یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو مکافات

کا معاملہ کرے، صلہ رحمی تو یہ ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی قطع رحمی کرے اور ہم اس کے ساتھ صلہ رحمی کریں، ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''صِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ'' جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو، تمہارے ساتھ جو بدسلوکی سے پیش آئے تم اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو، اس آیت میں اپنے مکاتب غلاموں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے کہ ان کو کچھ مال دے دیا کرو تا کہ وہ اس سے کما کر بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو سکیں، اسی طرح آزادی کے بعد بھی ان کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہئے۔

بھائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ خیر خواہی

جب غلاموں کے ساتھ اتنی خیر خواہی کرنے کا حکم ہے کہ ان کو اتنا مال دے دیا کرو تا کہ وہ تجارت کر سکیں اور ان کے لئے آمدنی کی کوئی شکل ہو جائے تو جو ہمارے چھوٹے بھائی اور غریب رشتہ دار ہوں کیا ان کے لئے یہ حکم نہ ہوگا؟ ان کے ساتھ بھی خیر خواہی کرنی چاہئے، ان کے لئے تو بدرجۂ اولی یہ حکم ہوگا۔

دوسروں کی دیکھا دیکھی ناجائز طریقے سے مال نہیں کمانا چاہئے

وَلَاتُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَی الْبِغَآءِ.. الآیۃ. کفار باندیوں سے زنا کروا کر مال حاصل کرتے تھے اور یہ طریقہ ان میں رائج تھا، اس بری حرکت سے منع کیا گیا ہے کہ کفار کی دیکھا دیکھی مسلمانوں کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے، کمائی کی کوئی بھی شکل ہو اس کو اختیار کرنے سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ جو طریقہ غیروں

نے اختیار کر رکھا ہے ان کی تقلید ہم کو نہیں کرنی چاہئے بلکہ پہلے دیکھنا چاہئے کہ یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ دوسروں کی دیکھا دیکھی مال کمانے کی کوشش نہ کرے کہ فلاں نے لون لے کر تجارت شروع کی ہے ہم بھی اسی طرح کر لیں، فلاں شخص نے لون سے ٹرک خریدا ہے بھینس خرید لی ہے، ہم بھی اسی طرح خرید لیں، ہم کو تو اللہ اور اسکے رسول کا حکم دیکھنا چاہئے، جو طریقہ اللہ رسول کی مرضی کے موافق ہو اسی کو اختیار کر لیں، اللہ پاک اس میں برکت دیں گے۔

مومن کا قلب ایک روشن چراغ ہے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ الآیۃ. نور کے معنی ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ پر نور کا اطلاق زَیْدٌ عَدْلٌ کی قبیل سے ہے، نور بمعنی منور ہے۔

اللہ کا نور تو ایسا ہے کہ اس سے آسمان وزمین منور ہو گئے۔ اور آسمان وزمین کی روشنی ایسی ہے کہ سارا عالم اس سے روشن ہے اور لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہیں، لوگوں کو فیض پہنچتا ہے، تو اے اللہ کے بندو! تم ایسے کیوں نہیں بنتے کہ تمہاری روشنی سے لوگوں کو نفع پہنچے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ. ''ہا'' کی ضمیر میں دونوں قول ہیں، اس کا مرجع اللہ ہے یا مومن، اوّل صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ کا نور جو مومن کے قلب میں ہے، اس کی ایسی مثال ہے ''کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاح'' الآیۃ.

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مطلب ہوگا کہ مومن کی مثال ایک ایسے طاق کی طرح ہے جس میں اس کا دل ایک قندیل کے مانند ہے، جس میں صاف شفاف روغن زیتون یعنی فطری نور ہدایت ہے، جس کا خاصہ خود بخود قبول حق کا ہے، جب اس میں عمل کا نور

آیا تو ایک عالم کو روشن کر دیتا ہے مزید تفصیل بیان القرآن میں ہے اسے دیکھ لیجئے۔

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. اللہ پاک اس کو ہدایت دیتے ہیں جو ہدایت طلب کرتا ہے یعنی کسب بندہ کرتا ہے، اور خلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بندہ جیسا کسب کرتا ہے اللہ تعالی اس پر ویسا ہی اثر مرتب فرماتا ہے، گمراہی کے اسباب اختیار کرتا ہے تو گمراہ ہوتا ہے، ہدایت کے اسباب طلب کرتا ہے تو ہدایت مرتب ہوتی ہے، بندہ اپنے اختیار سے جو کرتا ہے اللہ پاک اس پر نتیجہ مرتب کرتا ہے۔

عبادت پر استقامت کا آسان نسخہ

اور اللہ کے نیک بندوں کی پہچان

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ. اللہ والوں کی شان بیان کی گئی ہے کہ ''رِجَالٌ لَاتُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ'' یعنی اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ تجارت، بیع وشراء ان کے اندر غفلت پیدا نہیں کرتی، وہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، زکوۃ نکالتے ہیں، یہ سب باتیں کیوں ہیں؟ نماز کے وقت دکان بند کرنا، صدقہ وزکوۃ ادا کرنا یہ سب ان کے لئے کیوں آسان ہے؟ اس کی وجہ بطور سبب کے آگے بیان فرمائی ہے کہ ''یَخَافُوْنَ یَوْمًا... الخ'': یعنی وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں، جس دن کہ آنکھیں اور دل الٹ پلٹ جائیں گے، آخرت اور قیامت کا استحضار یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے سارے کام آسان ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ اختیار کرنے اور عبادت پر قائم رہنے کا آسان نسخہ اور بہترین مراقبہ یہ ہے کہ قیامت کا استحضار کرے، جب بھی عبادت میں سستی اور کوتاہی ہونے لگے تو سوچ لے کہ ایک دن مر کر جانا ہے، خدا کے سامنے حاضری دینا ہے۔

انسان کی طاعت اور بدعملی کا اثر سارے عالم پر پڑتا ہے

دنیا کا سارا فساد ان کی بدعملی کا نتیجہ ہے

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ. اس سے معلوم ہوا کہ ہر شئی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، درند، پرند، چرند، شجر وحجر سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، لیکن یہ انسان ہی ایک ایسا ہے کہ اللہ تعالی کی نافرمانی پر تلا ہوا ہے، اور انسان کے کرتوت اور اعمال ایسے ہیں کہ ساری دنیا اور ساری مخلوق پر اس کا اثر پڑتا ہے، نیک اور دیندار شخص کے لئے ہر مخلوق دعا کرتی ہے، کیونکہ انسان کے اگر اعمال اچھے ہوتے ہیں تو مخلوق کو بھی خوش حالی نصیب ہوتی ہے، اور اگر انسان کے اعمال برے ہوتے ہیں تو بدحالی آتی ہے، قحط پڑتا ہے، عذاب نازل ہوتا ہے، اللہ کی مخلوق پریشان ہوتی ہے، اور یہ سب انسان کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اسی کو فرمایا'' ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ''، یعنی لوگوں کے کرتوت اور ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بر و بحر میں فساد پھیل گیا۔

جب بدعملی کی وجہ سے فساد ہوتا ہے، تو اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اچھے حالات ہوں گے، خوشحالی بھی ہوگی، اللہ کی مخلوق راحت سے رہے گی۔

اور دوسری اللہ کی مخلوق کی بدعملی کا یہ اثر نہیں ہوتا، عالم میں انسان کے علاوہ دوسری مخلوق کے اعمال کا کچھ اثر نہیں ہوتا، انسان کے اعمال کا اثر ہر مخلوق پر پڑتا ہے، اسی واسطے نیک آدمی کے لئے اللہ کی ہر مخلوق دعا کرتی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ خوشحالی آتی ہے، اور بدعمل، فاسق، فاجر کے واسطے ہر مخلوق بددعا کرتی ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ بدحالی آتی ہے، بدعمل آدمی کی موت سے اللہ کی مخلوق کو راحت ملتی ہے۔

کھانا مل کر ساتھ کھانا چاہیئے یا علیحدہ علیحدہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعاً أَوْ اَشْتَاتًا. اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ جمع ہوکر سب مل کر ایک ساتھ کھانا کھاؤ یا انفرادی طور سے الگ الگ، دونوں ہی طرح جائز ہے، بعض صحابہ کا حال یہ تھا کہ وہ تنہا کھاتے ہی نہ تھے، ان کا مزاج ہی اس طرح کا تھا، ان کے اندر فراخدلی اور مزاج میں سخاوت تھی، اگر کوئی ساتھ میں مہمان وغیرہ کھانے والا نہ ملا تو کھانا بھی نہ کھاتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی حال تھا کہ جب تک کوئی مہمان نہ ہوتو کھانا نہ کھاتے، اور جس دن مہمان نہ آتے تو گھبرا جاتے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض تو نہیں ہوگیا۔ اگر دوسرے کھانے والے اور بھی موجود ہوں تو ساتھ میں کھانا زیادہ بہتر ہے، اس میں برکت بھی ہوتی ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ! برکت نہیں ہوتی، حضور ﷺ نے فرمایا کھانا سب مل کر کھایا کرو برکت ہوگی۔

اور اگر کوئی علیحدہ ہی کھانا کھائے تو جائز یہ بھی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بعض حضرات کو لوگوں کے ساتھ کھانا پسند نہیں، بعض لوگ بدتہذیبی سے کھاتے ہیں، کوئی پیر پھیلا کر کھاتا ہے، کوئی نابینا ہے وہ کسی اور طرح کھاتا ہے، اس کے ساتھ کھانے کا جی نہیں چاہتا، تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں اپنی اپنی طبعیت ہے، جائز دونوں طریقہ سے ہے۔

کسی دوسرے کی چیز کھانے اور استعمال کرنے کا شرعی ضابطہ

اَوْمَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهٗ اَوْصَدِيْقِكُمْ .

جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا تمہارے دوست، ان کا کھانا تم کھا سکتے ہو، بشرطیکہ ان کو تمہارے کھانے سے خوشی ہو یعنی دلی رضامندی ہو۔

بعض ساتھی اور دوست ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر پوچھے بھی اگر ان کی کوئی چیز کھالی جائے تو ان کو خوشی ہوتی ہے، حضور ﷺ ایک صحابی کے یہاں تشریف لے گئے اور وہ صحابی گھر پر اس وقت موجود نہ تھے، حضور ﷺ نے ان کے گھر میں اس وقت جو موجود تھا کھالیا، اس سے ان صحابی کو خوشی ہوئی، اصل میں عرف ومزاج کی رعایت ضروری ہے، اگر کسی کا مزاج معلوم ہو کہ ہمارے کھانے سے اس کو خوشی ہوگی تو کھالے، ورنہ نہ کھائے، اور مزاج وعادت کا پتہ چل جاتا ہے، یہ چھپنے والی چیز نہیں، قرائن سے اندازہ ہوجاتا ہے، اگر قرائن سے کسی کے مزاج وعادت کا اندازہ ہوجائے کہ میرے کھانے سے اس کو خوشی نہ ہوگی تو ہرگز نہ کھائے، اگر وہ بظاہر اصرار کرے تب بھی نہ کھائے، کیونکہ دل سے نہیں کہہ رہا ہے، چند لقمے کھالے اس کے بعد معذرت کرلے، میں نے اس کا بہت تجربہ کیا ہے، لوگوں کا اصرار صرف دکھاوے کے لئے ہوتا ہے۔

کھانا کھانے کے وقت جو یہ پوچھے کہ کھانا کھائیے گا؟ تو اس کا کھانا نہ کھائے

اور کھانا کھانے کے وقت جو پوچھے کہ کھانا کھاؤ گے؟ تو ہرگز نہ کھائے۔ یہ پوچھنے کی بات ہے؟ کھانے کا وقت ہے لاکر رکھ دو وہ کھائے یا نہ کھائے، جب کھانے کا وقت ہے اور پھر بھی پوچھ رہا ہے کہ کھانا کھاؤ گے؟ کھانا لائیں؟ سمجھ لو کہ کھانا کھلانا نہیں چاہتا، اس کو تو لے آنا چاہئے، اگر نہ کھانا ہوگا، تو وہ خود انکار کردے گا، لیکن بعض لوگ کھانے سے فارغ ہونے کے باوجود میزبان کو اطلاع نہیں کرتے کہ میں کھانے سے فارغ ہوں، میرے لئے انتظام نہ کریں، اور انتظام ہوجانے کے بعد وقت پر انکار کردیتے ہیں، اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، اس لئے مہانوں کو اگر کھانا نہ کھانا ہو تو پہلے ہی اطلاع کردینا چاہئے، پوچھنے کا انتظار نہ کرنا چاہئے، لیکن عام طور سے لوگ

اس کا لحاظ نہیں کرتے، اس لئے میزبان کو دوسرے انداز سے دریافت کر لینا مناسب ہے، مثلاً یہ کہ کھانا کس وقت کھائیں گے ابھی فوراً لے آؤں یا تھوڑی دیر بعد؟ یا یہ پوچھ لے کہ کھانے میں کوئی پرہیز تو نہیں؟ الغرض کسی بہانہ سے یہ واضح کر دے کہ میں کھانے کا انتظام کر رہا ہوں اگر اس کو کھانا منظور نہ ہوگا تو خود ہی منع کر دے گا۔

اپنے گھروں میں جاؤ تو سلام کیا کرو

گھر والوں کے لئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو

اِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ الآیۃ:

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جب اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے گھر کے لوگوں کو سلام کیا کرو۔ اپنے اہل اور گھر والوں کو ''عَلٰی اَنْفُسِکُمْ'' سے تعبیر فرمایا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اپنے اہل اور گھر والوں کے ساتھ اپنے نفس جیسا معاملہ کرنا چاہئے، جو اپنے لئے پسند کرو وہی ان کے لیے بھی، بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے اپنے ہی نفوس مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب گھر کے اندر داخل ہوا کرو تو اپنے اوپر سلام کیا کرو یعنی ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن'' کہا کرو فرشتے اس کا جواب دیتے ہیں۔ گھروں میں داخل ہونے کے وقت سلام کا رواج بالکل ختم ہوتا جا رہا ہے، اس کی عادت ڈالنا چاہئے، میرے ایک دوست بیان کر رہے تھے کہ مجھ کو جب معلوم ہوا کہ جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرنا چاہئے، میں نے اپنے گھر داخل ہونے کے وقت سلام کیا تو میری بیوی ہنسنے لگی، اصل میں عورتوں کو تعلیم نہیں دی جاتی وہ جانتی ہی نہیں، یہ اسی جہالت ہی کا نتیجہ ہے، گھروں میں سلام کا رواج نہ ہونیکی وجہ سے اس کو بالکل اجنبی سا سمجھا جاتا ہے۔ اس کا رواج ڈالنا چاہئے۔

اجازت کی دو قسمیں، ہر اجازت کا اعتبار نہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْکَ الآیة.

فرمایا اگر کوئی چھوٹا اپنے بڑے سے اجازت طلب کرے اس کی بھی دو قسمیں ہیں، ہر اجازت معتبر نہیں ہوتی، جو اجازت مرضی یعنی خوش دلی کے ساتھ ہو وہ تو معتبر ہوتی ہے، اور ایک اجازت ایسی ہوتی ہے کہ اجازت زبان سے تو ہے لیکن منشا اور رضا مندی نہیں، ایسی اجازت کا اعتبار نہیں، مثلاً کسی نے گھر جانے کی اجازت طلب کی تو غصہ میں کہہ دیا جائیے جائیے یا رخصت کی درخواست پیش کی، غصہ میں رخصت منظور کر کے سختی سے درخواست حوالہ کر دی جائے تو ایسی اجازت کا اعتبار نہیں، اجازت وہی معتبر ہے جو دلی منشا کے ساتھ ہو۔

اپنے بڑوں کا ایک اہم ادب

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ الآیة:

اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس طرح رسول کو نہ بلاؤ، بلکہ نہایت ادب وتہذیب کے ساتھ ان کو پکارو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول تم کو بلائیں تو اس بلانے کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح مت سمجھو کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو تو اس کا جواب دینے میں دیر کرتے ہو کبھی ٹال دیتے ہو۔ رسول کے بلانے کو اس طرح مت سمجھ بلکہ فوراً دوڑو، بھاگو، ان کی اطاعت کرو۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہی ادب اپنے بڑوں کا (یعنی علماء، مشائخ واساتذہ کا) بھی ہے کہ ان کو تہذیب سے پکارو، اور اگر وہ بلائیں تو فوراً حاضری دینا چاہئے، یہ نہیں کہ جی

ابھی آیا، ابھی آتے ہیں، بلکہ فوراً حاضر ہونا چاہئے۔(صرح بہ التھانوی فی بیان القرآن)

کسی بھی دینی اجتماعی کام سے بھاگنا نہیں چاہئے

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا. اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے تم میں جو لوگ آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ منافقین کا حال یہ تھا کہ موقع کی تاک میں رہتے اور موقع پا کر آڑ میں ہو کر چپکے سے کھسک جاتے، اسی پر تنبیہ کی جارہی ہے اور دھمکی دی جارہی ہے کہ ایسے لوگ عذاب الیم سے ڈریں، نبی کو ان کے جانے کا علم نہیں ہوا، لوگ نہیں دیکھ سکے لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے وہ تو جانتا ہے۔

اس آیت سے ایک ادب معلوم ہوا کہ کوئی بھی دینی اجتماعی کام ہو، دینی مجلس ہو، کتاب پڑھی جارہی ہو، اس میں پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے، چپکے سے بھاگ نہیں جانا چاہئے، دینی مجلس کی تخصیص نہیں، ہر دینی اجتماعی کام کا یہی حکم ہے، اگر کوئی پیچھے ہٹتا ہے، اٹھ کر چل دیتا ہے تو اس سے دوسروں کی ہمت ٹوٹتی ہے، وہ بھی جانے کی کوشش کرتے ہیں، نماز کے بعد یہاں کچھ معمول ہے کتاب سنانے کا، اس میں بھی نہیں بھاگنا چاہئے۔

اسی طرح مدرسہ میں کبھی جو کام ہوتا ہے کبھی اینٹیں ڈھوئی جاتی ہیں، یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے، ہر اجتماعی کام اس کے اندر داخل ہے، کسی ایک کے چلے جانے سے دوسروں کی ہمت پست ہوتی ہے، اس لئے اگر معمولی عذر ہو تو بھی رکے رہنا چاہئے، ایسا عذر ہے کہ کام نہیں کرسکتا تو بھی بھاگے نہیں، کام نہ کرے لیکن ان کے ساتھ شریک رہے تاکہ دوسروں کی ہمت بندھی رہے، یہ بھی تو ایک نصرت ہے، اور اگر واقعی شدید ضرورت ہو تو اجازت لے کر جانا چاہئے۔ (سورۂ نور ختم ہوئی)

افادات درسِ قرآن
سورۂ فرقان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات درس قرآن سورۂ فرقان

اللہ کے نیک بندے امتیازی شان سے بچتے ہیں

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الاَسْوَاقِ : اور کفار کہتے ہیں کہ یہ رسول کیسا ہے؟ کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے۔

نبی اپنی امتیازی شان کے ساتھ نہیں رہتے؛ بلکہ لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہیں، لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھتے ہیں، اس طرح شان وشوکت سے نہیں رہتے جیسے کلکٹر، وزیر اعظم رہتے ہیں کہ عالی شان بنگلہ ہو، فوجی دستہ کا انتظام ہو، کوئی ان سے مل نہیں سکتا، جب چلتے ہیں تو آگے پیچھے کتنی کاریں چلتی ہیں۔ نبی تو دنیا میں فیض پہنچانے کے لئے آتا ہے، اگر نبی بھی اس طرح رہنے لگے تو لوگ ان سے ملاقات کس طرح کریں؟ ایسی حالت میں لوگوں کو فیض کم ہوگا؛ لیکن کفار اس حالت کو نبی کی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو ہماری طرح بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہیں، پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا ہوا۔ آگے کی آیات میں کفار کے اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔

اللہ کے نیک بندوں اور بزرگانِ دین کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی امتیازی شان کے ساتھ نہیں رہتے؛ بلکہ سب کے ساتھ مل جل کر، انہیں میں گھل مل کر رہتے ہیں، اس سے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں، حالاں کہ وہ اپنے کو چھپاتے ہیں، حتیٰ کہ بعض بزرگانِ دین کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے کو چھپانے کے لئے کچھ ایسے بھی کام کئے جو ناجائز تو نہیں؛ لیکن عرف میں اس کو بہتر نہیں سمجھا جاتا، غلبۂ حال میں ایسا کر گذرتے ہیں، ہر ایک کا حال جداگانہ ہوتا ہے۔ الغرض

اللہ والے اپنے آپ کو چھپاتے بہت ہیں، وہ سب کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں، امتیازی شان کو پسند نہیں کرتے، وہ یہ نہیں چاہتے کہ دس آدمی ان کے آگے پیچھے چلیں۔

غلط دوستی اور بری صحبت کا انجام

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً. (جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا، ہائے میری شامت! کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا)

یہ آیت ایک خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئی، اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار مکہ کے سرداروں میں عقبہ نامی ایک شخص تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کبھی کبھی ملاقات کرتا تھا، ایک مرتبہ اس نے ملت و مذہب کی تفریق کے بغیر عام دعوت کی تھی جس میں شہر کے معززین کو خاص طور پر مدعو کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دی، چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں اس وقت کھانا کھاؤں گا جب تم ایمان لے آؤ گے، کفار مکہ بھی اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ ہمارے دروازہ پر کوئی آئے اور بغیر کھانا کھائے چلا جائے، چناں چہ عقبہ نے کلمہ پڑھ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرمالیا، عقبہ کا ایک گہرا دوست ابی بن خلف تھا، جب اس کو اور دوسرے کفار کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے عقبہ کی لے دے مچائی، سخت اعتراض کیا، اور کہا کہ ہم سے دوستی کرتے ہو اور محمد پر ایمان لے آئے ہو، عقبہ نے کہا بتاؤ! کتنی غیرت کی بات تھی! ایک شریف آدمی جس کی ہم نے دعوت کی وہ ہمارے گھر آئے اور بغیر کھانا کھائے چلا جائے، میں نے تو محض دکھانے کے لئے اس کی شرط منظور کرلی؛ تاکہ وہ کھانا کھالیں۔ ابی بن خلف نے کہا کہ میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہ کروں گا، جب تک کہ تو جاکر ان کے منہ پر

تھوک نہ دے، جاؤ محمد کے منہ پر تھوک کرآ ؤورنہ ہم سے تعلق چھوڑ دو، وہ بدنصیب ظالم گیااور دوست کے کہنے سے ایسی حرکت بھی اس نے کرڈالی، اس ظالم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، کہ جس دن ظالم اپنے ہاتھ کو کاٹے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ یہ انجام ہوگا بری صحبت اور برے لوگوں سے دوستی کرنے کا، جس کا جہاں جی چاہے بیٹھے اور جس کو چاہے دوست بنالے؛ لیکن کل قیامت کے روز غم وغصہ کی حالت میں اپنے ہاتھ کو کاٹے گا (افسوس کرے گا) اور کہے گا کہ کاش! میں نے فلاں سے دوستی نہ کی ہوتی، میں فلاں کے پاس نہ اٹھتا بیٹھتا، کاش! میں نے رسول کی بات مان لی ہوتی، کاش! میں نے اس دین دار شخص کی بات مان لی ہوتی، انتہائی حسرت اور افسوس کے ساتھ واویلا مچائے گا؛ لیکن اس وقت یہ سب بے سود ہوگا، یہ بات صرف حضور ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ ہر گناہ اور ہر شخص کے بارے میں یہی بات ہوگی۔ ظالم گنہگار قیامت کے دن کہے گا کہ کاش! میں نے اس شخص کی بات مان لی ہوتی جس نے مجھے اس کام سے منع کیا تھا، کاش! میں نے اس سے دوستی نہ کی ہوتی جس نے مجھ سے غلط کام کروایا تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْـمَـرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ یعنی آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے، فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ يُخَالِلُ. دوست کے اعمال واخلاق جیسے ہوں گے اس پر بھی وہی اثرات پڑیں گے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دیکھے اور غور کرے کہ اس کے یار دوست کون لوگ ہیں، ایک دوست کا اثر دوسرے پر ضرور پڑتا ہے، اس لئے ہر شخص کو ہمیشہ اچھے ساتھی تلاش کرنا چاہئے۔

قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُراٰنَ مَهْجُوْراً.
(رسول شکایت کریں گے کہ اے میرے رب! اس قوم نے قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا)

اصل آیت تو کفار کے بارے میں ہے؛ لیکن مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے قرآن کے ساتھ بے پرواہی برتی ہو۔ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں؛ لیکن نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے قرطبی کے حوالہ سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے اس کو پڑھ کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، وہ حدیث یہ ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قرآن پڑھا مگر اس کو بند کر کے گھر میں لٹکا دیا، نہ اس کی تلاوت کی نہ اس کے احکام میں غور کیا، قیامت کے دن قرآن اس کے گلے میں لٹکا ہوا آئے گا، اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا، اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمائیں۔ (قرطبی شریف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں مسلمان بھی داخل ہیں اور یہ قرآن مسلمانوں کے خلاف بھی شکایت کرے گا۔ اب ہم ذرا غور کریں اور دیکھیں کہ کتنے مسلمان ہیں جو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتے، چھوتے بھی نہیں، ہمارا سارا وقت فضول کاموں، فضول باتوں میں گذر جاتا ہے، ہر کام کے لئے وقت نکل آتا ہے؛ لیکن قرآن کی تلاوت کے لئے وقت نہیں، مدرسہ میں کتنے ہیں جو پابندی سے تلاوت کرتے ہیں، اس میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، مدرسہ میں رہنے والے طلبہ و مدرسین اگر

تلاوت نہ کریں گے تو کون کرے گا؟ ہر کام کے لئے وقت ہے، عصر بعد کھیلنے کے لئے وقت ہے؛ لیکن تلاوت کے لئے وقت نہیں، عصر بعد ٹہلتے ہو، کھیلتے ہو، اگر اسی وقت میں تھوڑی دیر تلاوت بھی کرلو تو کون سا نقصان ہوگا، اور ٹہلتے ہوئے بھی تو قرآن شریف کی تلاوت کرسکتے ہو، درود شریف پڑھ سکتے ہو، کرنا چاہو تو سب کرسکتے ہو، مغرب سے دس منٹ پہلے مسجد آجایا کرو اس وقت ہی تلاوت کرلیا کرو۔

جس کے پاس جتنا وقت ہو اپنے حالات کے لحاظ سے تلاوت کرلیا کرے، اگر کبھی ناغہ ہوجائے تو دوسرے وقت میں تلاوت کرلے؛ لیکن کچھ معمول تو بنالے کہ مجھے اتنا پڑھنا ہے، عوارض پیش آتے رہتے ہیں، ناغہ بھی ہوتا ہے، کوئی معمول ایسا نہیں جس میں ناغہ نہ ہوجائے؛ لیکن کچھ اوسط تو مقرر کرلینا چاہئے کہ مجھے ہفتہ میں اتنے پارے پڑھنے ہیں، ناظرہ پڑھنے والے کم از کم روزانہ ایک پارہ تلاوت کرلیا کریں اور حفظ والے روزانہ ایک منزل پڑھ لیا کریں، اگر ناغہ ہوجائے دوسرے وقت پورا کرلیں، جو گھنٹی خالی ہو اس میں پڑھ لیں، جو پارے رہ جائیں جمعہ کی چھٹی میں پورا کرلیں، ہر وقت اپنے کو گھیرے رہیں، یہی دن رات تو تھے کہ اللہ کے بندے ایک قرآن دن میں اور ایک قرآن رات میں پورا کرلیتے تھے؛ لیکن ہمارا کوئی معمول ہی نہیں، ہر شخص کو اپنا معمول مقرر کرلینا چاہئے۔

الغرض اس آیت میں کفار کا قرآن کو چھوڑنا تو مراد ہے ہی؛ لیکن اس میں یہ بھی داخل ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت نہ کرے، قرآن کی تلاوت نہ کرنا بھی ہجران (نظر انداز کرنا) ہے، اب ہم دیکھ لیں کہ قرآنِ پاک کی کتنی تلاوت کرتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے حالات کے اعتبار سے قرآن پاک کی تلاوت کے لئے معمول مقرر کرلینا چاہئے، جب بھی وقت ملے اسی وقت تلاوت کرلے، مجھے تو اپنی مشغولیات کی وجہ سے

حضر میں قرآن پاک کی تلاوت کا وقت ملتا نہیں، لیکن سفر میں اس کی تلافی ہوجاتی ہے، سفر میں زیادہ تر قرآن پاک پڑھتا ہوں، میرا معمول یہ ہے کہ کم از کم ایک ہفتہ میں پورا قرآن ہوجائے، الحمدللہ یہ ہوجاتا ہے؛ بلکہ اس سے زیادہ ہوجاتا ہے۔

پورا قرآن پاک یک بارگی کیوں نہیں نازل کیا گیا؟

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لاَ نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً .

کفار مکہ ایک اشکال یہ بھی کیا کرتے تھے کہ پورا قرآن پاک یکبارگی، ایک ہی دفعہ میں کیوں نہیں نازل کردیا گیا؟ جس طرح پچھلی کتابیں نازل کی گئی ہیں، یہ بار بار تھوڑا تھوڑا کیوں نازل کیا گیا؟ اس کا جواب دیا گیا: كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ۔ یعنی ایسا اس واسطے کیا گیا کہ اس طریقہ سے دل میں اس کا تثبت ہوجائے، دل میں بیٹھ جائے؛ کیوں کہ ضرورت اور موقع کے لحاظ سے جو نازل کیا جاتا ہے وہ اوقع فی النفس ہوتا ہے، یعنی وہ بات دل پر جم جاتی ہے، مثلاً کوئی واقعہ پیش آیا اس کے متعلق وقت پر جو حکم ملے گا اس میں آسانی بھی ہوگی اور اچھی طرح دل میں جم جائے گا اور خوشی بھی زیادہ ہوگی۔ اگر ایک دم سے سارا قرآن کریم نازل کردیا جاتا تو اس کا یاد کرنا، محفوظ رکھنا بھی مشکل ہوتا، آسانی کی وجہ سے تدریجاً تھوڑا تھوڑا ضرورت کے مطابق نازل کیا گیا۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک ڈاکٹر حکیم نے کسی مریض کو کوئی نسخہ لکھ کر دے کہ اگر سر میں درد ہو تو یہ نسخہ پینا، اگر زکام ہو تو یہ نسخہ استعمال کرنا، اگر بخار ہو تو یہ دوا پینا، اگر دست شروع ہوجائیں تو یہ نسخہ استعمال کرنا، ایک صورت تو یہ ہے، اور ایک شکل یہ ہے کہ جب بھی کسی قسم کی کوئی بیماری اور کوئی شکایت پیدا ہوئی اسی حالت کے مطابق نسخہ تجویز کرکے دے دیا، سر میں درد ہوا ہے تو اس کا علاج کرلیا، بخار ہے تو اس کا نسخہ لکھا یا اور

استعمال کیا وغیرہ، بتلاؤ کون سی صورت زیادہ آسان ہے؟ تمام نسخے اگر ایک ساتھ دے دئے جائیں تو مریض کو ترتیب وار استعمال کرنا مشکل ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اس کو ترتیب بھی نہ سمجھ میں آئے، آسانی اسی میں تھی جو صورتِ حال پیش آئے اس کے مطابق علاج تجویز کردیا جائے، یہی حکمت ہے قرآنِ پاک کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی۔

ہر کام میں اعتدال ہونا چاہئے

اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ پورا قرآن پاک یکبارگی نازل فرمادیتا؛ لیکن ایسا نہیں کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کو ایک ہی آن میں پیدا کرسکتا تھا؛ لیکن اس نے جلد بازی نہیں کی اور آسمان وزمین کو بھی چھ دن میں پیدا فرمایا۔ اس سے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ ہر کام سکون واعتدال کے ساتھ سوچ سمجھ کر کریں، جلد بازی نہ کریں، جوش میں نہیں ہوش سے کام کریں۔

درس وتدریس میں اعتدال اور طویل تقریروں سے احتراز

پڑھنے پڑھانے میں بھی اعتدال ہونا چاہئے، کتاب پڑھانے کی جو رفتار شروع سال سے ہو اخیر تک وہی رہے، اِلّا یہ کہ ایسی کوئی کتاب ہو کہ کتاب اور فن سے مناسبت پیدا کرنے کی وجہ سے ابتدا میں قلیل مقدار ہو اور تدریجاً اضافہ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ شروع میں تو بہت دھواں دار تقریر ہورہی ہے ''آمین بالجہر'' اور ''قرأۃ فاتحہ خلف الامام'' پر کئی کئی دن تقریریں ہورہی ہیں، اور سال کے اخیر میں کتاب کی عبارت بھی اچھی طرح نہیں ہوتی۔ رقاق، زہد، تقویٰ پر کوئی کلام نہیں ہوتا، اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، اور شروع میں لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں، ایسی تقریر سے کیا فائدہ؟ کہ عبارت کا انطباق بھی نہ ہوسکے؛ لیکن آج کل لوگوں کو اسی کا خبط ہے اور اسی کو بڑا کمال

سمجھتے ہیں اس پر فخر کرتے ہیں۔ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ میں نے اس سال ''فاتحہ خلف الامام'' پر۲۲ردن تقریر کی، ایسی تقریر سے کیا فائدہ؟ کہ عبارت ترجمہ سے کچھ مطلب نہیں؟ طلبہ سمجھیں یا نہ سمجھیں؛ لیکن لمبی تقریر جاری ہے، بگاڑ ہی بگاڑ ہے، ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ نہ تھا،ان کے طریقہ سے جب ہٹیں گے تو بگاڑ ہی بگاڑ آئے گا، یہ تقریریں نہ کسی کو یاد رہتی ہیں نہ اس سے کوئی فائدہ، طالب علم میں صلاحیت ومناسبت پیدا ہوجائے تو ضرورت پر وہ خود سمجھ لے گا، کتابوں میں دیکھ لے گا۔

ہمارے اکابر کا طرز تدریس

ہمارے استاذ حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب بہت اعتدال کے ساتھ پڑھاتے تھے،عبارت کا ترجمہ اوراس کا واضح صاف مطلب بیان فرماتے اوراس سے زیادہ لمبی تقریر نہیں فرماتے تھے۔

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا بھی یہی طرز تھا کہ حدیث پڑھاتے تھے تو حدیث پاک کا ترجمہ ومطلب اور ضرورت ہو تو مختصر تشریح،اور یہ حدیث اپنے مسلک کے خلاف ہے تو اس کی توجیہ،بس اس سے زیادہ لمبی چوڑی تقریر نہ فرماتے تھے۔حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر ترمذی بھی اسی انداز کی ہے،حضرت گنگوہیؒ کا درس حدیث بھی اسی طرح کا ہوتا تھا، نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا،آپ بیتی میں حضرت شیخ نے لمبی چوڑی تقریروں کی سخت مذمت فرمائی ہے۔

حضرت اقدس مفتی محمود الحسن صاحبؒ سے حضرت کا تعلق

فرمایا حضرت مفتی صاحب میرے استاذ ہیں،زمانۂ طالب علمی میں تو حضرت مفتی صاحب سے زیادہ تعلق نہ تھا؛لیکن بعد میں جب مفتی صاحب کان پور تشریف لے

آئے اور میں نے یہاں کام شروع کیا تو کثرت سے مفتی صاحب کے پاس جایا کرتا تھا؛ کیوں کہ یہاں اور تو کوئی میرا بڑا تھا نہیں، حضرت مفتی صاحب ہی تھے، اور وہی شروع سے مدرسہ میں تشریف لایا کرتے تھے، اور اب بھی تشریف لاتے رہتے ہیں، اس زمانہ میں کوئی عمارت بھی نہ تھی، سفر بھی دشوار تھا، حضرت مفتی صاحب ۹ رمیل سے یہاں تک اکثر پیدل تشریف لاتے تھے۔

دینی کاموں میں مددگار ومعاون کی ضرورت

وَجَعَلْنَا مَعَهُ اَخَاهُ هَارُوْنَ وَزِيْراً. (آیت:۳۵) اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنادیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر یعنی ان کا معاون ومددگار اور کام میں ہاتھ بٹانے والا بنادیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی کام کرنا ہو اس میں معاون ومددگار کی ضرورت پیش آتی ہے کام تو اسی طرح بڑھتا ہے، ترقی اسی وقت ہوتی ہے، جب معاون ومددگار صحیح ہوں، جب نبی کو معاون کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا غیر نبی کو ضرورت نہیں پڑے گی ؟ بغیر نصرت کے تو کام چلتا ہی نہیں، اسی لئے موسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو وزیر بنایا، عیسیٰ علیہ السلام کے لیے حواریّین کو مددگار بنایا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کرامؓ کو جاں نثار بنایا۔

کام کرنے والے کو کام کی کثرت اور پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہئے

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا. (آیت:۵۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور تسلی کے فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہتے تو ہر ہر بستی کے لیے علیحدہ علیحدہ نبی اور رسول بھیجتے اور آپ پر اتنی ذمہ داریاں نہ آتیں، لیکن اللہ کا فضل وکرم اور اس کا احسان ہے کہ اس نے سارے عالم کے لیے آپ کو نذیر بنایا، اور آپ ہی پر ساری ذمہ داری ڈالی اور یہ صرف آپ کا رتبہ اور درجہ بڑھانے کے لیے، تا کہ آپ کو اور زیادہ ترقی ہو، کیونکہ جتنی زیادہ ذمہ داری ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ اجروثواب ہوتا ہے، اگر آپ پر پریشانیاں اور ذمہ داریاں اس قدر ہیں تو آپ کا اجر اور رتبہ بھی تو سب سے زائد ہے۔ اللہ کے یہاں کتنا اونچا مقام ہے آپ کو ساری دنیا کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

اگر یہ مضمون آدمی سوچ لے تو اس سے بہت تسلی ہوتی ہے، اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ دینی کام کرنے والوں کو حالات سے بددل اور پریشان نہیں ہونا چاہئے، کام کی کثرت اور ذمہ داریوں کی زیادتی سے گھبرانا نہیں چاہئے، اللہ تعالیٰ نے اگر ذمہ داری اتنی ڈالی ہے تو مقام بھی تو بلند ہوگا، خدا کے یہاں اجروثواب بھی تو زیادہ ہوگا، جو جتنا زیادہ بڑا ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس پر ذمہ داریاں ڈالی جاتی ہیں۔

محض تنخواہ کی لالچ کی وجہ سے کام نہیں کرنا چاہئے

کام کرنے والے کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہمارے ذمہ تو صرف یہ کام تھا وہ ہم نے کردیا، آگے وہ کام ہم کیوں کریں جو ہمارے ذمہ نہیں۔ ہم کو تو ہر وہ کام کرنا چاہئے جس میں اللہ کی رضامندی ہو، اللہ کی طرف سے اجروثواب کا وعدہ ہو۔ کام کی ذمہ داری ہم اس میں سمجھتے ہیں جس کی ہم کو تنخواہ ملتی ہے۔ جس طرح تنخواہ کی وجہ سے کام کیا جاتا ہے اسی طرح اجروثواب کے لئے بھی تو کام کرنا چاہئے۔ جس طرح خارج اوقات میں لوگ کام کرتے ہیں اور اس کی تنخواہ الگ ملتی ہے۔ اسی طرح خارج اوقات میں ہم کو کام

کرنا چاہئے اس کا بھی ثواب ملے گا۔ کام صرف تنخواہ کی لالچ ہی سے نہیں بلکہ اللہ کی رضا مندی اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں کرنا چاہئے، اور ہم کو تو ہر ایسے کام کا حریص ہونا چاہئے جس کام میں بھی اجر وثواب ملے، اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

ہر وقت کی مشغولی اور کام کا ہجوم اللہ کی نعمت ہے

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر کوئی ذمہ داری ڈالدے، کام کی کثرت ہو اور ہر وقت مشغولی رہتی ہو تو یہ اللہ کا احسان ہے، اس نعمت کی قدر کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ اجر وثواب دینا چاہتا ہے، اس کے درجات بلند کرنا چاہتا ہے، ہر ایک کو یہ بات کہاں نصیب!۔

ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس قدر محنت کے عادی تھے جس کی نظیر نہیں ملتی، صبح سے شام تک ان کا مشغلہ صرف پڑھنا ہی پڑھنا تھا۔ ہم نے ایسوں کے پاس وقت گذارا ہے اور ایسوں کی خدمت میں رہے ہیں، اب ان کے آگے کسی کی محنت جچتی نہیں، فجر کے بعد اگر پڑھانے بیٹھتے تھے تو عشاء تک سلسلہ چلتا تھا۔ وہ اللہ کے بندے تھے، کما کر چلے گئے، میرے کئی استاذ ایسے ہی تھے، زندگی تو گذرنا ہی ہے اور موت تو وقت ہی سے آئے گی، وقت سے پہلے تو آ نہیں سکتی، یہ تو یقینی بات ہے۔ محنت ومجاہدہ کرکے اور سوکھی روٹی کھا کر بسر کرے یا عیش وآرام کے ساتھ گوشت، قورمہ، پلاؤ کھا کر بسر کرے، زندگی بہر حال گذر جائے گی اور موت دونوں کو آئے گی، وقت سے پہلے کوئی نہیں جائے گا، اسی لیے کچھ کر کے جائے، کچھ کما کر جائے، بلکہ جو دین کے کام میں لگا ہوتا ہے، حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں لگے رہنے کی برکت سے اس کی عمر اور بڑھادی جاتی ہے، اسی کو تقدیرِ معلق کہتے ہیں، اس لیے دنیا سے جائے تو خوب کما کر جائے، کچھ لے کر جائے۔

قرآن اور سائنس

جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا. (آیت:٦١) ہم نے آسمان میں بڑے بڑے سیارے بنائے۔

لفظ ''فی'' ظرفیت کے لئے ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ سیارے آسمان کے اندر ہیں لیکن سماء کے معنی بلندی کے بھی آتے ہیں اس لیے آسمان اور زمین کے درمیان جو خلا ہے اس کو بھی سماء کہہ سکتے ہیں اس کی تائید ''وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً'' سے ہوتی ہے کیونکہ بارش بادلوں سے برستی ہے جو آسمان سے بہت نیچے ہیں اس لئے ''فی السماء بروجا'' میں دونوں احتمال ہیں، آسمان جو ایک عظیم چھت ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ اس میں دروازے ہیں ان پر فرشتوں کا پہرا ہے جو خاص اوقات میں کھولے جاتے ہیں اور آسمان کے دوسرے معنی جو فضا اور خلا کے ہیں یہ بھی مراد ہو سکتے ہیں، اس قسم کی آیات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ پاک کی اس عجیب صنعت کو دیکھ کر اللہ پاک کی قدرت کا یقین انسان کے اندر مستحکم ہو کہ جو ذات ان تمام چیزوں پر قادر ہے وہ کیا نہیں کر سکتی، اس سے مرنے کے بعد اٹھنے کا بھی یقین حاصل ہوتا ہے، اس کے علاوہ اگر سائنس کوئی نئی تحقیق پیش کرتی ہے اور وہ شریعت یعنی قرآن وحدیث کے خلاف نہیں تو ہم کو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی اشکال نہیں، لیکن خود قرآن، ہیئت، فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں، اس قسم کی تحقیقات کو قرآن میں ٹھونسنا اور جدید تحقیقات کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا سخت غلطی ہے، علامہ آلوسی کے پوتے جن کا نام محمود ہے انہوں نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی سائنس کی تحقیق قرآن وحدیث سے نہ ٹکراتی ہو تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نہیں اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ نقل صحیح اور عقل سلیم میں ٹکراؤ اور تضاد ہو جائے۔ اگر نقل صحیح سے تضاد ہو جائے تو کچھ عقل کا قصور ہے، ان کی تحقیق غلط ہے۔

سسرال کا ہونا بھی بہت بڑی نعمت ہے

فَجَعَلَهٗ نَسَباً وَصِهْرًا (آیت:۵۴) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے انسان کونسب اور سسرال والا بنایا، باپ سے جو رشتہ ہوتا ہے اس کو نسب کہتے ہیں، اور سسرال سے جو رشتہ ہوتا ہے اس کو صہر کہتے ہیں، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سسرال کا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، اور سسرال اسی وقت بنتی ہے جب آدمی کسی کا داماد بنتا ہے، کہیں شادی کرتا ہے، جو لوگ شادی نہیں کرتے وہ اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔

بیوی کے ذریعہ سے بھی بہت نیکیاں حاصل ہوتی ہیں

بیوی کے راستہ سے انسان اتنی نیکیاں کما تا ہے کہ کسی اور ذریعہ سے اس طرح کی نیکیاں نہیں کما سکتا، کمانے کے بہت سے طریقے ہیں نماز کے ذریعہ، صدقہ کے ذریعہ، جہاد کے ذریعہ، نیکی کما تا ہے لیکن بیوی کے ذریعہ جو کمائی ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوتی، روزہ، نماز، زکوٰۃ اور حج اور بہت سے اعمال کا اجر ہے لیکن بیوی اور اولاد کے حقوق ادا کر کے جو اجر وثواب ملتا ہے وہ کسی اور عمل سے نہیں مل سکتا، کسی کے پاس بہت سے کارخانے، فیکٹریاں ہوں جن سے آمدنی ہوتی ہو لیکن سیمنٹ کا کارخانہ نہ ہو تو دوسرے کارخانوں کی آمدنی ہوگی لیکن سیمنٹ کے کارخانہ سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ نہیں ہوگی، یہی حال اعمال کا ہے کسی عمل کا ثواب اسی وقت ہوگا جب اس کام کو کیا جائے گا، ثواب حاصل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں لیکن بیوی کے ذریعہ جو ثواب حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے کسی کام سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

بیوی کے ذریعہ ثواب حاصل کرنے کے طریقے

بیوی سے ہنس کر بات کرے تو بھی اجر ملے گا، وہ سخت مزاج ہو ہم اس کی سختی

برداشت کرلیں تو اجر ملے گا، میاں بیوی کے تعلقات صحیح اور خوشگوار ہوں تو اجر، ناگواری پر صبر کروتو اجر اس کی بیماری پر صبر کروتو اجر، بیوی کے منھ میں اپنے ہاتھ سے لقمہ ڈالو تو اجر، رات بھر اس سے بات کروتو اجر، کیا اور کوئی ہے جس سے رات بھر بات کرنے کی اجازت ہو بلکہ اس میں گناہ ہوگا، لیکن بیوی سے رات بھر بات کرنے پر بھی اجر ملتا ہے، (بشرطیکہ فرائض میں کوتاہی نہ ہو یعنی نماز نہ چھوٹے)۔

نکاح کس نیت سے کرنا چاہئے؟

بیوی کتنی بڑی نعمت ہے، اور ازدواجی رشتہ جونعمت ہے یہ مرد وعورت دونوں ہی کے لیے ہے، آدمی نکاح کرے اس میں نیت یہ ہونی چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا حکم فرمایا ہے، ہمارا ایمان محفوظ ہوگا اور عزت محفوظ ہوگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہوگا، اس نیت سے نکاح کرنے میں بھی ثواب ملتا رہے گا، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ نکاح اور بیوی اللہ کی کتنی بڑی نعمت اور اس کا احسان ہے لیکن شادی اور بیوی کی وجہ سے ہم اللہ ہی کو بھول جاتے ہیں، ایسے مشغول ہوجاتے ہیں کہ فرائض تک چھوڑ دیتے ہیں، پانچ وقت کی نماز کی بھی پابندی نہیں ہو پاتی۔

شیطان انسان کا دشمن ہے اس کو بے وقوف بناتا ہے

شیطان اور فرعون کی کہانی

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا. (آیت:۲۹) اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے، ایک مرتبہ فرعون کی حکومت میں قحط پڑا، بارش بھی نہیں ہورہی تھی۔ فرعون بڑا پریشان مغموم بیٹھا ہوا تھا۔ شیطان آیا اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ بارش نہیں ہورہی، قحط پڑا ہوا ہے، شیطان نے کہا کہ ارے! ایسی کون سی بات

ہے۔آج ہی رات کو بارش ہوتی ہے۔فرعون مطمئن ہوگیا،خوش ہوا،شیطان نے اپنی تمام فوج، چیلے چپاٹے اکٹھا کئے اور رات کے وقت کہا کہ سب لوگ ایک ساتھ مل کر پیشاب کرو، چنانچہ سب نے پیشاب کیا، رات کا وقت تھا لوگ بڑے خوش ہوئے، سمجھے کہ خوب بارش ہورہی ہے، جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ پیشاب کی بارش ہوئی ہے، مارے بدبو کے دماغ پھٹا جاتا ہے،فرعون بڑا پریشان،غمزدہ بیٹھا تھا،شیطان آیا پوچھا کیا بات ہے؟ کہا کہ بارش ایسی ہوئی کہ مارے بدبو کے براحال ہے یہ تو پیشاب کی بارش ہے، شیطان ہنسا اور کہا کہ تمہاری خدائی میں بدبودار نہیں تو کیا خوشبودار عطر کی بارش ہوگی؟ اور ہنس کر چلتا بنا، شیطان کا یہی حال ہے کہ وہ انسان کو بے وقوف بناتا ہے،اس سے مسخرہ کرتا ہے۔(یہ قصہ حضرت نے بطور لطیفہ کے بیان فرمایا)

سخت ترین حالات میں تسلی حاصل کرنے کا طریقہ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِياً وَّنَصِيْراً. (آیت:۳۱)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن مجرم لوگوں میں سے بنائے ہیں،اور ہدایت (کرنے) اور مدد (کرنے) کے لیے آپ کا رب کافی ہے۔

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ! نبی کے دشمن ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے،آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء ورسل آئے ہر ایک کے دشمن رہے ہیں،اور ہر ایک کے ساتھ اس طرح کے حالات پیش آئے ہیں،جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے، دینی کام کرنے والوں کے سامنے ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں،اگر اس بات کو پیش نظر رکھیں تو اس سے بڑی تسلی ہوتی ہے،اور آگے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کی ہدایت اور رہنمائی کرنے والا ہے۔آپ غلط راستہ پر نہیں ہیں،آپ سیدھے راستہ پر

ہیں، اور کوئی ہو یا نہ ہو لیکن اللہ آپ کا مددگار ہے اور وہ آپ کے لیے کافی ہے۔

یہ دو باتیں ایسی ہیں کہ واقعی اس سے بڑی مدد ملتی ہے اور تسلی حاصل ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ ہم حق پر ہیں، ہم جو کر رہے ہیں صحیح کر رہے ہیں، دوسرے یہ کہ اللہ ہمارا مددگار ہے، وہی ہمارا محافظ ہے، اگر ان دو باتوں کا یقین اور اطمینان ہو جائے تو بڑی سے بڑی مصیبت آسان ہو جائے۔

جب پریشانی اور مصیبت آئے تو کیا کرنا چاہئے؟

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ. (آیت:۵۸) اور اس ذات پر توکل کیجئے جو زندہ ہے اس کو موت نہیں اور اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی پریشانی اور ناگوار حالات پیش آئیں تو اللہ کی طرف انابت کرے، اسی پر توکل کرے، استغفار کرے، تسبیح وتحمید کرے، اللہ کے ذکر میں لگ جائے، کیونکہ جو پریشانی اور جو حالات آئے ہیں اسی کی جانب سے ہیں، اس لئے اسی کی طرف متوجہ ہو اور استغفار کرے، ذکر کرے،

اس طرح کام کرو کبھی نہ ہمت ہاروگے

کام کرنے والے کو چاہئے کہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے کام کرے تو کبھی ہمت نہ ہارے گا، اور ساتھ ہی ذکر تسبیح وتحمید کرتا رہے جیسا کہ آیت کے اندر اسکا حکم دیا گیا ہے، اس کی برکت سے لوگوں کی مخالفت طعن وتشنیع کا اس پر اثر نہ ہوگا، ذکر کی وجہ سے اطمینان، سکون بڑھے گا اور اگر ذکر نہ کرے گا تو بددل ہو جائے گا، ہمت توڑ دے گا، اس آیت سے یہی سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی بات کا اثر نہ لیا جائے، اللہ پاک سے تعلق رکھے، اس پر بھروسہ رکھے، اور ذکر کا اہتمام کرے۔

انبیاء کے ستانے والوں کو اک دم سے نہیں دبوچا گیا اور ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مخالفت کرنے والا اک دم سے ہلاک ہوجائے، کام کرنے والے پر تو ایسے حالات آتے ہی ہیں، اور ان حالات کا اس کو مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے، جس کا طریقہ اوپر بیان کیا گیا، اللہ کی طرف سے مخالفین کو کچھ ڈھیل دی جاتی ہے، وقت دیا جاتا ہے کہ باز آجائیں، توبہ کریں، اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر ہلاکت کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اللہ کے نیک بندوں کی علامتیں

اللہ کا بندہ تو وہی ہے جس کے اندر بندگی پائی جائے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الآیة.

ہر چیز کی علامت ہوا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے کی بھی کچھ علامات ہیں، جب وہ علامات پائی جائیں گی تو کہا جائے گا کہ واقعی یہ اللہ کا بندہ ہے، اور اگر وہ علامات اس میں نہیں پائی جائیں گی تو سمجھو کہ صحیح معنی میں یہ اللہ کا بندہ نہیں۔

یہاں ان آیات میں اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں کہ اللہ کے بندے تو یہ ہیں، بندے تو سب ہی ہیں خواہ نافرمان ہوں لیکن واقعی بندہ کہلانے کے مستحق یہ لوگ ہیں جو ان اوصاف سے متصف ہیں، جیسے کہتے ہیں کہ میرے شاگرد تو یہ ہیں، حالانکہ شاگرد تو بہت سے ہیں لیکن لائق شاگرد یہ ہیں، غلام وہی ہے جو اپنے آقا کا مطیع و فرمانبردار ہو، اسی طرح اللہ کا بندہ وہی ہے جس کے اندر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری پائی جائے۔

بندوں کو صفت رحمت سے متصف ہونا چاہئے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الآیة: رحمٰن کے بندے۔

رحمٰن کے بندے کہا، حالانکہ اللہ تعالیٰ قہار بھی ہے، جبار بھی ہے، قہار، جبار کا بندہ نہیں کہا بلکہ رحمٰن کا بندہ کہا، مطلب یہ ہے کہ جب تم رحمٰن کے بندے ہو تو بندوں کے اندر رحم کی صفت بھی ہر وقت پائی جانی چاہئے، ہر ایک کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ ہونا چاہئے، جیسے کہا جاتا ہے کہ ارے تم کس باپ کے بیٹے ہو؟ تمہارا باپ تو اتنا سخی داتا! اور تم اتنے بخیل ہو، مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تمہارا باپ ایسا سخی ہے اور تم اسی باپ کے بیٹے ہو تو تم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔

اسی طرح عباد الرحمٰن کہہ کر اشارہ کردیا کہ جب تم رحمٰن کے بندے ہو تو صفت رحم ہر وقت تمہارے اندر بھی ہونا چاہئے، اور ہر وقت اس کا استحضار رہنا چاہئے، اگر کبھی کوئی معاملہ پیش آجائے، انتقامی جذبہ پیدا ہو تو اس کو دبانا چاہئے، درگذر کردینا چاہئے، ہر ایک کے ساتھ عفو وکرم اور رحم کا معاملہ ہونا چاہئے۔

اللہ کے نیک بندوں کی پہلی علامت تواضع ومسکنت

اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا.

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

هَــوْنَ کے معنی پستی کے آتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اپنے کو حقیر سمجھتے ہیں، اترا کر، تکبر کے ساتھ اکڑ کر نہیں چلتے، پستی اور عاجزی اور سکون ووقار کے ساتھ چلتے ہیں، ان کے چلنے اور بولنے میں پستی ہوتی ہے، ایسے انداز سے نہیں چلتے پھرتے جس سے تکبر ٹپکتا ہو، یعنی ان کے اندر تکبر نہیں ہوتا بلکہ تواضع کی صفت پائی جاتی ہے۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کامل ولی ہو نہیں سکتا جب تک کہ اپنے کو کتا خنزیر سے زیادہ حقیر نہ سمجھے، کیونکہ کتے اور خنزیر کو تو حساب کتاب نہیں دینا اور اس کو حساب کتاب دینا ہے پتہ نہیں انجام کیا ہو؟ خاتمہ ایمان پر ہو یا نہ ہو۔

مؤمن بزدل اور سست نہیں ہوتا

تیز چلنا سکون اور وقار کے خلاف نہیں

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل سست بن کر آہستہ آہستہ چلے بالکل مریل بن جائے، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ جان ہی نہیں، مؤمن کاہل سست نہیں ہوتا، اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اترا کر، اکڑ کر، متکبرانہ چال نہیں چلتے بلکہ عاجزی اور سکون ووقار کے ساتھ چلتے ہیں۔

اور سکون ووقار کے ساتھ چلنا تیز چلنے کے منافی نہیں، خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت تیز چلا کرتے تھے، حدیث پاک میں آپ کے چلنے کی کیفیت منقول ہے کہ آپ اس طرح چلتے تھے جیسے ڈھال میں اتر رہے ہوں، اور اتنی تیزی سے چلتے تھے کہ صحابہ دوڑ کر تیزی سے چلتے تو ساتھ چل پاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تیز چلنا سکون ووقار کے خلاف نہیں، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں تیز چلتے؟ اس آیت میں تیز چلنے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ متکبرانہ انداز میں چلنے کی ممانعت سمجھ میں آتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ کا

تکبیر اولیٰ کے لئے تیز چلنے کا اہتمام

(تیز چلنے کی مناسبت سے حضرت اقدس نے اپنے پیرومرشد حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا واقعہ سنایا) کہ حضرت ناظم صاحبؒ کو نماز باجماعت اور تکبیر اولی کا بہت اہتمام تھا، دارقدیم کی مسجد میں نماز ادا فرماتے

تھے، کہیں تشریف لے جاتے تب بھی نماز کے وقت تشریف لے آتے، ہمیشہ کا یہی معمول تھا، اور وضو میں ہی کرایا کرتا تھا، ایک مرتبہ دفتر میں شوریٰ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اور میں انتظار میں تھا کہ حضرت تشریف لائیں گے اور وضو فرمائیں گے، لیکن کافی دیر ہوگئی، جماعت کے وقت سے زائد ہو گیا اور حضرت تشریف نہیں لائے، اب میں بڑا پریشان کہ جماعت میں شریک ہوں یا حضرت کا انتظار کروں؟ پھر میں انتظار کرتا رہا اور ایک دو ساتھیوں کو اور روک لیا کہ شاید حضرت کی جماعت چھوٹ جائے تو بعد میں دوسری جماعت ہو سکے، تھوڑی ہی دیر میں دیکھا کہ حضرت تشریف لے آئے اور معلوم ہوا کہ جماعت ختم ہونے والی ہے، اس وقت میں نے حضرت کو دیکھا کہ حضرت کیسے تلملا رہے تھے، اور کیسی ان پر گذر رہی تھی، ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا، بڑے پریشان اور بہت رنجیدہ تھے کہ آج میری تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی، ادھر اُدھر قریب کی مسجدوں میں معلوم کرایا کہ شاید ابھی کسی مسجد میں جماعت نہ کھڑی ہوئی ہو، ہم لوگ دوڑے دوڑے پھر رہے تھے کہ شاید کہیں پوری جماعت مل جائے لیکن سب جگہ جماعت ہو چکی تھی، اب حضرت کا عجیب حال ہوا، بہت غم ہوا، بیٹھ گئے مارے افسوس کے رخسار پر ہاتھ رکھ لئے کہ اتنے میں کسی نے کہا کہ فلاں باغ میں ایک مسجد ہے وہاں کبھی جماعت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، امید ہے کہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ وہاں جماعت مل جائے گی، بس حضرت تیزی سے اٹھے کہ چلو، اور وہاں سے مسجد تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، اس وقت میں نے دیکھا کہ حضرت کتنی تیزی سے چل رہے تھے اور میں پیچھے پیچھے دوڑتا جا رہا تھا، اور میں تو ہانپنے تک لگا تھا حالانکہ اس وقت ساتھیوں میں سب سے زیادہ میں ہی تیز دوڑنے والا تھا، وہاں قریب پہنچ کر دور سے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے پاس کھڑے ہوئے ہیں، ہاتھ

کے اشارہ سے معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی جماعت نہیں ہوئی ہے، اشارہ کیا ٹھہر جاؤ ہم بھی آتے ہیں، مارے خوشی کے حضرت کا چہرا کھل گیا، وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ ہم انتظار میں تھے کہ کوئی نماز پڑھانے والا آئے تو نماز پڑھائے۔ اس طرح حضرت نے تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

اتنا اہتمام میں نے کسی اور کے یہاں نہیں دیکھا، تکبیر اولیٰ کا تو اہتمام دیکھا ہے لیکن مسجد کے اندر جماعت اولیٰ اور تکبیر اولیٰ کا اتنا اہتمام میری نظر میں نہیں، ہمارے حضرت کو اس کا بہت خیال رہتا تھا، لوگ کہتے تھے کہ چالیس سال سے حضرت کی تکبیر اولیٰ نہیں فوت ہوئی، اور میں پانچ سال حضرت کی خدمت میں رہا، پانچ سال کے عرصہ میں میں نے نہیں دیکھا کہ حضرت کی تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو۔ اللہ پاک ہم لوگوں کو بھی توفیق نصیب فرمائے!

حالت سفر میں بھی حضرت اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ سفر ایسے وقت اور ایسی گاڑی سے شروع فرماتے تھے کہ درمیان میں نماز کا وقت نہ ہو۔ تھانہ بھون یا دیوبند تشریف لے جاتے تو اس طرح کہ جماعت سے نماز یا تو یہاں ادا کریں یا تھانہ بھون پہنچ کر، ایک مرتبہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی والدہ کے انتقال کے موقع پر تعزیت کے لیے دیوبند تشریف لے گئے، تعزیت فرمائی اور جلد ہی واپس ہونے لگے، حضرت قاری صاحبؒ نے ناشتہ چائے وغیرہ کا انتظام فرمایا، حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ نہیں ناشتہ کروں گا تو تاخیر ہو جائے گی، اور اتنے بجے واپسی گاڑی چھوٹ جائے گی اور نماز کا وقت راستہ میں پڑے گا۔ پھر معلوم ہوا کہ نہیں اس گاڑی سے جانے میں بھی نماز کا وقت درمیان میں پڑے گا، نماز پڑھ کے یہاں سے چلیں تو زیادہ اچھا ہے، چنانچہ پھر نہیں گئے اور ناشتہ کر کے پھر دوسری گاڑی سے تشریف لے گئے۔

اللہ کے نیک بندوں کی دوسری علامت

فضول مباحثہ سے اجتناب

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا.

جب ان سے جہالت والے بات کرتے ہیں تو وہ دفع شر کی بات کرتے ہیں۔

یعنی اللہ کے نیک بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر جاہلوں سے کبھی ان کا سابقہ پڑے تو ان سے الجھتے نہیں، خواہ مخواہ کی بحث اور جھک جھک نہیں کرتے بلکہ ان سے دور رہتے ہیں، ان کے پاس سے سلام کہہ کر گذر جاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جاہلوں جیسی بات نہیں کرتے جس سے فتنہ پیدا ہو کہ معمولی سی بات میں بگڑنا شروع کر دیا، گالی بکنے لگے، بلکہ ان کے مقابلہ میں سلامتی کی بات کرتے ہیں، سلامتی کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ سلام کر کے علیٰحدہ ہو جاتے ہیں، ان سے الجھتے نہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب ان سے بات کرتے ہیں تو سلامتی کی بات کرتے ہیں۔ مثلاً اس طرح نرمی سے کہ "ارے! آپ تو غصہ ہو رہے ہیں! پہلے میری بات تو سنیے میں تو سو مرتبہ معافی مانگنے کو تیار ہوں" اللہ کے نیک بندے فتنہ کو بڑھاتے نہیں فتنہ کو ختم کرتے ہیں، اس میں دنیا کی بھی سلامتی ہے اور آخرت کی بھی سلامتی ہے۔

اللہ کے نیک بندوں کی تیسری علامت، تہجد کا اہتمام

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَّقِيَاماً.

اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ وقیام میں لگے رہتے ہیں، اللہ والوں کی شان بیان کی گئی ہے کہ وہ راتوں میں اپنے رب کو یاد کرتے ہیں، تہجد کی نماز

پڑھتے ہیں، صحابہ کی شان بیان کی گئی ہے ''صَائِمُ النَّهَارِ قَائِمُ اللَّيْلِ'' یعنی دن میں روزہ رکھتے اور رات میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر عبادت کرتے ہیں، دن میدان جہاد میں گذرتا ہے گویا ان سے بڑا کوئی بہادر نہیں اور رات میں دیکھو تو سجدہ میں پڑے ہیں گویا دنیا سے انہیں کوئی مطلب نہیں، ہر مومن کی یہی شان ہونا چاہئے، جب تک آدمی میں یہ وصف نہ ہو اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جس کو ملا ہے اسی کی بدولت ملا ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ملتا، مجاہدے کے بعد ہی انعام ملتا ہے، جتنے بھی بزرگان دین گذرے ہیں سب ہی تہجد پڑھا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز ناغہ نہیں ہوتی تھی، ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا: '' اَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَاَفْشُوْ السَّلَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.'' یعنی سلام کثرت سے کرو، کھانا کھلاؤ، رات میں جب لوگ سو رہے ہوں اس وقت نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اس لیے بزرگان دین اور مشائخ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے اور اس کے بغیر کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا، کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

عطار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو   کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

یہ وقت اللہ کی رحمت کے نزول کا ہوتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے ندا کرتا ہے، کہ ہے کوئی مانگنے والا اس کی مانگ پوری کی جائے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا اس کی بخشش کی جائے وغیرہ۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

ابن عربیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا، حضرت کیسی گذری؟ اللہ نے کیا معاملہ فرمایا؟ حضرت نے ان کو

جواب دیا مَانَفَعَنَا اِلاَّ رَکَعَاتٌ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ یعنی ہمارے واسطے کوئی چیز نافع نہ بنی سوائے ان چند رکعتوں کے جن کو درمیان رات میں پڑھ لیتا تھا، بس وہی کام آئیں ان کی برکت سے اللہ نے کرم فرمادیا، زندگی بھر میں انھوں نے نہ معلوم کیسے کیسے مجاہدے کئے ہونگے، کیسے کیسے رموز وحقائق اور اسرار ودقائق بیان کئے ہوں گے، اور مخلوق کو کتنا فائدہ پہنچایا لیکن فرماتے ہیں رات کی چند رکعتیں کام آئیں اور وہی بخشش کا ذریعہ بنیں، اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ اس کی عادت ڈالے اس میں کون سی مشکل ہے، اگر رات میں اٹھ نہیں سکتے، آنکھ نہیں کھلتی تو عشاء کے بعد تو چند رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ سکتے ہیں اس میں کیا دشواری ہے۔

تہجد کی آسانی اور رحمت خداوندی

قربان جائیے اللہ اور اس کے رسول پر کہ کسی کو محروم نہیں فرمایا، علماء کرام نے لکھا ہے کہ عشاء کے بعد جو نوافل پڑھ لی جائیں وہ بھی تہجد کے قائم مقام ہوجاتی ہیں، اگر کسی شخص کی تہجد میں آنکھ نہ کھلتی ہو تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی نیت سے کچھ نوافل پڑھ لے اس کو بھی تہجد کا ثواب ملے گا، اور اس کا شمار بھی اس آیت پر عمل کرنے والوں میں ہوجائے گا، لیکن ہم سے اتنا بھی نہیں ہو پاتا، اگر کوئی کرنا چاہے تو کیا نہیں کرسکتا، رات میں دیر تک کتابیں دیکھتے ہیں، دیکھتے رہیں، شوق سے دیکھیں لیکن سونے سے قبل دو چار رکعت پڑھ لیا کریں، اس میں کیا نقصان ہے؟ اللہ کی رحمت تو بہانا ڈھونڈتی ہے، ایک حدیث پاک میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر کوئی شخص عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کرلے تو اس کو بھی رات بھر عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے اور وہ بھی اس آیت کا مصداق ہوگا، کس قدر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کوئی ہو تو حاصل کرنے والا اور لینے والا، اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر رات کو نہیں اٹھتا تو کم از کم عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے اور رات میں اٹھ کر تہجد پڑھنے کی تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے،

اس کی بھی عادت ڈالنی چاہئے۔ (یا اللہ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرما! آمین)

تہجد کی قضاء

نوافل کی قضاء نہیں ہوتی لیکن علماء نے لکھا ہے اور تفسیر جلالین سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کا تہجد کا معمول تھا اور کسی وجہ سے اس کی تہجد چھوٹ جائے تو اس کو چاہئے کہ دن میں نوافل پڑھ لے وہ تہجد کا کسی درجے میں بدل ہو جائیں گی اور تہجد کا ثواب مل جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا جیسا کہ احادیث پاک سے معلوم ہوتا ہے۔

معمولات کی قضاء

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر معمولات کا کبھی ناغہ ہو جائے تو ان کو چھوڑ نا نہیں چاہئے دوسرے وقت میں ان کو پورا کر لینا چاہئے۔

ایک بزرگ کا حال

سُجَّداً وَّقِيَاماً . سجدہ وقیام میں لگے رہتے ہیں۔

یعنی اللہ کے نیک بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گذار دیتے ہیں، ایک بزرگ کا حال لکھا ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آج رکوع کی رات ہے پھر جب تہجد پڑھتے تو رکوع بہت طویل کرتے، اور رات کا اکثر حصہ رکوع ہی میں گزار دیتے، اور کبھی فرماتے کہ آج سجدہ کی رات ہے پھر اس رات کو سجدہ خوب طویل کرتے، کبھی فرماتے کہ آج تو قیام کی رات ہے اور اس رات کو قیام دیر تک فرماتے، یہ ان بزرگ کا ایک حال تھا۔ کیسے کیسے اللہ کے بندے گذرے ہیں، ہم کو بھی تو کچھ کرنا چاہئے۔

تہجد پڑھنے والوں کو تکبر سے بچنے کی ضرورت

تہجد کا اہتمام تو کرنا چاہئے لیکن اس کا بھی بہت خیال رکھنا چاہئے کہ ہمارے اندر تکبر نہ پیدا ہو جائے، اس کی وجہ سے ہمارے دل میں کسی کی تحقیر نہ ہو، ہم اپنے کو بڑا اور مقدس نہ سمجھنے لگیں، آج کل لوگوں کے حالات اسی قسم کے ہیں اس راہ سے شیطان بڑے بڑے لوگوں کو اچک لیتا ہے۔ لوگ دوسروں کو جتلایا کرتے ہیں کہ میں بھی تہجد پڑھتا ہوں۔ جب مسئلہ پوچھیں گے تو یہی کہ مولانا تہجد کی کتنی رکعتیں ہوتی ہیں آٹھ یا بارہ؟ مولانا اگر تہجد کی صرف چار رکعت پڑھ لیں تو کوئی حرج تو نہیں، مولانا کیا بتاؤں روزانہ تو دو بجے اٹھ جاتا تھا آج دیر میں آنکھ کھلی معلوم نہیں وقت تھا یا نہیں، مجھے اس طرح کے بہت سے لوگ ملتے ہیں، اور بس اسی قسم کے مسئلے پوچھتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اور ضروری مسائل نماز کے فرائض، واجبات، مستحبات سب ان کو معلوم ہیں، ضروری باتیں معلوم نہیں کرتے، تہجد کی رکعتیں معلوم کرتے ہیں، اخلاق اور معاملات میں کورے ہیں ان کی کچھ فکر نہیں، جب کبھی اپنی حالت بیان کریں گے تو یہی بتلائیں گے اور اسی پر اظہار افسوس کریں گے کہ مولانا کیا کروں؟ اب تہجد میں آنکھ نہیں کھلتی، بہت کوتاہی ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ جتنے اور گناہ کے کام ہیں وہ ان سے نہیں ہوتے، اگر ہوتا ہے صرف ایک گناہ ہوتا ہے کہ تہجد چھوٹ جاتی ہے، غیبت، چغلی، بدنگاہی، فضول باتیں، جھوٹ، حق تلفی، دل آزاری کوئی گناہ ہوتا ہی نہیں، فرائض چھوٹیں، تکبیر اولیٰ فوت ہو تو اس کا کوئی تذکرہ نہیں، گھر والوں کی حق تلفی کریں، کسی کا حق دبالیں ان کا نہ تو مسئلہ معلوم کریں گے، نہ تذکرہ کریں گے، تذکرہ کریں گے تو تہجد کا، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فہرست میں اور کوئی گناہ ہے ہی نہیں، ان کا پورا اعمال نامہ بالکل صاف ہے، جب کبھی خواب بیان کریں گے تو یہی کہ خواب میں فلاں بزرگ سے ملاقات ہوئی، مصافحہ ہوا انھوں نے مجھے کھلایا، ان بزرگ کی خدمت کی، وضو کرایا، شیخ

نے فرمادیا کہ مبارک ہو! مبارک ہو! واہ واہ ہوگئی، بس پھول کر کپا ہو گئے، اب نہ اصلاح کی فکر ہے، نہ مجاہدہ کی ضرورت، جو چاہیں کرتے رہیں۔

اس لئے اس بات سے چوکنا رہنا چاہئے کہ تہجد پڑھنے سے ہمارے اندر بڑائی اور تکبر تو نہیں پیدا ہو رہا، ہم دوسروں کو حقیر تو نہیں سمجھتے۔

ایک باپ بیٹے کی حکایت

ایک جگہ باپ بیٹے موجود تھے اور دونوں نے رات بھر خوب عبادت کی تہجد کی، نماز ادا کی، قریب میں اور بہت سے لوگ سو رہے تھے، اخیر رات میں بیٹے نے باپ سے کہا کہ ابّا! یہ کیسے لوگ ہیں؟ پڑے سو رہے ہیں، رات بھر سوتے ہی رہتے ہیں، تہجد نہیں پڑھتے، باپ نے کہا بیٹا! اگر تم بھی نہ پڑھتے اور پڑے سوتے رہتے تو تمہارے لئے بہتر تھا، اگر تہجد نہ پڑھتے تو نقصان کچھ نہ ہوتا، صرف تہجد کی فضیلت نہ حاصل ہوتی لیکن تہجد پڑھ کر تم نے دوسروں کو حقیر اور اپنے کو بڑا سمجھا یہ تکبر ہے۔ اس میں بہت بڑا نقصان ہے، کاش! تم بھی سوتے ہی رہتے اور تہجد نہ پڑھتے۔

اللہ کے نیک بندوں کی چوتھی علامت عبادت کا ثمرہ

اور مقبول عبادت کی پہچان

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ. اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو۔

اللہ کے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ عبادت تو کرتے ہیں لیکن عبادت کی وجہ سے ان کے اندر غرور و تکبر نہیں پیدا ہوتا اور وہ مستغنی اور بے فکر نہیں ہو جاتے، عبادت کر کے ڈھیٹ نہیں ہو جاتے بلکہ ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہماری

عبادت مقبول ہوئی یا نہیں؟ اپنی عبادت پر ناز نہیں کرتے۔

عبادت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور خوف پیدا ہوتا ہے، اس کا قرب نصیب ہوتا ہے، اگر یہ باتیں پیدا ہوں تو سمجھو عبادت مقبول ہے ورنہ نہیں۔

انسان کی جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق، محبت اور خوف بھی بڑھتا رہنا چاہئے، کیونکہ عبادت سے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، اور معرفت سے خوف خدا پیدا ہوتا ہے جو جتنا بڑا عبادت گذار ہوگا اسی قدر اس کو معرفت بھی نصیب ہوگی، اور جس قدر معرفت ہوگی اسی کے بقدر خوفِ خدا بھی ہوگا، اور جس عبادت سے اللہ کی معرفت نصیب نہ ہو، قرب اور محبت نہ ہو، اللہ کا خوف نہ ہو سمجھو وہ عبادت مقبول نہیں ہوئی۔

عبادت کے مقبول ہونے کی دوسری پہچان

علماء نے لکھا ہے کہ مقبول عبادت کی علامت اور اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ عبادت کے ساتھ اور دوسرے اعمال میں اس کا کیا حال ہے، اگر عبادت کے ساتھ غلط کاموں سے بچتا ہے، کسی کی حق تلفی نہیں کرتا، کسی پر ظلم نہیں کرتا، کسی کو ستاتا نہیں، اللہ کی مخلوق کو پریشان نہیں کرتا، تو سمجھو کہ اس کی عبادت مقبول ہے، اور اگر رات میں تو نوافل پڑھتا ہے اور دن میں لوگوں کا گلا کاٹتا پھرتا ہے، اللہ کی مخلوق کو پریشان کرتا ہے اور دوسرے گناہوں میں مبتلا ہے تو سمجھو کہ اس کی عبادت نامقبول ہے۔

خدا سے صحیح تعلق ہونے کی پہچان

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر یہ بات معلوم کرنا ہے کہ خدا سے ہمارا تعلق صحیح ہے یا نہیں؟ تو یہ دیکھ لو کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ اور کیا سلوک ہے، اللہ کی مخلوق

کو پریشان کرتا ہے، ستاتا ہے یا ان کو راحت پہنچاتا ہے، اگر مخلوق سے اس کا تعلق صحیح ہے تو سمجھ لو کہ اللہ سے بھی اس کا تعلق صحیح ہے، اور اگر اللہ کی مخلوق سے اسکا تعلق صحیح نہیں تو اللہ سے اسکا تعلق صحیح ہو نہیں سکتا، جو اللہ کی مخلوق کو پریشان کریگا تو کیا اللہ اس سے خوش ہوگا؟ کوئی شخص کسی کے بیٹے کو جوتے لگائے اور باپ کو چائے پلائے تو کیا باپ کو اس سے خوشی ہوگی؟

اللہ کے نیک بندوں کی پانچویں علامت

اولاد کو دیندار بنانے کی فکر اور اس کی دعاء کرنا

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا.

اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا۔

ایمان والوں کی شان بیان کی گئی ہے کہ وہ یہ دعاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہم کو متقیوں کا امام بنا دے! اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اولاد کو نیک اور دیندار بنا دے جب وہ نیک اور دیندار ہوں گے تو یہ شخص ان کا امام (بڑا) ہوگا، اس آیت میں بڑائی طلب کرنا مقصود نہیں بلکہ بھلائی طلب کرنا مقصود ہے کہ یا اللہ! ہم کو یہ بھلائی نصیب فرما دے کہ ہماری اولاد دیندار ہو، علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ دعاء پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اسکو نیک اور دیندار اولاد نصیب فرمائے گا۔

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب دعاء کے ساتھ دوا یعنی نیک بنانے کی تدبیر اور ان کی صحیح تربیت بھی کی جائے، لیکن آج اچھے اچھے دیندار قسم کے لوگ اپنی اولاد کی

طرف سے لاپرواہ ہوتے ہیں، خودتو چوکی میں بیٹھے ہیں، تسبیح چل رہی ہے، وظیفہ پڑھ رہے ہیں، اپنے معمولات پورے کر رہے ہیں، اور لڑکے، بہو، الگ الگ اپنے معمولات پورے کر رہے ہیں، ٹی وی چل رہی ہے اور بیٹا، بہو دیکھ رہے ہیں، اس طرح اولاد دیندار بن جائے گی؟۔

چھٹویں علامت، فضول خرچی اور بخل سے احتیاط

اسراف اور بخل کی حقیقت اور اس کی مذمت

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا.

ترجمہ: اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان ان کا خرچ اعتدال پر رہتا ہے۔

اب تک عبادت بدنی کا ذکر تھا، آگے عبادت مالی کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے اور اللہ والوں کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے محبوب ومقبول بندے ایسے ہوتے ہیں جو اسراف (یعنی فضول خرچی) اور اقتار (یعنی بخل وکنجوسی) نہیں کرتے۔

اسراف کہتے ہیں جہاں نہ خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ کرنا یا جتنا خرچ کرنا چاہئے اس سے زائد خرچ کرنا، یعنی ایک تو یہ ہے کہ جائز موقع پر خرچ کرنا دوسرے یہ کہ جائز موقع پر خرچ کرے اور جتنا خرچ کرنا چاہئے اتنا ہی خرچ کرے ضرورت سے زائد خرچ نہ کرے۔

مثال کے طور پر گرمی ہے ضرورت ہے پنکھا چلا لو اور اگر گرمی نہیں ہے پھر بھی بے ضرورت پنکھا چلا رہے ہیں، یہ اسراف ہے، اسی طرح مثلاً ضرورت ہے ایک پنکھے اور ایک بلب کی، اور استعمال ہو رہے ہیں دو چار، تو یہ اسراف ہے کیوں کہ بے ضرورت ہے۔

اسراف میں عام ابتلاء

آج کل اسراف میں بہت ابتلاء ہے، ضرورت سے زائد بہت خرچ ہوتا ہے، خوامخواہ راڈ جل رہے ہیں، پنکھے چل رہے ہیں حالانکہ وہاں کوئی نہیں ہے اگر ضرورت ہوتو چلا لو ورنہ بند کردو، اور جب ۴۰ وارڈ کے بلب سے ضرورت پوری ہوتی ہو اسی کو استعمال کرو، اس سے زائد کو استعمال نہ کرو، چند لوگ پڑھنے والے ہوتے ہیں، ایک شخص اس پنکھے کے نیچے دوسرا دوسرے کے نیچے ایک اِس راڈ پر ایک اُس بلب پر، ارے! جب ایک ہی پنکھے اور ایک ہی بلب میں کام چل سکتا ہے تو کیوں ضرورت سے زائد استعمال کئے جارہے ہیں، یہ بھی تو اسراف ہے، اور لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بہت بڑی بات ہے، مسرفین کے بارے میں آیا ہے ''وَاللّٰهُ لاَ یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ'' اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے، یہ کوئی معمولی بات ہے ؟۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فیاضی اور سخاوت میں مشہور ہیں لیکن ان کا قصہ ہے کہ اپنی بیوی کو جو کہ شریک حیات ہوتی ہے اور گھر کے مال میں جس کا حق ہوتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی ہیں، ان کو اس بات پر ڈانٹا اور تنبیہ کی کہ تم نے چراغ کی بتی کیوں بڑھادی؟ کیا۔ نعوذ باللہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بخیل تھے، آپ تو بہت بڑے سخی تھے، آپ کی سخاوت کے بہت سے واقعات ہیں لیکن پھر بھی چراغ کی بتی تیز ہونے پر نکیر فرمائی کہ یہ زائد روشنی بے ضرورت تھی، اب ہم لوگ اپنے آپ کو دیکھ لیں کہ کس قدر اسراف کرتے ہیں۔

بے برکتی کی شکایت اوراس کا علاج

آج کل بکثرت لوگ شکایت کرتے ہیں کہ حضرت بہت تنگی ہے، اتنے بچے ہیں، گھر کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا، دکان نہیں چلتی، برکت نام کی کوئی چیز نہیں، اور وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اسراف کس قدر کرتے ہیں۔

جب جائز موقعوں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا منع ہے تو ناجائز امور میں خرچ کرنا کیسے درست ہوگا؟ شادیوں میں لوگوں کو دیکھ لو کہ ناچ گانوں میں اِدھر اُدھر کے رسوم وخرافات میں کس قدر لوگ خرچ کرتے ہیں، اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ خرچ پورا نہیں ہوتا، برکت نہیں ہوتی، بچوں کی زیادتی اور خرچ پورا نہ ہونے کی تو شکایت ہے لیکن سنیما نہ چھوٹے گا، وہاں سب سے آگے ملیں گے، تو کیا اس طرح برکت آجائے گی؟ اگر اللہ نے مال دیا ہے تو گھر والوں پر خرچ کرے، حدیث پاک میں اس کی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ تمہارے مال کا بہترین مصرف تمہاری جان پھر تمہارے اہل وعیال ہیں، ان کی ضرورت سے بچ جائے تو خاندان میں جو غریب ہیں ان پر اور پھر محتاجوں پر خرچ کرو۔

اللہ والوں کی ایک اور شان

وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا.

ان کی شان یہ بھی ہے کہ جب ایسی لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی اتفاق سے گزر ہوتا ہے تو وہ شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، یعنی گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے بھی ان لوگوں کی تحقیر نہیں کرتے، اپنے کو ان سے افضل نہیں سمجھتے، یہ مطلب نہیں کہ ان کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے، اُس وقت چونکہ فسق وفجور میں مبتلا ہیں اس وقت سمجھانا بے سود ہوگا بعد میں ان کو تنہائی میں سمجھاتے ہیں۔

اسلامی تہذیب اور صحابہ کی خوش فہمی

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَ عُمْيَانًا.

ترجمہ: اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعہ سے تو یہ ان پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے۔

ایک تو اس آیت کا بعض لوگ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ حکم خداوندی سن کر ایک دم سے عمل نہیں کرنے لگتے بلکہ پہلے اسکو اپنی عقل سے سمجھتے ہیں غور کرتے ہیں، پھر عمل کرتے ہیں، لیکن یہ مطلب صحیح نہیں، دوسرا مطلب جو صحیح ہے وہ یہ ہے کہ حکم خداوندی جو سنایا جاتا ہے اس کو اندھا اور بہرا بن کر لا پرواہی اور بے توجہی سے نہیں سنتے بلکہ توجہ کے ساتھ کان لگا کر سنتے ہیں، پہلا مطلب صحیح نہیں، صحابہ کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ حکم خداوندی سنیں اور اس میں اپنی عقل کو دخل دیں، اس کے بعد عمل کریں۔(تمت سورۃ الفرقان)

نظم وضبط اور مصلحت

درس تفسیر کے وقت بعض مہمان تعویذ کی غرض سے باہر سے تشریف لے آئے، جس کی وجہ سے سبق کا نقصان ہوا، حضرت نے فرمایا کہ آسانی تو اسی میں ہے کہ اصول سے کام کیا جائے، ہر کام کا وقت مقرر ہو، اسی وقت میں وہ کام کیا جائے اس کے بعد اپنے کام میں لگ جائے، ناشتہ کھانے کا جو وقت ہو اس میں سب کو ناشتہ کھانا دے دیا جائے، اس کے بعد اگر کوئی آتا ہو تو آتا رہے، سہولت تو اسی میں ہے، ہر ایک سے سلام کلام ہو، ملاقات ہو لیکن ہر کام وقت ہی پر ہو، بڑوں کے یہاں بھی ایسا ہی ہوتا تھا، لیکن ہمارے یہاں یہ نہیں چل سکتا، مصلحتاً ہر آنے والے کا کام جلدی کرنا پڑتا ہے،

کیوں کہ یہاں تو ہوٹل وغیرہ بھی نہیں، آنے والوں کے قیام وطعام کا نظم بھی کرنا پڑتا ہے، اس سے بہتر یہی ہے کہ ان کا کام جلدی کر دیا جائے، دوسرے سواریوں کی قلت ہے، ایک ہی بس ہے، اس لئے بس سے پہلے پہلے سب کا کام کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد جو آتے ہیں ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام کرنا ہی پڑتا ہے۔

ہر بات میں بڑوں کی ریس نہیں کرنی چاہیئے

اکابر کے متعلق فرمایا کہ: وہ بڑے لوگ تھے، ان کی باتیں بڑی تھیں، لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے یہاں یہ اصول تھا کہ جو آئے اپنا انتظام کرے اور غلطی پر نکال دیا کرتے تھے، اور وقت سے پہلے کوئی انتظام نہیں کیا جاتا تھا، میں کہتا ہوں کہ حضرت تھانویؒ کے اصول میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے قریب سے دیکھا ہے، یہ صحیح ہے وہ نکالا کرتے تھے، لیکن وہ حضرت تھانویؒ تھے، ان کی شان ایسی تھی، سب کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تھا، جو اپنی اصلاح کے لئے آتا تھا اور پھر بدعنوانی کرتا تھا تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا تھا جب وہ اعتراف کر لیتا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، آئندہ ایسا نہ ہوگا تو اس کو پھر مجلس میں بیٹھنے کی، خانقاہ میں رہنے کی اجازت مل جاتی تھی۔

چھوٹوں کو ہر کام میں بڑوں کی ریس نہیں کرنی چاہیئے، یہ کیا ضروری ہے کہ اصلاح کے لئے بڑوں نے جو کام کیا ہو ہمارے لئے بھی وہی مناسب ہو، آقا کو حق ہے کہ کسی کو نکال دے تو کیا غلام کو بھی حق ہے کہ اس کو نکال دے؟ کیا غلام آقا کی برابری کر سکتا ہے؟؟؟۔

اصول پسندی میں حالات اور مصلحت کا لحاظ

آج کل لوگ اصول اصول لئے پھرتے ہیں، میں کہا کرتا ہوں کہ اصل تو زندگی کے اصول ہیں، اور انہیں اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حالات اور اشخاص کے اعتبار سے اصول برتے جائیں، حضرت تھانویؒ کے یہاں اصول ضرور تھے، وہ

لوگوں کو نکالتے بھی تھے، تنبیہ بھی کرتے تھے، لیکن کس کے ساتھ؟ مہمانوں کے ساتھ نہیں، بلکہ طالبین کے ساتھ، جو جاتے ہی تھے اسی مقصد سے کہ جا کر پڑے رہنا ہے اور اپنی اصلاح کرنا ہے، ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تھا، وہ بھگائے بھی جاتے تھے لیکن در چھوڑ کر وہ جاتے نہ تھے، وہ لوگ اس طرح تھے کہ سختی کو برداشت کرتے تھے اور اس میں اپنا نفع سمجھتے تھے، کیا ہمارے یہاں کے لوگوں کے حالات بھی اسی طرح کے ہیں؟ وہاں تو مریدین طالبین آتے ہی تھے اپنے نفس کی اصلاح کی غرض سے، کیا یہاں بھی لوگ اصلاح کے لئے آتے ہیں؟ وہ تو خود ہماری اصلاح کرنے آتے ہیں، مہمان بن کر آتے ہیں، ان کے ساتھ اس طرح کیسے برتاؤ کیا جا سکتا ہے؟ بعض معزز مہمان ہوتے ہیں، اور بعض ملنے جلنے والے ہوتے ہیں، کیا میں ان کے ساتھ یہ سلوک کروں گا؟ اور کیا یہ میرے لئے جائز ہے کہ اس طرح ان کے ساتھ پیش آؤں؟؟؟

افادات درسِ قرآن

سورۂ شعراء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات سورۂ شعراء

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفُسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ. ترجمہ: شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج کرتے کرتے اپنی جان دے دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو ایمان کی دعوت وتبلیغ فرماتے اور اس کے لئے ہر ممکن تدبیریں بھی اختیار فرماتے تھے لیکن اتنی سب کوششوں کے باوجود جب کفار مکہ ایمان نہ لاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی غم ہوتا، اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ کیا آپ اپنے آپ کو اس بنا پر ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

داعی کا وصف اور دعوت کا اصول

اصل بات یہ ہے کہ داعی کا حال اور اس کا مزاج ہی اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ کامیابی کی کوشش کرتا ہے، طرح طرح کی تدبیریں اختیار کرتا ہے، لیکن پھر بھی ناکامی ہوتی ہے تو اسکو واقعی بہت کڑھن ہوتی ہے، اور اندر ہی اندر گھلتا رہتا ہے، داعی کے اندر یہ وصف اور اسکا یہ مزاج ہونا ضروری ہے، اور سچے داعی کے اندر یہ وصف خود بخود پایا جاتا ہے، لیکن داعی ان حالات میں بھی ناامید نہیں ہوتا، اور محض اس وجہ سے کہ لوگ بات نہیں مانتے دعوت کے کام کو چھوڑتا نہیں، افسوس اور غم تو ضرور ہوگا لیکن اس کڑھن کے باوجود دعوت کے کام کو چھوڑا نہیں جائیگا، ورنہ دعوت کے اصول کے خلاف ہوگا، کامیابی ہو یا ناکامی، ہماری محنت کا اثر ظاہر ہو یا نہ ہو، کچھ فائدہ محسوس ہو یا نہ ہو لیکن دعوت برابر دی جائے گی، کم از کم اتنا فائدہ تو ہے ہی کہ ہم بری الذمۃ ہو جائیں گے،

حجت پوری ہو جائے گی، داعی ثواب کا مستحق ہوگا، کیا یہ کم فائدہ ہے؟ لیکن اس کے ساتھ طبعی طور پر افسوس بھی ہوتا ہے، ایسے حالات میں آدمی کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے، کوئی بھی کام ہو، ناکام ہونے پر مایوس نہیں ہونا چاہئے، دعوت وتبلیغ ہو یا مدرسہ کی محنت ہو ہر ایک میں یہی بات ملحوظ رکھنی چاہئے۔

دعوت وتذکیر فائدے سے خالی نہیں

دعوت اور نصیحت سے فائدہ تو ہوتا ہی ہے جو اس کے اہل ہوں گے ان کو فائدہ ہوگا، اسی لئے فرمایا گیا۔ ''وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' نصیحت کرتے رہئے کیونکہ مؤمنین کو اس سے نفع ہوتا ہے، جس کے اندر جس درجہ کا ایمان ہوگا اسی درجہ کا اس کو نفع ہوگا، کم درجہ کے ایمان والوں کو کم نفع ہوگا، جیسے لوگ ہوں گے ویسے ہی اس کا اثر ہوگا۔

حدیث شریف میں آیا ہے ''اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ'' یعنی لوگ سونے چاندی کی کان کے مانند ہیں، جیسے سونے چاندی کا حال ہے ان میں کھرا اور کھوٹا ہوتا ہے، ایسے ہی لوگوں کی مثال ہے کہ لوگ بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں، بعض لوگوں کو وعظ ونصیحت سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور اچھی بات کا بہت جلد اثر قبول کر لیتے ہیں اور بعضوں پر دیر میں اسکا اثر ظاہر ہوتا ہے لیکن نفع کا اثر ضرور ہوتا ہے اسی لئے وعظ ونصیحت کا حکم دیا گیا ہے۔

زبردستی کا ایمان معتبر نہیں

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ.
ترجمہ: اگر ہم انکو مؤمن کرنا چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے پست ہو جائیں۔

حق کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے داعی کو رنج وغم ہوتا ہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی حالت تھی، اللہ تعالی نے فرمایا شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے، اور آگے بطور تسلی کے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو یہ سب ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں اور ایمان لے ہی آئیں لیکن ایسا ایمان ہمارے یہاں قابل قبول نہیں، ایسی زبردستی کے ایمان سے کیا فائدہ؟ ایمان تو وہی معتبر ہے جو اپنی مرضی سے ہو، اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا "لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کہ دین میں جبر واکراہ نہیں، زبردستی کسی کو مؤمن نہیں بنایا جائیگا، اور اگر ایسا کوئی مؤمن ہے تو ایسے ایمان کا اعتبار نہیں۔

تسلی کا بہترین طریقہ

وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ.

ترجمہ: اوران کے پاس کوئی تازہ فہمائش رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب اپنے معبود اور خالق کی بات نہیں مانتے، اور مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو اے محمد ﷺ! اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

تسلی دینے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ کسی چھوٹے پر کوئی پریشانی یا مخالفت اور فتنہ میں ابتلاء ہو تو اس انداز میں بڑے کو تسلی دینا چاہئے کہ ارے! جب فلاں پر ایسی مصیبت آئی، جب میرے خلاف سازش کی گئی، میری یہ حالت ہے تو دوسروں پر کیا تعجب ہے، اس طرح کہنے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے اس آیت میں ایسے انداز سے تسلی دی ہے لیکن یہ تسلی داعی کے وصف کے منافی نہیں ہے، حق قبول نہ کرنے پر رنج ہونا یہ تو داعی کا وصف ہے، لیکن یہ غم اس

قدر نہ ہو کہ دعوت ہی کو چھوڑ بیٹھے، حاصل یہ ہے کہ غم نہ ہونا یہ داعی کے وصف کے خلاف ہے اور اس قدر غم ہونا کہ مایوس ہو کر کام چھوڑ بیٹھے یہ اصول دعوت کے خلاف ہے۔

مجاہدہ کے بعد ہی انعام کا استحقاق ہوتا ہے

وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ.

خدا کے دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال آگ لینے جائیں پیمبری مل جائے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ آگ لینے کے واسطے گئے تھے اللہ نے پیغمبری سے سرفراز فرما دیا، نبوت اور پیغمبری یہ کسی کی اختیاری چیز نہیں ہے بلکہ وہبی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے فضل و کرم سے نبوت دی لیکن کتنی مشقتیں جھیلنی پڑیں، وطن چھوڑا، حکومت مخالف ہے، بے کسی کی زندگی ہے، مصیبتیں جھیلنے اور پریشانیوں کے بعد ہی اللہ کی طرف سے انعامات ہوتے ہیں، آج ہم سے یہی نہیں ہو پا رہا، ہم مصیبت جھیلنے کو تیار نہیں، پریشانیاں آئیں تو صبر کرنے کو تیار نہیں، اللہ کا انعام کیسے حاصل ہو؟؟؟۔

بڑوں کا نہایت اہم ادب

بڑوں کے حکم کا فوراً انکار نہ کرے، کوئی عذر ہو تو قبول کر کے عذر بیان کر دے

قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا یَتَّقُوْنَ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ:

ترجمہ: قوم فرعون کے پاس جاؤ کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں،

اس سے ایک اہم ادب معلوم ہوا وہ یہ کہ بڑوں کی طرف سے جو حکم دیا جائے اس کو فوراً قبول کرلیں انکار نہ کریں، البتہ قبول کرنے کے بعد جو عذر ہو بیان کردے، اور ادب سے عرض کردے کہ حضرت آپ کا حکم تو قبول ہے لیکن میرے ایسے حالات ہیں، میرے سامنے یہ اعذار ہیں، اب جیسا آپ حکم فرمائیں، یعنی جو کچھ کہنا ہو عذر پیش کرنا ہو حکم ملتے ہی فوراً ایسا نہ کرے بلکہ قبول کرنے کے بعد عذر بیان کردے۔

ایک اور نہایت ضروری ادب
ذمہ داری سپرد کی جائے تو اپنی کمزوری
جو بھی ہو ظاہر کردینا چاہیئے

اسی طرح ایک ادب یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی منصب اور عہدہ ملے تو صاف صاف بتلادے کہ میرے یہ حالات ہیں، میرے اندر اتنی صلاحیت ہے، جیسے حالات ہیں آپ کے سامنے ہیں، اب جیسا آپ حکم فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے حالات سامنے رکھ دیئے کہ مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی، اندیشہ ہے کہ فرعون کہیں مجھے قتل کردے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَلَّا ہرگز نہیں، گھبراؤ نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا۔

ایک عذر موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیش کیا کہ میری زبان میں لکنت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تبلیغ میں میری زبان رک جائے اور میں اظہار حق نہ کرسکوں، اس لئے درخواست ہے کہ میرا کوئی معین و مددگار بھیج دیجئے، اللہ نے فرمایا درخواست منظور ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی پیغمبر بنادیا۔

اپنوں سے کام کی امید زیادہ ہوتی ہے

فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ.

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اپنا کوئی آدمی اہل ہو اور کام میں تعاون کر سکے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کو ہمدردی زیادہ ہوگی وہ حالات سے زیادہ واقف ہوگا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے ساتھ ہونے کی دعا کی تاکہ ایک سے دو ہو جائیں اور دعوت کے کام میں سہولت ہو، اور ہارون علیہ السلام کا انتخاب اس لئے کیا کہ وہ ان کے بھائی تھے، گھر کے آدمی تھے، اور اپنوں سے کام میں زیادہ آرام ملتا ہے، امید بھی زیادہ ہوتی ہے، ان کو ڈانٹا بھی جا سکتا ہے، ہر ایک کہاں برداشت کر سکتا ہے بشرطیکہ لیاقت وصلاحیت بھی ہو اور حالات بھی ایسے ہوں۔

دعوت وتبلیغ میں متوحش الفاظ سے احتراز کرنا چاہئے

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

ترجمہ: سوتم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام نے جا کر فرعون سے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں، اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں، ہم پروردگار کے قاصد ہیں، تم کو اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں، اس کے ماننے میں تمہارا فائدہ ہے، ہماری اپنی کوئی تحریک نہیں جس سے تم اندیشہ کرو، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ میں بہت نرمی

اختیار کرنی چاہئے، اور مخاطب کو اطمینان دلانا چاہئے کہ ہم تمہارے فائدے کی بات کہہ رہے ہیں۔

خدا کی مخلوق کو ظلم و ستم سے نجات دلانا بھی عبادت ہے

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَاءِ یْلَ.

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو، تم نے ان کو غلام بنا رکھا ہے، تم نے ان پر ظلم کر رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلانے کی کوشش فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مخلوق کو مصیبت اور پریشانی سے نجات دلانا بھی عبادت ہے، اور یہ بھی ایک ضروری اور اہم کام ہے، رسولوں نے اس کام کو کیا ہے، نبی جو کام کرے وہ عبادت ہوتا ہے، جس طرح نماز، روزہ وغیرہ عبادت ہے اسی طرح اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانا، ان کو پریشانیوں سے نجات دلانا یہ بھی عبادت ہے۔ اسکی بھی کوشش کرنی چاہئے۔

ظلم کے سایہ میں احسان کرنا کوئی احسان نہیں ہے

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا الآیۃ.

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلایا کہ تم ہی تو ہو کہ میں نے تیری پرورش کی ہے اور میرے زیر سایہ تم رہے، پلے، بڑے ہوئے، تم نے ایک جرم کیا، اور آج تم میرے مقابلے میں آئے ہو؟ یہ فرعون نے اپنے احسانات جتلائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: ’’ تِلْکَ نِعْمَۃٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ‘‘ کیا یہی تمہارا احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیل

کو غلام بنا رکھا ہے؟ احسان اسی کا نام ہے؟ اور اس سے پہلے بنی اسرائیل کے تمام بچوں کا تم نے قتل عام کیا اور وہ بیچارے مظلوم کچھ نہ کر سکے، تم نے ہزاروں بچوں کی گردنیں صاف کرادیں، تیرے اس ظلم ہی کے نتیجہ میں تو میری ماں نے مجھے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالا تھا، اگر تیرا ظلم نہ ہوتا تو میری ماں مجھ کو کیوں ڈالتی؟ تم اس کو احسان کہتے ہو، تیرے ہی ظلم کے نتیجہ میں اللہ نے مجھے تیرے در تک پہنچایا اور اللہ نے میری پرورش فرمائی، یہ جو کچھ بھی ہوا سب تیرے ظلم کی وجہ سے ہوا، پھر تو نے ہزاروں بنی اسرائیل کا قتل کیا، یہ ظلم اور جرم نہیں ہے؟ اتنے ظلم کے بعد اپنے احسانات کو جتلاتا ہے، یہ ہے تیرے احسان کی حقیقت!

اپنے اوپر سے الزام دور کرنے کی کوشش کرنا بھی انبیاء کی سنت ہے

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ .

ترجمہ: اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناسپاس ہو۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک جرم اور عائد کیا کہ تم نے قتل کا جرم کیا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر سے قتل کا الزام دور کرنے کی کوشش فرمائی اس واسطے کہ اس سے ان کی زندگی داغدار ہوتی ہے، اور جب کسی شخص کی زندگی داغدار ہوتی ہے تو اس کے وعظ و نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والوں کو اپنی زندگی بالکل صاف رکھنی چاہئے، جب معاملات صاف ہونگے تو بات کا اثر ہوگا۔

سچائی کا اثر اور اسکا غلبہ

قَالَ فَعَلۡتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ.

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ واقعی اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا، اور مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری بات صاف صاف فرمادی جسکی وجہ سے ان پر قتل کا الزام عائد کیا گیا، بالکلیہ صاف انکار بھی نہیں کیا کہ میں قاتل نہیں ہوں، بلکہ سچی سچی، پوری بات بتلادی، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو ایک مظلوم کی مدد کی تھی، اسکو ظلم سے بچانے کی کوشش کی، قتل کا ارادہ بھی نہیں کیا، اتفاق سے ظالم ختم ہوگیا، یعنی دانستہ طور پر میں نے کسی کو قتل نہیں کیا، نادانستہ طور پر ایسا ہوا ہے، نادانستہ طور پر مجھ سے جو حرکت ہوگئی اس کا الزام عائد کرتے ہو، اور ہزاروں بنی اسرائیل کا تو نے قتل کیا وہ جرم نہیں ہے؟ اور نبی سے نبوت سے قبل نادانستہ طور پر کوئی بات ہوجانا نبوت کے منافی نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس صداقت کا لوگوں پر اثر ہوا، لوگوں کے دلوں میں اتنی بات تو جم گئی کہ یہ آدمی حق پرست معلوم ہوتا ہے۔

انبیاء کے مناظرے

کامیابی تو سچائی اور قصور کا اعتراف کرنے میں ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ اقرار کیا کہ واقعی نادانستہ طور پر مجھ سے غلطی ہوگئی ہے میرا ارادہ ایسا نہ تھا، موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا حالانکہ مناظروں میں کوئی اپنے جرم اور قصور کا اعتراف نہیں کرتا، لیکن انبیاء علیہم السلام کے مناظرے دوسرے انداز کے ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قصور کا اعتراف کرلیا اور وجہ اسکی یہ تھی کہ

لوگوں کے ذہنوں میں سچائی کا سکہ بیٹھ جائے کہ یہ آدمی سچا معلوم ہوتا ہے، لوگوں کے سامنے اس کی سچائی واضح ہو جائے، اس کی حقانیت اور صداقت کا یقین کیا جائے، اور آگے چل کر یہ بات ثابت کرنی تھی کہ جب میں سچا ہوں تو میری بات مانو۔

اگر آج بھی مناظرے میں یہ بات پیدا ہو جائے اور جو حق ہو اس کو تسلیم کرتے جائیں کہ ہاں اتنی بات تو واقعی صحیح ہے لیکن یہ اعتراض غلط ہے، تو آج بھی سدھار ہو سکتا ہے، لیکن آج کل کے مناظروں میں تو اکھاڑ بچھاڑ ہوتی ہے، کشتی ہوتی ہے، گالی گلوچ ہوتا ہے، ہر شخص دوسرے کو چت کرنے اور نیچا دکھانے اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسی لئے آج کل کے مناظرے بے سود ہیں۔

حق و باطل کی کشمکش

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ:

ترجمہ: فرعون نے کہا رب العٰلمین کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اس کو سن کر فرعون اور دوسرے سامعین حیرت میں پڑ گئے، فرعون تو گھبرایا اور ڈرا، اور موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت اور صداقت سے مرعوب ہو گیا، حق کا قدرتی رعب ہوتا ہے، حق کے سامنے آدمی مرعوب ہو جاتا ہے، لہٰذا اب اس نے ایک دوسری چال چلی، پینترا بدلا، جیسا کہ سیاسی لوگ کیا کرتے ہیں کہ ایک بات کو کاٹ کر دوسری بات شروع کر دیتے ہیں، فرعون نے بھی ایسا ہی کیا کہ اچھا بتاؤ! رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تو آسمان و زمین کا رب ہے۔

سیاسی چالیں

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗ اَلاَ تَسْتَمِعُوْنَ.

ترجمہ: فرعون نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ یہ شخص کیا کہتا ہے۔

سوال کچھ اور جواب کچھ، میں نے رب العلمین کے متعلق پوچھا ہے وہ کیسا ہے، اسکی حقیقت و ماہیت معلوم کی ہے اور وہ جواب کچھ اور دے رہا ہے، یقیناً تمہارا رسول مجنون اور پاگل ہے، موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ انتہائی بے وقوف ہے، بھلا اللہ تعالی کی حقیقت و ماہیت کون جان سکتا ہے۔

فرعون نے پوری کوشش کی کہ لوگوں کے دلوں میں موسی علیہ السلام کی نفرت بٹھا دے، اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو مجنون اور پاگل کا لقب دیا، اور جو لوگ موسیٰ علیہ السلام کی بات سے متاثر ہو رہے تھے ان سے کہا معلوم بھی ہے یہ شخص کیوں آیا ہے؟ اس کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے اچھے طریقے سے نکال دے، تمہاری حکومت چھین کر خود حکمرانی کرنے لگے، تمہارے اموال اور جائداد پر قابض ہو جائے۔

بھلا اس کو لوگ کب گوارہ کر سکتے تھے، بادشاہ ہو یا رعایا ایک ہی حکومت سمجھی جاتی ہے، رعایا بھی غیر کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتی، الغرض موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جو اعتقاد بیٹھ گیا تھا فرعون نے اس کو اس طرح زائل کرنے کی کوشش کی۔

یہ سب سیاسی چالیں ہیں، لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے دوسرے کی برائی کی جاتی ہے کہ اگر تم نے فلاں کی بات مان لی تو تمہارا خسارہ ہی خسارہ ہے، فرعون نے بھی یہی حربہ استعمال کیا۔

علماء اور مدارس دینیہ کی بدحالی

بڑے افسوس کی بات ہے کہ دینی مدارس میں بھی اب یہ باتیں پائی جانے لگیں، جانتے ہیں کہ فلاں شخص واقعی ذی استعداد، باصلاحیت، علمی لیاقت رکھنے والا

ہے، لیکن سمجھتے ہیں کہ اگر وہ آ گیا تو اس کا سکہ جم جائیگا اور ہمارا مقام اور ہماری حیثیت گر جائے گی، اس لئے شروع ہی سے اس کی جڑ کاٹی جاتی ہے، اس کے خلاف محاذ بنایا جاتا ہے، اس کی مذمت کی جاتی ہے ایسے حالات بنائے جاتے ہیں کہ وہ مدرسہ میں آنے ہی نہ پائے، اور اگر وہ آ گیا ہے تو اس قدر مخالفت کی جاتی ہے کہ ٹکنے نہ پائے، جانتے ہیں کہ فلاں شخص واقعی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے لیکن اگر فلاں کو کتاب دے دی گئی تو ہماری قلعی کھل جائے گی، ہمارا درجہ کم ہو جائے گا، اس لئے پہلے ہی سے اس کی جڑ کاٹی جاتی ہے تا کہ اس کو کتاب ملنے نہ پائے، طرح طرح سے اس کی مخالفت کی جاتی ہے، یہ سب بھی باطل کے ہتھکنڈے اور سیاسی چالیں ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا.

باطل قوت کا آخری حربہ ظلم واستبداد

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰھاً غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ.

فرعون نے کہا کہ اگر میرے سوا کسی نے کسی اور خدا کو مانا تو میں اس کو قید خانہ میں سڑا دوں گا، باطل طاقتوں کا یہی حال ہے کہ جب کوئی حجت اور دلیل ان کے پاس نہیں ہوتی تو اخیر میں ظلم شروع کر دیتی ہیں، قتل و غارتگری کرتی ہیں اور یہی ان کا آخری حربہ ہوتا ہے، چنانچہ فرعون نے بھی اس کی دھمکی دی لیکن باطل کے مقابلے میں اللہ کی مدد ہوتی ہے اور غلبہ حق ہی کا ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر جادوگری کا الزام اور مقابلہ کی تیاری

اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ، یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ الآیۃ.

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل مانگی، موسیٰ علیہ السلام نے معجزہ ید بیضاء اور عصا دکھلا دیا، چمکدار ہاتھ اور اژدھے کو دیکھ کر لوگ متأثر

ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کا یقین ہونے لگا تو فرعون گھبرایا کہ اب تو لوگ ہمارے ہاتھ سے جاتے ہیں، اس نے فوراً کہا کہ یہ بہت بڑا جادوگر ہے، اب تم ہی لوگ بتاؤ کہ اب کیا ہونا چاہئے، بات یہ طے ہوئی کہ اگر یہ جادوگر ہے تو جادوگروں سے ان کا مقابلہ ہونا چاہئے، چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ ملک کے چیدہ چیدہ ماہر جادوگر وقت مقررہ پر مقابلہ کے لئے جمع ہو جائیں اور اپنے اپنے جوہر دکھلائیں۔

مخلص، غیر مخلص کی پہچان

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْراً الآیۃ.

اعلان ہوتے ہی بڑے بڑے جادوگر وقت مقررہ پر جمع ہو گئے اور جادوگروں نے آتے ہی فرعون سے پہلا سوال یہ کیا کہ اگر ہم مقابلہ میں غالب آ گئے تو ہم کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ یہ ہے دیندار اور غیر دیندار کا فرق اور یہ ہے مخلص اور غیر مخلص کی پہچان، ادھر موسیٰ علیہ السلام جو کچھ بھی کر رہے تھے محض اللہ کے واسطے، اور جادوگر جو کچھ کرتب دکھلانے جا رہے تھے وہ سب محض دنیاوی منافع اور عہدے کی لالچ میں، فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ ہاں! ہاں! تم کو ضرور ملے گا، تم لوگ تو مقربین اور کابینہ کے ممبر بن جاؤ گے۔

کبھی کسی فن کا کمال، آدمی کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ الآیۃ.

اب مقابلہ شروع ہوا، جادوگروں نے اپنے کرتب دکھلائے، رسّیاں اور ڈنڈے زمین پر ڈال دیں جو سانپ بن کر چلنے پھرنے لگیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے اپنا عصا ڈالا جو اژدہا بن کر پھنپھنانے لگا اور جس نے تمام سانپوں کو ہڑپ کرلیا، تمام جادوگر حیرت میں پڑ گئے، وہ جادوگر ایسے تھے جو اپنے فن کے پختہ اور ماہر تھے، فن کی آخری منزلیں طے کئے ہوئے اور اس کی آخری حد تک پہنچے ہوئے تھے، وہ جانتے تھے کہ اب اس کے بعد تو جادو کا کوئی درجہ نہیں، موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا یہ جادو تو یقیناً نہیں ہے جادو کے علاوہ کوئی اور شئی ہے، اور کچھ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کے واقعات سن چکے تھے، اب اس واقعہ کے بعد پختہ یقین ہوگیا ان کی صداقت کا، چنانچہ وہ سب ہدایت کے راستہ پرآ گئے اور اعلان کردیا کہ آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسیٰ وَهَارُوْنَ کہ ہم تو رب العلمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کبھی انسان کا کسی علم و ہنر میں کمال اور فن کی مہارت اس کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے، جادوگروں کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تھی البتہ لالچ ضرور تھا اللہ نے ان کو ہدایت سے سرفراز فرمادیا، اب فرعون بے قابو ہوگیا، سخت طیش میں آ گیا، بہت گرجا اور آگ بگولہ ہوگیا، اور غصہ میں آ کر کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم لوگ ایمان کیسے لے آئے؟ ابھی اسکا مزا چکھاؤں گا۔

باطل کو مٹانے کے واسطے باطل کو منظر عام پر لانے کی اجازت

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ .

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا، جادوگر یقیناً باطل پر تھے پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے فرمایا کہ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ تم اپنا جادو دکھاؤ جو کرتب کرتے ہو کرو، بظاہر موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے باطل کا حکم فرمایا، اور بجائے اس کے کہ خود پیش قدمی کر کے حق کو ظاہر کرتے باطل کو ظاہر ہونے کا موقع دیا، لیکن درحقیقت یہ باطل کو اجازت نہیں دی، نہ باطل کا حکم دیا، بلکہ یہ باطل کو مٹانے کے

لئے تھا، باطل کو ظاہر کر کے ختم کرنے کے لئے تھا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام پیش قدمی فرماتے اور بعد میں وہ اپنا کرتب دکھاتے تو اس کا یہ اثر نہ ہوتا، جب وہ دکھا چکے تب موسیٰ علیہ السلام کے اژدہے نے سب کا خاتمہ کر دیا اس طرح باطل کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا۔

ایمانی قوت اور صحبت صالح کا اثر

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات پر ایمان لے آئے، فرعون سخت طیش میں آ گیا اور غصہ میں کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم موسیٰ پر کیوں ایمان لے آئے؟ میں تم سبھوں کو سولی پر چڑھا دوں گا، تمہارے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا، جادوگروں نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم کو اس کی پرواہ نہیں، ہم نے زندگی بھر اپنے رب کی نافرمانی کی ہے، شاید اب وہ اس کی بدولت ہماری خطائیں معاف فرما دے، محض تیرے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی طاقت کچھ نہیں کر سکتی اور اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے، ہمارے واسطے بھی اللہ جو کرے گا بہتر کرے گا۔

یہ ہے ایمان اور یہ ہے ایک منٹ کے ایمان کی طاقت، ایمان یہی سکھاتا ہے کہ کرنے والی طاقت اللہ کی ذات ہے، اس کے بغیر نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھوڑی دیر کی صحبت نے ان جادوگروں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، صحبت صالح آدمی کو تھوڑی ہی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، یہ سب ایمان ہی کا کرشمہ ہے، تعلیم کا تو وہاں موقع ہی نہ تھا بس اللہ کی صفت کا پورا استحضار تھا اور ان کا پختہ ایمان ان کو یہ سب باتیں سکھلا رہا تھا۔

ایمان و یقین بنانے کے لئے بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں تب جا کر کہیں اس کا اثر ہوتا ہے۔

اللہ کے نزدیک قوموں کے عروج وزوال کا ضابطہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام تیس سال تک مسلسل اصلاح کی کوشش فرماتے رہے، تعلیم وتبلیغ کرتے رہے، جس وقت امت نے سو فیصد اپنے پیغمبر کی بات مان لی، اللہ نے فرعون کو ہلاک وبرباد کردیا۔

وہ فرعون جس کی حکومت میں سورج نہ ڈوبتا تھا اور جس کے سر میں کبھی درد نہ ہوا، جس کی حکومت سب سے بڑی حکومت، جس کا لشکر سب سے بڑا لشکر، اللہ نے اس کو تہ وبالا کردیا، اس کے ہلاک کرنے میں اللہ کو کسی توپ وغیرہ کی ضرورت پیش نہیں آئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ''اَسْرِ بِعِبَادِیْ'' راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل پڑو، امت نے بات مان لی راتوں رات سب نکل پڑے، کسی کو خبر بھی نہ ہوئی، جب صبح ہوئی تو ان کا تعاقب کیا گیا، بنی اسرائیل کل چھ لاکھ ستر ہزار تھے اور اس کے مقابلے میں فرعونی لشکر کا صرف اگلا دستہ مقدمہ الجیش سات لاکھ پر مشتمل تھا، اندازہ لگاؤ اس کی فوج کتنی ہوگی۔

فرعونیوں نے جب بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور بنی اسرائیل نے دیکھا کہ آگے دریا ہے اور پیچھے سے دشمن کا لشکر چلا آرہا ہے، وہ گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰؑ سے شکوہ کرنے لگے کہ ارے موسیٰ تم نے ہمیں پسوا دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ'' میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ میری رہنمائی کرے گا، حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ اپنا عصا دریا میں ماریئے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں بارہ راستے پھوٹ گئے اور بنی اسرائیل ان راستوں سے پار ہوگئے، فرعونیوں نے جب بنی اسرائیل کو پار ہوتے دیکھا تو وہ بھی ان راستوں میں گھس گئے جب ان کا پورا لشکر بیچ میں پہونچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے سب کو اس میں غرق کردیا۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے راہ عمل

آج باطل طاقتوں کے مقابلے میں طرح طرح تدبیریں کی جاتی ہیں کہ کس طرح ظالم قوموں کے ظلم سے بچا جا سکے اور کس طرح ان کا خاتمہ ہو، ظاہری تدبیروں کی طرف تو ذہن جاتا ہے لیکن اس طرف نگاہ نہیں جاتی، ارے ظالم کا تو انجام ہی یہی ہوتا ہے کہ ظالم قوم ہلاک و برباد ہوتی ہے لیکن ایمان والے پہلے ایمان تو لائیں ایمان کے تقاضوں کو تو پورا کریں، جس دن بھی ہم ایمان میں پختہ ہو جائیں گے، اطاعت پر تل جائیں گے، اللہ تعالیٰ اسی وقت ہلاکت کے اسباب پیدا فرما دے گا، ان واقعات کو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کی بات مان لی اور سو فیصد ایک عمل کو زندہ کر دیا، اللہ نے ظالموں کو ہلاک کر دیا، آج اس امت میں ایک عمل بھی سو فیصد زندہ نہیں، نماز جو ایمان کے بعد سب سے اہم ہے اسی کو دیکھ لو کوئی خاندان، کوئی بستی یا کوئی ادارہ نہیں بتلا سکتے جہاں سو فیصد یہ عمل زندہ ہو اور سارے ہی لوگ وہاں نمازی ہوں، دینی مدرسوں، خانقاہوں میں بھی یہ بات نہ ملے گی پھر دشمن کیسے ہلاک ہو؟ میں کہتا ہوں ایک دن بھی ایک وقت بھی سارے مسلمان اللہ کے سامنے جھک جائیں، اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لیں، توبہ کر لیں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں پھر دیکھئے دشمن کی ہلاکت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں یا نہیں، لیکن آج یہی نہیں ہو رہا۔

اللہ تعالیٰ غالب ہے پھر دشمن کو کیوں نہیں ہلاک کرتا؟

......اَلْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ. الآية اللہ تعالیٰ عزیز بھی یعنی غالب بھی ہے رحیم بھی ہے اور حکیم بھی، عزیز کے معنیٰ غالب کے آتے ہیں اور رحیم کے معنی رحم کرنے والا، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے، ظالموں اور نافرمانوں کو ہلاک کر سکتا ہے، اور رحیم کا

مطلب یہ ہے کہ ظالموں کو ہلاک کر کے مؤمنوں کو ان کے ظلم سے نجات دلا سکتا ہے ۔
دوسرا مطلب یہ کہ اللہ تعالی غالب ہے دشمن کو فوراً ہلاک کر سکتا ہے لیکن رحیم بھی ہے اس لئے فوراً ہلاک نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے، حکیم بھی ہے یعنی اس کے فوراً ہلاک نہ کرنے میں مصلحت ہے۔

اللہ تعالی ہلاکت کے اسباب پیدا کرتا ہے

اللہ تعالی جب کسی کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے، فرعونیوں کو ہلاک کرنا منظور تھا تو ان میں انتقامی جذبہ اور غصہ پیدا کر دیا چنانچہ وہ سب انتقام کے لئے نکل پڑے اور اس طرح ان کی ہلاکت کا سامان پیدا فرما دیا۔

مرتے وقت کا ایمان معتبر نہیں

فرعون جب ڈوبنے لگا ہلاکت کے وقت اس نے ایمان قبول کیا اور کہا کہ اب میں موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لے آیا، لیکن مرتے وقت عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں، جس درجہ کا اس کا ایمان تھا اسی طرح کا اللہ نے اس کے ساتھ معاملہ فرمایا چنانچہ اس کے مرجانے کے بعد اسکی لاش کو پانی نے باہر پھینک دیا، اس کے جسم کو محفوظ کر دیا۔

کہتے ہیں کہ فرعون کا اس قدر رعب اور دبدبہ تھا کہ بنی اسرئیل کو فرعون کی ہلاکت کا یقین ہی نہ آتا تھا، ان کے دلوں میں ایسا ہَوّا بیٹھا تھا کہ فرعون ہلاک ہی نہیں ہوسکتا اللہ تعالی نے اسکے مردہ جسم کو باہر پھینک دیا تا کہ لوگوں کو یقین ہوجائے، اور دیکھ لیں کہ فرعون ہلاک ہوگیا، اور عبرت کے واسطے بھی اسکے جسم کو محفوظ کر دیا گیا تا کہ اسکو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔

اللہ کی قدرت کی نشانی

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً .

موسیٰ علیہ السلام اورفرعون کے واقعہ میں بڑی عبرت ہے ماننے والوں کیلئے بھی اور نہ ماننے والوں کے لئے بھی، ماننے والوں کے لئے اس طرح کہ جواللہ کے بندے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے، اور نہ ماننے والوں کے لئے اس طرح کہ جواللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے، سرکشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک وبرباد کردیتا ہے، جوبھی ایسا کرے گا اس کا بھی انجام وہی ہوگا جوانجام فرعون کا ہوا، فرعون کواللہ تعالیٰ نے کس طرح غرق کردیا ایک طرف اس کی پوری فوج پورالشکر دوسری طرف چھوٹی سی مٹھی بھر جماعت لیکن پوری فوج کی فوج ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی، واقعی جوشخص اللہ کے احکام پر چلتا ہے، اللہ کے راستہ میں قربانی دیتا ہے، اللہ ہرطرح اس کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالی اگر چاہتا تو ہزار طریقے سے فرعون کو ہلاک کرسکتا تھا لیکن دریا میں غرق کرکے اللہ نے اپنی قدرت کو ظاہر کردیا کہ ہم جب اپنے بندوں کی مدد کرنے پر آئیں تو اس طرح مدد کرتے ہیں کہ ایک طرف تم بالکل بے سروسامان، دوسری طرف وہ ہرطرح کے سامان سے مسلح لیکن اللہ نے ان کو ہلاک کردیا، جس راستہ سے گذر کر تم نجات پاگئے وہی راستہ ان کی ہلاکت کا ذریعہ بن گیا۔

بندوں پر اللہ کی رحمت اور رات میں سفر کرنے کی برکت

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ.

اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے ان بندوں کو شباشب (یعنی راتوں رات) مصر سے باہر نکال لے جاؤ۔

یہاں پر بنی اسرائیل کو اللہ نے اپنا بندہ فرمایا جن بندوں نے اللہ تعالی کی

نافرمانی برسہابرس تک کی ان کو بھی اللہ نے اپنا بندہ فرمایا، اللہ بڑے رحیم وکریم ہیں اسکو اپنے بندوں سے بڑی محبت ہے اگر کسی کا بیٹا تیس سال تک باپ کی نافرمانی کرے کیا باپ اس کو بیٹا کہنے پر تیار ہوگا؟ دوسری بات اس سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ نے راتوں رات اپنی قوم کو لے کر نکل جانے کی وحی فرمائی، رات میں سفر یوں بھی آسان ہوتا ہے، رات کے وقت میں برکت بھی ہوتی ہے، جو کام بھی رات میں کیا جائے اس میں برکت ہوتی ہے، سفر شروع کرنا ہوتو اخیر رات میں شروع کرنا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا کہ جب آپ کو سفر کرنا ہوتا تو فجر سے پہلے شروع فرماتے۔

نیکوں کی مشابہت اور صورت اختیار کرنے کی برکت

بعض علماء نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے پروردگار! آپ نے جادوگروں کو ہدایت دیدی جو میرے مقابلہ میں آئے تھے اور فرعون کو ہدایت نہیں دی اگر آپ فرعون کو بھی ہدایت دے دیتے تو پوری قوم کی قوم ایمان لے آتی، اللہ نے فرمایا میں ہدایت تو دے دیتا لیکن جادوگر تو تمہارے لباس میں آئے تھے اس لئے ہم نے ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمایا ان کو ہدایت سے نواز دیا، اور فرعون کو تو تمہاری شکل وصورت ہی سے نفرت تھی، وہ تم کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اس کو ہدایت نہیں نصیب ہوئی یہ ہے :

اُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰـهَ يَـرْزُقُنِيْ صَلاَحاً

میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگر چہ خود نیک نہیں ہوں شاید اللہ مجھے بھی نیکی کی توفیق دیدے، اس سے معلوم ہوا کہ شکل وصورت کا بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔ جادوگروں کو ہدایت ہوئی کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے لباس میں آئے تھے، آدمی کم از کم نیکوں کی شکل ہی بنا لے۔

ہر نبی کا ایک حال ہوتا ہے تقابل کر کے کسی نبی کی تنقیص کرنا جائز نہیں

اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِ.

دوران درس یہ بحث آئی کہ اس مقام پر جب کہ فرعون نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور بنی اسرائیل گھبرا اٹھے کہ اب تو ہم پکڑے گئے موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''کَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِ'' ہرگز نہیں! میرا رب میرے ساتھ ہے، موسیٰ علیہ السلام نے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

اور ہجرت کے موقع پر جب ایک غار کے اندر آپ چھپے ہوئے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ آپ کے ساتھ تھے اور خطرہ تھا کہ دشمن آ پہنچے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، غمگین نہ ہوئیے! اللہ ہمارے ساتھ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا، اللہ کا نام پہلے لیا، معیت کو بعد میں فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام نے ''رَبِّیْ بعد مَعِیَ'' پہلے فرمایا، بعض لوگوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی امت کے حالات تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ میری قوم کے ایسے حالات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کے ساتھ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی امت کے حالات اور قربانیاں تھیں، آپ جانتے تھے کہ اللہ کی معیت اور اس کا فضل ان کے ساتھ ہوگا اس لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بے صبری تھی اس کی وجہ سے ''مَعِیَ'' پہلے فرمایا کہ میرے ساتھ کوئی ہے۔

ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے وعظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ بعض واعظین اس نکتہ کو یہاں نقل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت فرماتے ہیں جس سے موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص ہوتی ہے، یہ سراسر ناجائز ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تقابل کے ساتھ اس طرح بیان کیا جائے جس سے کسی کی تفضیل اور کسی کی تنقیص ہو تو واقعی ناجائز ہے۔

اور میری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے کہ ہر نبی کا ایک حال ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان کی قوم کے بدترین حالات اور ان کے کارنامے تھے، ان پر اس بات کا غلبہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی معیت ان کے ساتھ نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے وہ کئی مرتبہ روگردانی کر چکے تھے، اس حال کی بنا پر واحد کا صیغہ استعمال فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کی شفقت اور رحمت غالب تھی اور ایسی کوئی بات سامنے نہ تھی جس کی وجہ سے اللہ کی معیت نہ ہو سکے اس وجہ سے ''مَعَنَا'' جمع کے ساتھ بیان فرمایا، لیکن اس کو اس طرح بیان کرنا کہ موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص لازم آئے یہ درست نہیں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت پر ایک غلط استدلال

اور اسکا جواب

موقع کی مناسبت سے حضرت نے فرمایا، ایک مرتبہ ایک صاحب نے میرے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر اس واقعہ سے استدلال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی اس وقت اپنی جگہ اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلایا اور تمام امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائیں، حضرت علی کے علاوہ کسی اور پر اعتماد نہ فرمایا نہ

ابوبکر پر، نہ عمر فاروق پر، اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو زیادہ قابل اعتماد اور امانت دار سمجھا، اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ثابت ہوتی ہے۔

میں نے اس کا جواب دیا کہ مال کے بارے میں تو حضرت علیؓ پر اعتماد کیا لیکن جان کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتماد کیا۔ اپنے ساتھ ابوبکر صدیقؓ کو لے گئے اور ان پر اطمینان کیا، مال کے سلسلے میں حضرت علیؓ پر اطمینان کیا کہ وہ سب کی امانتیں ان کے مالکوں کو سپرد کر دیں۔ جان کا مرتبہ زیادہ ہے کہ مال کا؟ یہ الزامی جواب ہے، ورنہ محض اس وجہ سے فضیلت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

رسم ورواج کوئی دلیل نہیں

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا کَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ .

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید کی دعوت وتبلیغ فرمائی اور فرمایا کہ یہ بت کیا تمہاری بات چیت سنتے ہیں؟ تم کو جواب دیتے ہیں؟ ان کی قوم نے صاف جواب دیا کہ ہم کچھ نہیں جانتے، ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا، ہمارے خاندان میں اسی طرح ہوتا چلا آرہا ہے، اس لئے ہم بھی اس طرح کرتے ہیں، بس یہی ان کی سب سے بڑی دلیل تھی کہ پہلے سے اس طرح ہوتا چلا آرہا ہے۔

فرمایا جاہلوں کا جواب اسی طرح کا ہوتا ہے، حق وباطل سے ان کو کوئی بحث نہیں، قرآن وحدیث میں کیا ہے، اس سے کچھ مطلب نہیں، حضور کیا فرماتے ہیں؟ شریعت کیا کہتی ہے؟ کچھ پتہ نہیں، بس عمل کے لئے اتنی بات کافی سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمارے آباء واجداد سے ہوتا چلا آرہا ہے، ہمارے خاندان کی رسم یہی ہے۔ یہ جاہلوں کا جواب ہے، قرآن نے اس کی تردید کی ہے۔

دعوت وتبلیغ کا مفید طریقہ اور عمدہ اسلوب

قَالَ اَفَرَءَ یْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ.

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معبودان باطلہ کی ایک دم سے تردید نہیں فرمائی بلکہ ان کو غور وفکر کا اور سمجھنے کا موقع دیا، فرمایا کہ اگر تمہارے آباء واجداد گمراہ تھے تب بھی ان کی پیروی کروگے؟ میں نے تو اس میں غور وفکر کیا اور اسی نتیجہ پر پہنچا کہ یہ معبود ہم کو نفع ونقصان کچھ بھی نہیں پہنچا سکتے، میں تو ان کو نہیں مانتا، یہ تو میرے دشمن ہیں فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ . میں تو صرف ایک اللہ کو مانتا ہوں جو رب العالمین ہے، جس نے مجھے پیدا کیا جو میری رہنمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، مطلب یہ کہ تبلیغ کا یہ اسلوب بڑا اچھا ہے کہ مخاطب کو سمجھنے کا موقع بھی دیا جائے۔

شر کی نسبت بڑوں کی طرف نہیں کی جاتی

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ.

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت سے اوصاف حمیدہ ذکر فرمائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی نسبت فرمائی اور بیماری کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں، اللہ مجھے شفا دیتا ہے، حالانکہ بیماری بھی اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے، اس سے ایک ادب معلوم ہوا کہ شر اور برائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ خالق خیر بھی ہے خالق شر بھی، اچھے برے تمام اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، خلق شر مذموم نہیں بلکہ کمال ہے، البتہ فعل شر مذموم ہے، ادب وتعظیم کی وجہ سے شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جاتی، اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا مراقبہ

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْماً.

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے متعدد اوصاف کا ذکر فرمایا، ان اوصاف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کا اظہار فرمایا کہ میرا رب ایسا ہے، ایسا ہے صفات کے ذریعہ ذات تک وصول ہوتا ہے، جب صفات کا استحضار ہوگیا تو گویا اللہ کے حضور میں داخل ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بندہ عبادت کرتا ہے اور عبادت سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا اس کو یقین اور قرب ہوتا ہے، پھر آگے اور ترقی کرتا ہے، اس کی صفات کا استحضار ہوتا ہے، ترقی کرتے کرتے ایک مقام ایسا آتا ہے کہ گویا اللہ کے دربار میں پہنچ گیا اب جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول کا ذریعہ یہ ہے کہ اس کی صفات کا استحضار اور اس کا مراقبہ کیا جائے، صفات کا مراقبہ کرنے کے بعد اس کی ذات کا مراقبہ کیا جائے، صفات کا مراقبہ ایسی چیز ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی نصیب ہوتا ہے اور محبت بھی پیدا ہوتی ہے، اور صفات سے بھی صفات فعلیہ کا مراقبہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر یہ یہ احسانات ہیں، اس نے ہمارے ساتھ یہ کیا، یہ کیا، وہ ایسا کریم ہے، جب اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ اور اس کے احسانات میں غور کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے محبت بھی ہوگی، اور قرب بھی نصیب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور طلب کرنے کی چیز

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْماً وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ.

اے میرے پروردگار! مجھ کو حکمت عطا فرما! اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ

شامل فرما! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو چیز مانگی وہ علم اور حکماء کی صحبت تھی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں مانگا، یہ ہے وہ علم جس سے لوگ بھاگتے ہیں، کتراتے ہیں، اور جس کی ناقدری کرتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے علم کی دولت اور صالحین کی صحبت کی درخواست کی، صلحاء کی صحبت یہ معمولی چیز نہیں ہے، مانگنے اور حاصل کرنے کی چیزیں تو یہ ہیں، اور آج کل لوگ مانگتے ہیں تو بس یہ کہ روزی میں برکت ہو، بیماری نہ ہو، مقدمہ میں کامیابی ہو جائے، دکان چلنے لگے، بس یہ چیزیں مانگا کرتے ہیں اور جو چیز مانگنے کی ہے وہ نہیں مانگتے۔

ذکر خیر کی طلب اور حب جاہ کی حقیقت

وَاجْعَلْ لِيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الآخِرِيْنَ.

اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی کہ مجھے ایسا بنادے کہ میرے مرنے کے بعد لوگوں میں میرا ذکر خیر ہو، مطلب یہ کہ مجھے نیک اعمال کی توفیق نصیب فرما تا کہ میرے اعمال اچھے ہوں اور میری زندگی اس قابل بنادے کہ بعد کے لوگوں کے لئے نمونہ ہو اور لوگ مجھے یاد کریں، میرا چرچا ہو، میرے نقش قدم پر لوگ چلیں، یہ حب جاہ کی طلب نہیں ہے بلکہ اعمال خیر کی طلب اور اس کی توفیق کی دعا ہے، حب جاہ تو زندگی میں ہوتا ہے، اس میں بڑائی طلب کرنا اور شہرت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، جس میں دنیاوی منافع اور وجاہت پیش نظر ہوتی ہے، اور یہاں یہ بات نہیں ہے کیونکہ ان سب چیزوں کا تعلق تو دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے، مرنے کے بعد والی زندگی میں دنیاوی منافع شہرت اور وجاہت کس طرح حاصل ہوگی، مرنے کے بعد والی زندگی میں حب جاہ نہیں ہوتا، شہرت ہو یا نہ ہو اس کو تو اس کا علم بھی نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد والی زندگی میں عزت تو دنیا میں نیک اعمال کے ذریعہ ہوتی ہے۔

بزرگوں کی سوانح لکھنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہی تھا کہ مجھے ایسا بنا دیجئے کہ لوگ مجھے نیک نامی سے یاد کریں، میری زندگی ایسی ہو کہ لوگ میری پیروی کریں، ''احقر جامع'' نے عرض کیا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے بزرگان دین کے حالات اور ان کی سوانح لکھنے کو ثابت فرمایا ہے، اور بہت سے بزرگوں نے خود اپنے حالات لکھے اور بعض بزرگوں نے اپنے حالات اپنی نگرانی میں لکھوائے، احقر کا اشارہ اس طرف تھا کہ حضرت والا بھی اپنے حالات لکھ دیں یا لکھوا دیں تا کہ بعد والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بن سکیں، حضرت نے فرمایا: بزرگوں کے اپنے اپنے حالات ہوتے ہیں کسی پر کسی حال کا غلبہ ہوتا ہے کسی پر کسی کا، ہمارے حضرت ناظم صاحب یعنی (حضرت اقدس کے پیرومرشد رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) کا حال یہ تھا کہ ان سے بہت کہا گیا کہ کچھ حالات قلم بند فرما دیجئے، فرمایا میں کیا؟ میرے حالات کیا؟ میرا بھی یہی حال ہے، میں کیا اور میرے حالات ہی کیا؟ جو کچھ بھی ہے سب اللہ کے یہاں محفوظ ہے، احقر نے عرض کیا کہ دوسروں کو تو فائدہ ہوتا ہے، اپنے بڑوں کے حالات پڑھ کر تقویت ہوتی ہے، ہمت بندھتی ہے، حضرت نے فرمایا کہ بہت سے اکابر کے حالات جمع ہیں، کتابوں کا ڈھیر لگا ہے جس کو دیکھنا ہو دیکھے، وہی بہت کافی ہیں، احقر نے عرض کیا کہ جس کو جس سے عقیدت زیادہ ہوتی ہے اس سے فائدہ زیادہ ہوتا ہے اس کے حالات پڑھنے میں جی بھی لگتا ہے تقویت بھی زیادہ ہوتی ہے، ہر بزرگ کے حالات پڑھنے کی توفیق کم ہوتی ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا تم لکھتے تو ہو جو لکھ رہے ہو یہی کافی ہے، اگر اللہ کو منظور ہوگا کہ کسی کے عمل سے مخلوق کو فائدہ پہنچے پہاڑ کی کھوہ میں بھی اگر وہ کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے گا، احقر نے حضرت اور حضرت کے خاندان کے کچھ

حالات لکھے جس طرح بزرگوں کے حالات لکھے جاتے ہیں۔حضرت نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ خاندان کی نسبت وغیرہ لکھنے سے کیا فائدہ؟ حدیث شریف میں آیا ہے "مَنْ بَطَّأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ" جس کے عمل نے اس کو پیچھے رکھا ہو اس کا نسب اس کو آگے نہ بڑھا سکے گا،احقر نے عرض کیا کہ خاندان وغیرہ کی تفصیل لکھنا مقصود نہیں،مقصود تو وہی ہے جو آپ فرما رہے ہیں،شروع میں کتابی انداز پر لکھ دیئے ہیں،فرمایا اصل چیز تو معمولات،اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ ہیں،یہ چیزیں دیکھنے کی اور عبرت کی ہوتی ہیں اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

والدین اور رشتہ داروں کے لیے دعائے خیر

وَاغْفِرْ لِاَبِیْ .(۸۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی جو ایمان نہ لائے تھے حالانکہ کافر کے واسطے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں ہے،اس لئے علماء نے اس کی تاویل کی ہے مغفرت کی دعاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مغفرت کے اسباب پیدا کردے یعنی ہدایت دیدے،لیکن جب حقیقت ظاہر ہوگئی تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس سے برأت ظاہر فرمادی،دوسری آیتوں میں اس کا ذکر ہے۔

فَلَمَّا تَبَیَّنَ له اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّأَ مِنْہُ .(توبہ : ۱۱۴)

لیکن اس سے اتنی بات تو معلوم ہوئی کہ اپنے خاندان اور رشتہ داروں کی ہدایت اور ان کی مغفرت کی دعاء کرنی چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ خود تو اسلام لے آئے تھے لیکن ان

کی والدہ کافرہ ہی تھیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ایمان لے آنے کی وجہ سے ان سے ناراض بھی تھیں، ان کو بہت برا بھلا کہتیں، گالیاں دیتیں، اور یہ خاموشی سے سنتے رہتے کچھ جواب نہ دیتے، برداشت کرتے اور برابر ہدایت کی دعاء فرماتے۔ ایک مرتبہ ان کی والدہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت باتیں کہیں اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی شان میں گستاخی کی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو بہت ناگواری ہوئی، بڑا رنج ہوا، اسی حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے حضور ﷺ نے رنجیدہ دیکھ کر پوچھا ابو ہریرہؓ کیا بات ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے پورا واقعہ سنایا اور عرض کیا مجھے کچھ بھی کہیں برداشت کر لیتا ہوں لیکن حضورؐ کی شان میں گستاخی برداشت نہیں ہوتی، آپ ہدایت کی دعاء فرما دیجئے، حضورؐ نے دعاء فرمائی، حضرت ابو ہریرہؓ گھر واپس تشریف لے گئے دیکھا دروازہ بند ہے اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آرہی ہے، دروازہ کھلوانا چاہا آواز آئی کہ ٹھہرو، غسل سے فارغ ہو کر دروازہ کھول دیا اور ایمان لے آئیں، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ کو ایسی خوشی ہوئی کہ زندگی بھر کسی اور کام میں اتنی خوشی نہیں ہوئی، فرمایا کہ جس طرح والدین کی دعاء اولاد کے حق میں زیادہ قبول ہوتی ہے اسی طرح اولاد کی دعاء بھی والدین کے حق میں بہت مقبول ہوتی ہے۔

اپنوں کی باتوں سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے

فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ، وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ. (۱۰۰-۱۰۱)

کفار قیامت کے دن کہیں گے ہمارا کوئی سفارشی نہیں جو ہماری طرف سے سفارش کرے، کوئی میرا دوست نہیں جو کام آئے، اسی دوران فرمایا کہ آدمی کو دوست سے اور اپنوں سے شکایت زیادہ ہوتی ہے، غیروں سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی، کیونکہ غیر تو غیر ہیں ہی لیکن اپنوں سے اگر کوئی بات ہوتی ہے تو دل کو صدمہ پہنچتا ہے، منصور کو جب لوگ پتھر پھینک پھینک کر مار رہے تھے، منصور خاموش تھے، صبر کر رہے تھے، ایک

دوست نے بھی ایک پھول پھینک کر مار دیا تو چیخ نکل گئی، پوچھا گیا کہ اتنے پتھر مارے گئے تو آہ نہیں کی اور پھول پھینک کے مارا تو چیخ نکل گئی، ایسا کیوں؟ جواب دیا کہ جو لوگ پتھر مار رہے ہیں وہ تو مجھے جانتے بھی نہیں لیکن تم جانتے ہو اور جانتے ہوئے بھی اپنا ہوتے ہوئے بھی مار رہے ہو، تمہارے پھول غیروں کے پتھر سے زیادہ سخت ہیں۔

وعظ وتبلیغ پر نذرانہ نہیں لینا چاہئے

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .(۱۰۹) میں تم سے کوئی دنیوی صلہ نہیں مانگتا، یہ صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام امت کو تبلیغ فرماتے اور اس پر کوئی اجر نہ لیتے بلکہ فرماتے کہ اس پر میں تم سے کسی قسم کے اجر کا سوال نہیں کرتا، علما، انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں، ان کے اندر بھی یہی صفت ہونی چاہئے، وعظ وتقریر کر کے ان کو بھی نذرانہ نہیں لینا چاہیے، لیکن اب تو اس کا بہت دروازہ کھل گیا ہے، بڑے بڑے لوگ پہلے سے طے کر لیتے ہیں، ہم اپنی جماعت پر بڑا فخر کرتے تھے، لیکن اب مارے شرم کے سر جھک جاتا ہے، وہ حضرات چلے گئے اب تو اچھے اچھے پھسل جاتے ہیں، ایک رات تقریر کی اور ہزار، پانچ سو کما لئے، بڑا آسان معاملہ ہو گیا ہے، ارے جسے مانگنا ہی ہے اپنے اللہ سے مانگے، اللہ کے خزانہ میں کیا کمی آ گئی ہے؟ جس طرح بیٹا باپ سے مانگتا ہے اسی طرح اللہ سے مانگنے کی عادت تو ڈالے، اللہ پر توکل تو کرے پھر دیکھے اللہ تعالیٰ غیب سے مدد کرتا ہے یا نہیں؟؟؟۔

دعوت وتبلیغ کا اہم اصول

تبلیغ کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ مخاطب کے ذہن میں یہ بات پہلے اچھی طرح بیٹھ جائے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس دعوت وتبلیغ سے محض تمہاری خیر خواہی

مقصود ہے، میری ذاتی غرض کچھ بھی نہیں مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے، اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے یہ اعلان کروایا گیا: ''قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ'' آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے کسی قسم کا سوال نہیں کرتا، مجھے کچھ اجر نہیں چاہئے، ''اَجْر'' نکرہ ہے یعنی کسی قسم کا اور کبھی بھی اجر نہیں طلب کرتے نہ ابھی طلب کرتے ہیں نہ آئندہ، جب تک مخاطب کے ذہن میں یہ بات نہ بٹھا دی جائے اس وقت تک بات کا اثر نہیں ہوتا، اس لئے مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ مخاطب کے ذہن میں اپنی خیر خواہی کا یقین جما دے، اور اس کے بعد عمل بھی اس کے مطابق ہو، یہ نہیں کہ زبان سے تو یہ اعلان کر رہے ہیں، اور دوسری طرف عمل اس کے خلاف ہے، نذرانہ بھی وصول کر رہے ہیں یا کسی بہانے سے کچھ لے رہے ہیں تو ایسے شخص کی بات کا اثر نہیں ہوتا، اور اس کی تقریر بے جان ہوتی ہے کیونکہ یہ طریقہ اصول دعوت و تبلیغ کے خلاف ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان بیوی اور ان کا صبر

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِ الْمُرْسَلِيْنَ. (۱٦۰)

قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی، ان کی شریعت میں کافر عورت سے نکاح جائز تھا، ہماری شریعت میں بھی شروع میں جائز تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں کافر کے نکاح میں تھیں، ابوجہل نے دشمنی کی وجہ سے طلاق دلوادی تھی، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی لیکن لوط علیہ السلام نے ان کو نبھایا، یہ آسان بات نہیں ہے، ہر ایک کے بس کی بات نہیں، دشمن کے ساتھ نبھانا بہت مشکل ہوتا ہے، تھوڑی دیر کی، ایک دن کی بات ہو تو آدمی برداشت کر لے لیکن یہاں تو دشمن کا ساتھ زندگی بھر کے لئے ہے پھر حضرت لوط علیہ السلام نے کس طرح نبھایا، یہ نبی ہی کے دل گردہ کی

بات ہے، انہیں کا جگر تھا کہ اس کو جھیل لے گئے ورنہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں کہ ایسی بیوی کے ساتھ نباہ کرے۔

بغیر اطاعت کے تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ. (۱٦٣) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو، یعنی تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ میری اطاعت کرو، تب ہی تقویٰ حاصل ہوگا، بغیر اطاعت کے تقویٰ حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اور جس کے اندر اطاعت نہ ہو وہ متقی نہیں، بغیر اطاعت کے جو تقویٰ ہوگا اس کا اعتبار نہیں، ایسا تقویٰ خود تراشیدہ ہوگا، نبی کا طریقہ نہ ہوگا جس میں ہلاکت و بربادی ہے، سیدھی بات یہی ہے کہ اپنے نفس کو کچھ دخل ہی نہ دے، اپنی طرف سے کوئی طریقہ اور کوئی صورت نہ اختیار کرے، بس اپنے پیغمبر کی اطاعت کرے، اسی میں کامیابی ہے۔

ماموں بھانجہ کا ایک عجیب وغریب قصہ

فرمایا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کا تھانہ بھون کا قصہ ہے کہ ماموں بھانجہ تھانہ بھون میں رہا کرتے تھے، بھانجہ صاحب تو اچھے خیال کے دین کے پکے اور دیندار تھے اور ماموں صاحب دوسری لائن کے تھے لیکن اپنے کو بڑا بزرگ اور دیندار سمجھتے تھے اور اکثر بھانجہ سے کہا کرتے تھے کہ مجھ سے کچھ حاصل کرلو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے اور یہ قریب نہیں جاتے تھے، ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔

ایک مرتبہ بھانجہ صاحب نے کیا حرکت کی کہ رات کے وقت ماموں صاحب کے مکان کی چھت پر چڑھ گئے۔ کچھ آہٹ ہوئی تو ماموں صاحب فرماتے ہیں کون؟ یہ

بولے، میں جبرئیل ہوں، اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے کہ تم نے بہت محنت اور مجاہدہ کیا ہے، تمہاری سب عبادتیں مقبول ہیں، میں نے تمہاری مغفرت کردی، اب تم کو عبادت کی ضرورت نہیں، بس اس کے بعد سے ماموں جان نے مسجد جانا چھوڑ دیا، کئی روز ہوگئے، بھانجہ صاحب نے کہا: ماموں جان کیا بات ہے؟ آپ مسجد میں کیوں نہیں آتے؟ فرمایا: یہی میں تم سے کہہ رہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ حاصل کرلو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے، دیکھو میرے پاس فلاں رات کو وحی آئی تھی، اللہ تعالیٰ نے میرے لئے نماز کو معاف کردیا، عبادت اٹھالی اور جنت کا وعدہ کیا ہے، بھانجہ نے کہا ماموں صاحب! وہ میں ہی تھا جبرائیل نہ تھے، چھت پر بول رہا تھا، تب ماموں جان کو اپنی حقیقت معلوم ہوئی۔

بغیر علم واطاعت کے جو لوگ تقویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا انجام یہی ہوتا ہے، جہالت کا انجام بھی یہی ہوتا ہے، شیطان اسی طرح جال میں پھانستا ہے، بس پناہ اسی میں ہے کہ اپنی طرف سے کوئی راہ اختیار نہ کرے، اللہ ورسول کی اطاعت کرتا رہے، جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کے عمل کرتا رہے، اطاعت کے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا۔

ہدایت کی توقع کس شخص سے ختم ہوجاتی ہے؟

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ. (١٦٠)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو برائی سے روکا لیکن قوم نے نہ مانا اور لوط علیہ السلام کی تکذیب کرنے لگے، آدمی اگر بات نہ مانے، عمل نہ کرے، ضد اور ہٹ دھرمی نہ کرے تو امید اور توقع ہوتی ہے کہ شاید آگے چل کر سمجھ جائے اور بات مان لے، لیکن جب وہ سرے سے تکذیب ہی کرنے لگے، اس کو جھوٹا سمجھے اور اس کی بدخواہی

دل میں جم جائے تو پھر اصلاح کی توقع نہیں رہتی، لوط علیہ السلام کی قوم کا حال یہی تھا کہ وہ تکذیب سے باز نہ آتے تھے، لوط علیہ السلام کے طرف سے ان کی دلوں میں بدخواہی جم چکی تھی کہ یہ ہمارے خیرخواہ نہیں ہیں، تب لوط علیہ السلام نے دعاء فرمائی کہ یا اللہ! ان سے امید نہیں ہے، یہ تو اب مانیں گے نہیں، مجھ کو ان سے نجات دیدیجئے اور زمین کو ان سے پاک صاف کردیجئے۔

بدعملی اور فتنہ فساد عام ہونے کے وقت آدمی کو اپنی فکر کرنی چاہئے

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّايَعْمَلُوْنَ. (۱٦۹) حضرت لوط علیہ السلام نے دعاء کی کہ اے مرے رب! مجھے کو اور میرے متعلقین کو اس کام کے وبال سے نجات دے دیجئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بری طرح بدعملی کا شکار تھی، آنے والے مہمان اور مسافرین تک کو نہیں چھوڑتے تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے دعاء کی کہ یا رب العالمین! مجھے اور میرے گھر والوں کو اس عمل سے نجات دیجئے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں، حضرت لوط علیہ السلام ڈر رہے تھے کہ اس بدعملی کے نتیجہ میں بدبختوں پر پتہ نہیں کیا عذاب نازل ہو جائے، ایسے وقت میں حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی حفاظت اور نجات کی دعاء مانگی۔

جب اس قسم کے حالات ہوں اور فتنہ فساد یا کسی بدعملی میں عام طور سے لوگ مبتلا ہوں تو اپنی فکر کرنا چاہئے، اپنی حفاظت کے لئے دعاء کرنا چاہئے، لوط علیہ السلام ڈر رہے تھے کہ فتنہ میں نہ مبتلا ہو جائیں، ایک بدعملی ہزاروں فتنوں کا سبب بنتی ہے، فتنہ

کے وقت آدمی کو اپنی زبان بند رکھنا چاہئے، قرآن پاک ہم سب کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہے، لوط علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حالات میں انسان اپنی فکر کرے، اللہ سے دعاء کرے۔

فتنہ وفساد میں ابتلا کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے

ابھی کل ہی کا قصہ ہے، بیچارے فلاں شخص کو جو یہیں کا پڑھا ہوا ہے، باندا مسجد میں امامت کرتا ہے، ان کی بستی میں ایک قتل ہوگیا ہے، معاملہ کسی کا لیکن پولیس والے اس کو پکڑ کر لے گئے اور بیچارے کو مارا بھی، حالانکہ وہ بالکل بےقصور ہے، لیکن ضرور کوئی نہ کوئی چوک ہوئی ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ ابھی چوک ہوئی ہو کبھی کسی وقت غلطی ہوئی ہوگی اس کا اثر اور ظہور اب ہو رہا ہے۔ اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ استغفار کرتے رہنا چاہئے، معلوم نہیں کب پکڑ لئے جائیں، جس طرح پولیس اس کو پکڑ کر لے گئی ہے اس کی جگہ کیا ہم نہیں ہو سکتے تھے۔

جن کو پولیس لے گئی تھی ان کے سلسلہ میں حضرت نے ایک ذمہ دار صاحب کو خط لکھا کہ شہر کے چند معزز حضرات کو لے کر کوتوالی جائیں اور ان کے متعلق گفتگو کریں کہ یہ تو مسجد کا امام ہے، دشمنی کی وجہ سے لوگوں نے بلاوجہ اس کی شکایت کر دی ہے، وہ بالکل بےقصور ہے۔ کسی بھی طرح اس کو فوراً وہاں سے چھڑائیں۔

بات بڑھانے کا انجام

ابھی پرسوں کی بات ہے کہ ایک قتل ہوگیا تھا، پولیس اور داروغہ یہاں کتنی عقیدت سے آئے، ملاقات کی، دعوت کھائی اور ”چھنیرا“ میں جا کر میرے عزیزوں کو بھی پکڑ کر لے گئے حالانکہ ان بےچاروں کا کوئی قصور نہیں تھا، واقعی یہ پولیس والے کسی کے نہیں ہوتے، اسی قضیہ کی وجہ سے باندا سے فلاں کو بھی پکڑا۔

اور یہ نوبت اسی لئے آئی کہ ان لوگوں نے بات نہیں مانی، بات ختم کرنے کے بجائے بات بڑھانے کی کوشش کی، پنچایت ہوئی تھی اس کے فیصلے کو سب تسلیم کر لیتے تو کچھ نہ ہوتا، لیکن بات بڑھانے کی عادت ہے، سلسلہ چل پڑا نوبت یہاں تک پہنچی، ہر ایک کا سکون غارت ہوا، ہر شخص خطرے میں ہے، اس لئے ہر شخص کو ہمیشہ اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ بات ختم ہو جائے، معاملہ کو ختم کر دینا چاہئے، آگے نہیں بڑھانا چاہئے، کبھی کبھی ایک جملہ اور ایک بدعملی ہزاروں کی ہلاکت اور فساد کا ذریعہ بنتی ہے، اگر قصور نہ بھی ہو تو قصور تسلیم کر لے، چھوٹا بن جائے، معافی مانگ لے تو اس میں کیا حرج ہے؟ فتنہ تو ختم ہو جائے گا، ایک حدیث شریف میں ایسے شخص کی بڑی فضیلت آئی ہے جو لڑائی جھگڑا ختم کرنے کے واسطے اپنا حق چھوڑ دے، ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے، ان سب باتوں پر آخر کون عمل کرے گا، (یہ روایت ابوداؤد کتاب الادب میں ہے، مرتب)

اللہ والوں کی شان

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ. حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

یہ آیت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے بارے میں ہے، لوط علیہ السلام کی قوم بدفعلی، بدکاری کا شکار تھی اور بھی بہت سی خرابیاں ان میں تھیں، لوط علیہ السلام نے صاف صاف کھلے الفاظ میں اس عمل سے براءت کر دی اور بیزاری کا اعلان فرما دیا کہ میں تو تمہارے اس عمل میں تمہارا کھلا ہوا دشمن ہوں، اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ حق کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے اور باطل سے صاف صاف بیزاری ظاہر فرما دیتے ہیں، لوط علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا۔

"قَالِیْنَ" جمع کا صیغہ ہے حالانکہ فرمارہے ہیں تنہا خود،اس کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں،ایک تو یہ کہ تمہارا یہ عمل ایسا ہے کہ میں ہی کیا نہ جانے کتنے اورلوگ اس کے دشمن ہوں گے یا پھر غیر ذوالعقول کوبھی اس میں شامل کرلیا جائے اور مطلب یہ ہوگا کہ یہ اتنا برا عمل ہے کہ میں ہی اس کا دشمن نہیں بلکہ شجر وحجر، زمین وآسمان سب اس کے دشمن ہیں۔

معصیت پر راضی رہنے والا اور مدد کرنے والا بھی عذاب میں مبتلا ہوتا ہے

اِلَّا عَجُوْزاً فِیْ الْغَابِرِیْنَ. (بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ عذاب کے اندر رہ جانے والوں میں رہ گئی) لوط علیہ السلام کی قوم پر جب عذاب آیا تو پوری قوم کی قوم تباہ کردی گئی،لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی قوم کی بدکاری سے وہ راضی اورخوش ہوا کرتی تھی بلکہ وہ رہنمائی بھی کیا کرتی تھی،لوط علیہ السلام کے پاس جب حسین خوبصورت لڑکوں کی شکل میں مہمان (فرشتے) آئے تو اسی نے جا کر مخبری کی تھی کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے مہمان آئے ہیں،چونکہ وہ ان کے عمل سے راضی تھی،اس لئے اللہ تعالیٰ نے قوم کے ساتھ لوط علیہ السلام کی بیوی کوبھی عذاب میں مبتلا کردیا اوروہ بھی ہلاک ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی غلط کام سے راضی ہونا، اس میں رہنمائی کرنا عذاب کا سبب ہوتا ہے،اس کی مدد کرنا یہ بھی عذاب کا سبب ہوتا ہے،اگر عذاب آئے گا تو وہ بھی اس میں مبتلا ہوگا۔

دوران سبق فرمایا کہ نبی کی بیوی کافرہ تو ہوسکتی ہے لیکن بدکار اور فاحشہ،زانیہ نہیں ہوسکتی، نبی اوران کے گھرانے میں ایسا کوئی عیب نہیں ہوسکتا جو عقلی طور پر سب

کے نزدیک برا ہو جیسے زنا، نبی کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہوتی جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو ان کی اتباع کرنے سے عار آئے، اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام ہر زمانہ میں اعلیٰ واشرف خاندان سے ہوئے ہیں، اور جسمانی عیوب سے بھی مبرّا ہوتے ہیں، (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے جو حدیث پاک میں آیا ہے) قرآن پاک میں بھی ہے۔

علماء کی ناقدری ہلاکت وتباہی کا باعث ہے

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ الخ.

حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اتنے بڑے اولوالعزم پیغمبر لیکن قوم نے ان کی ناقدری کی، ان کے جانوروں، بکریوں کو پانی پلانے والا کوئی نہ تھا، ان کی لڑکیاں جایا کرتیں، ایک کونہ میں کھڑی رہتیں، جب سب لوگ پانی پلا کر چلے جاتے تو بچا کھچا پانی یہ بیچاری پلاتیں، ان کم بختوں کو ذرا ترس بھی نہ آتا تھا۔

ایک جگہ تقریر میں میں نے کہا تھا کہ آج امت کے اندر سے عالم دین کی عزت وقعت اٹھ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو عالم کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں" یعنی وہ ہمارا آدمی نہیں، آج امت میں عالم کی عزت عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی نہیں کرتا، جو لوگ کرتے بھی ہیں وہ دوسرے خیال سے کرتے ہیں، یا تو کوئی رشتہ داری ہوگی، یا دوستانہ تعلقات ہوں گے، یا کوئی غرض وابستہ ہوگی، اس لئے عالم کا ادب اور اس کا کچھ خیال کر لیتے ہیں، محض عالم ہونے کی بنا پر کوئی نہیں کرتا (اِلّا ماشاء اللہ) ورنہ اور بھی دوسرے عالم ہیں سب کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں، صورت حال یہ ہے کہ دکان میں اگر کوئی عالم صاحب رسید لے کر پہنچ جائیں تو رسید لئے باہر کھڑے ہیں اور دوکاندار صاحب دکان کی گدی پر اندر ٹھاٹ سے

بیٹھے ہیں، کچھ پرواہ نہیں، اگر کچھ بات کی جائے تو کہتے ہیں مولانا! ذرا ٹھریئے، آپ تو دیکھ رہے ہیں بھیڑ لگی ہے، اب بیچارے عالم صاحب کھڑے ہیں اور اگر کوئی ملنے والا دوست آجائے تو کیا اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں؟ اس سے تو اچھی طرح ملاقات کرتے ہیں، گدّے پر اپنے پاس بلا کر اس کو بٹھاتے ہیں، کہیں جانا ہو تو لڑکے کو بلاتے ہیں کہ فلانے چابی لے جا کر کمرہ کھول دو، ناشتہ کراؤ، میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں، کبھی کسی اہل علم کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کرتے ہیں؟ یہ تو حال ہے اس امت کا۔

میری امت کے علماء بنی اسرئیل کے پیغمبر کی طرح ہیں

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ آيَةً اَنْ يَّعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ. کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو علماء بنی اسرئیل جانتے ہیں۔

فرمایا کہ ایک بات یاد آگئی کہ ایک مرتبہ میں نے کانپور کی تقریر میں کہا تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ"، یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبر کی طرح ہوں گے، میں نے کہا تھا اس میں تشبیہ کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں، لیکن میرے نزدیک تشبیہ کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء کو ستایا گیا، پریشان کیا گیا، اور جس جس نوع کی مصیبت کے ساتھ ان کو مبتلا کیا گیا ایسی نوع کے ساتھ اس امت کے علماء کے ساتھ بھی معاملہ کیا جائے گا، مثلاً لوط علیہ السلام کو ان کی بیوی کے ذریعہ آزمایا گیا، نوح علیہ السلام کو اولاد کے ذریعہ آزمایا گیا، اسی طرح اس امت کے علماء میں کسی کی بیوی کے ذریعہ آزمائش ہوگی اور کسی کی اولاد کے ذریعہ آزمائش کی جائے گی، کسی کو برادری، خاندان اور رشتہ داروں کے ذریعہ امتحان میں مبتلا کیا جائے گا، برادری اور خاندان والے اس کے مخالف ہوں گے، کسی کو پوری قوم کے ذریعہ آزمایا جائے گا، الغرض اس امت کے علماء کے ساتھ اسی طرح کے

حالات پیش آئیں گے جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء کے ساتھ پیش آئے، کسی عالم کو کسی نبی کی طرح اور کسی کو کسی دوسرے نبی کی طرح آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔

اور ایک مشہور وجہ شبہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء ایک ایک قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنتے تھے اسی طرح اس امت کے علماء بھی ایک ایک قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترقی کے لئے آزمائش ضروری ہے

فرمایا عالم ہو اور اس کی آزمائش نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے، امتحان کے بغیر ڈگریاں کیسے ملیں گی، ترقی تو آزمائش وامتحان کے بعد ہی ہوتی ہے، توکل کی ڈگری، صبر کی ڈگری، زہد کی ڈگری، اور اس جیسی ڈگریاں کب ملیں گی؟ امتحان میں اگر کامیاب ہوگیا تو ڈگری مل جائے گی، فیل ہوگیا تو ترقی رک جائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہوں گے، یہ جملہ خبریہ ہے لیکن جملہ خبریہ سے محض خبر مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر جملہ خبریہ انشاء کو متضمن ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے علماء کو ایسا ہونا چاہئے، آزمائش ومصیبت کے وقت میں ان کو صبر واولوالعزمی کا ثبوت دینا چاہئے۔

دنیا کے طالب سعودیہ جانے والوں کا حال

لیکن جب وقت آتا ہے تو اچھے اچھے لوگ پھسل جاتے ہیں، پڑھا لکھا سب بھول جاتے ہیں، پندرہ پندرہ برس کا مدرس سعودیہ جاکر مزدوری کرے گا، اونٹ چرائے گا آج کل یہی ہورہا ہے، جس کو دیکھو سعودیہ کا امام بن کر جارہا ہے، وہاں بعض لوگ

بلاتے ہیں امام بنانے کے لئے اور کرواتے ہیں کچھ اور، بہت سے واقعات اس طرح کے ہیں، ایک مدرس پندرہ برس تک درس دیتے رہے لالچ میں آکر وہاں چلے گئے اور وہاں جاکر ان کو اونٹ چرانے دیئے گئے چنانچہ اونٹ چرایا کرتے ہیں، دونوں وقت مرغی کھانے کو مل جاتی ہے، بس یہ فائدہ ہوا، بلاتے ہیں یہ کہہ کر ہم تم کو بنائیں گے امام، اور وہاں جاکر بناتے ہیں غلام، بڑی بدعہدی کرتے ہیں، پاسپورٹ چھین کر رکھ لیتے ہیں کہ اب تو تم کچھ کر بھی نہیں سکتے، واپس بھی نہیں جاسکتے۔

ہمارے ایک عزیز ڈرائیور تھے اور ڈرائیوری کے لئے ان کو بلایا گیا لیکن وہاں ان کے ساتھ بہت برا ہوا، پاسپورٹ چھین لیا گیا، بالآخر ان کو جیل بھی جانا پڑا، یہ سارے قصے ہوتے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی لوگ وہیں بھاگتے ہیں، اچھے خاصے کھاتے پیتے ہیں، کمانے کی صورتیں ہیں، سب کچھ کر سکتے ہیں، لیکن یہاں تجارت نہیں کرتے، بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ اچھے خاصے کماتے ہوئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلدیئے اور بعد میں پچھتاتے ہیں ارے یہاں کیا کمی ہے، یہیں کماؤ، یہیں تجارت کرو، کماؤ اور کھاؤ، کیا بہت اچھا لگتا ہے گھر والوں سے دور رہتے ہوئے؟ گھروں کے ساتھ رہنا، انکا نگاہوں کے سامنے ہونا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب معجزہ

اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الخ

اس آیت کے تحت تفسیر کرتے ہوئے فرمایا سابقہ آسمانی کتابوں، توراۃ وانجیل میں تحریف کی گئی ہے اب یہ تحریف شدہ کتابیں ہیں، لیکن توراۃ وانجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق اب بھی موجود ہے، آپ کی علامات واوصاف مذکور ہیں، اس میں شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ جب توراۃ وانجیل محرف کتابیں ہیں تو ممکن ہے کہ وہ حصہ بھی

محرف ہو جس سے قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق وتائید ہوتی ہو، پھر تحریف شدہ کتاب سے تصدیق وتائید پیش کرنا کیسے درست ہوگا؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشکال تحریر فرمایا ہے اور خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ یہود ونصاریٰ نے جو تحریف کی تھی وہ انہیں مواقع میں کی تھی جس میں ان کا مطلب نکلتا ہو، جس میں ان کا کچھ نفع ہوتا ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق جو اوصاف توراۃ وانجیل میں بیان کئے گئے تھے اس کی طرف ان لوگوں کا ذہن ہی نہیں گیا اور کسی کو معلوم بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہوگا اور یہ صورت پیش آئے گی، ورنہ اس میں بھی تحریف کر ڈالتے، یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تحریف کرنے کے آج بھی وہ آیات (جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور ہیں) توراۃ وانجیل میں موجود ہیں۔ یہ کھلا ہوا معجزہ اور قرآن کی حقانیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کی خداداد

عربی ادب کی صلاحیت

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ الخ .

تفسیر کے بعد فرمایا کہ ایک عجمی آدمی خوب شاندار عربی بولے یہ کمال کی بات نہیں ہے؟ مولانا علی میاں صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ اللہ نے ان کو ایسی صلاحیت اور عربی بولنے کا ایسا ملکہ نصیب فرمایا ہے کہ اچھے اچھے اہل عرب بھی اتنی فصیح عربی نہیں بولتے جب بولنے پر آتے ہیں تو ایسے انداز سے بولتے ہیں کہ اہل عرب دنگ رہ جاتے ہیں۔

ملک شام میں ایک مرتبہ مولانا کی تقریر ریڈیو میں نشر ہورہی تھی، اتفاق سے میں راستہ سے گزر رہا تھا، میرے کانوں میں آواز پڑی، میں سنتے ہی مولانا کی آواز پہچان گیا مولانا بول رہے ہیں، پھر میں نے وہ پوری تقریر سنی، مولانا فرمارہے تھے "اِسْمَعِیْ یَاسُوْرِیَا" سوریا عربی زبان میں شام کو کہتے ہیں، سن لے اے شام! تجھ کو معلوم نہیں تیری سرزمین میں کون لوگ مقیم ہوئے، تیری سرزمین میں ابراہیم علیہ السلام مقیم ہوئے، تجھ کو معلوم نہیں کہ تیری پشت پر اس سے پہلے کیا ہوتا تھا اور تیری زمین میں کیسے کیسے لوگ بستے تھے، کیا وہ زمانہ تو بھول گئی؟ کیا تجھے معلوم نہیں، تو دیکھتی نہیں، سنتی نہیں کہ تیری زمین میں اب کیا کام ہورہا ہے، تو نے پہلے لوگوں کو بھلا دیا، وہ کیسے لوگ تھے اور اب تیری زمین میں کیسے لوگ بس رہے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور مبلغ کی ذمہ داری

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ !

آپ سب سے پہلے اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے۔

اس آیت میں دعوت وتبلیغ کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ انذار وتبلیغ میں ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ پہلے خود عمل کر کے دکھلائے، اپنوں میں تبلیغ کرے، گھر والوں کو اس کی تبلیغ کرے تاکہ ایک ماحول بن جائے اور عملی نمونہ سامنے آجائے، جب تک ماحول نہیں بنتا اس وقت تک کامیابی نہیں ہوتی اور ماحول اسی وقت بنتا ہے جبکہ عملی نمونہ بھی پیش کیا جائے، جیسے کسی چادر کا کوئی نمونہ سامنے نہ ہو اور لوگوں کو خریدنے کی ترغیب دی جائے، لوگ کیسے اس کو قبول کرلیں گے؟ ایک چادر سامنے لائی جائے، لوگ اس کو دیکھیں، پسند کریں، تب اس کو قبول کریں گے، اسی طرح دعوت وتبلیغ میں پہلے ہم کو عملی نمونہ پیش کرنا چاہئے، اسی سے ماحول بنتا ہے اور جب تک ماحول نہیں بنتا اس وقت تک کام آگے نہیں

بڑھتا، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ رشتہ داروں کو تبلیغ کریئے، ان کو ڈرایئے کیوں کہ اپنوں سے اور رشتہ داروں سے ماحول زیادہ بنتا ہے۔

پہلے اپنے لوگوں میں تبلیغ کرنا کیوں ضروری ہے؟

(۱) وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی کام کے لئے اگر اپنوں سے نہ کہا جائے اور دوسروں سے کہا جائے، ان کو تبلیغ کی جائے تو خیال پیدا ہوگا کہ کیا بات ہے اپنے لوگوں سے تو نہیں کہا اور ہم سے کہہ رہے ہیں، ہمارے پیچھے پڑے ہیں اگر یہ کوئی نفع کی بات ہوتی تو اپنے لوگوں سے بھی تو کہنا چاہیئے، ضرور کوئی چال اور سازش معلوم ہوتی ہے، ان کی کچھ غرض ہوگی ہم سے کچھ لینا چاہتے ہوں گے۔

(۲) دوسرے یہ بھی ہے کہ کسی غلط کام سے ہم دوسروں کو منع کر رہے ہیں اور اپنوں سے کچھ نہیں کہتے تو اس میں بڑے اعتراض اور گرفت کی بات ہوگی کہ جس کام سے ہم کو منع کر رہے ہیں وہی کام ان کے رشتہ دار بھی کرتے ہیں ان کو کیوں نہیں منع کرتے؟ اگر منع کرنے والی بات ہے تو سب کو منع کرنا چاہیئے، اس لئے حکم دیا گیا کہ پہلے اپنوں کو اپنے خاندان اور رشتہ داروں کو تبلیغ کیجئے۔

(۳) تیسرے اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ گھر کے لوگ قریبی ہوتے ہیں وہ اندر باہر کچا چٹھا سب جانتے ہیں، جب وہ لوگ کہنا مان لیں گے تو دوسرے لوگ بھی مانیں گے، کیونکہ جب وہ یہ دیکھیں گے کہ یہ سمجھ دار لوگ ان کے ظاہر و باطن سے پوری طرح واقف ہیں اور ان کی بات مان رہے ہیں تو ضرور یہ حق پر ہوں گے، چنانچہ دوسرے لوگ بھی ماننے والے ہو جائیں گے۔

(۴) نیز جب رشتہ دار مان لیں گے تو وہ حمایت بھی زیادہ کریں گے، چنانچہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے تو کس قدر حمایت کی اور کتنی ترقی ہوئی۔

یہ موٹی موٹی حکمتیں سمجھ میں آئیں، اس کے علاوہ خدا جانے کتنی حکمتیں ہوں گی، وہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے یہ حکم کیوں دیا، ہم کو تو عمل کرنا چاہئے، الغرض دعوت و تبلیغ میں ترتیب یہی ہونی چاہئے کہ پہلے اپنے رشتہ داروں کو تبلیغ کی جائے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رشتہ داروں کو ایک پہاڑ کے نیچے جمع فرما کر دعوت دی جس کا قصہ معروف و مشہور ہے۔

مبلغ کے لئے اہم ہدایت

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

اور ان لوگوں کے ساتھ مشفقانہ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔

دعوت و تبلیغ میں ترتیب تو یہی ہونی چاہئے جو اوپر بیان کی گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے حضرات جو رشتہ دار نہیں ہیں ان کو تبلیغ نہ کی جائے، ان کو تبلیغ کرنی چاہئے، اور دوسروں کے مان لینے کے بعد ان کے ساتھ معاملہ پھر اپنوں ہی جیسا ہونا چاہئے خواہ وہ کوئی بھی ہو، رشتہ دار یا خاندان کا ہو، یا نہ ہو، کہیں کا بھی رہنا والا ہو اس کے ساتھ اپنوں جیسا سلوک کیا جائے اسی کو فرمایا گیا ہے: وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ۔

حق پرست سچے داعی کی علامت

فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّي بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ.

اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔

مبلغ کے واسطے یہ تو ضروری ہے کہ ترتیب کے ساتھ درجہ بدرجہ سب کو تبلیغ کرتا

رہے، لیکن اگر لوگ بات نہ مانیں تو یہ نہیں کہ ہم بھی انہیں میں گھل مل جائیں، حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کرلیں بلکہ ایسے موقع پر صاف صاف براءت ظاہر کردینا چاہئے، اور کہہ دینا چاہئے کہ اس مسئلہ میں ہم تمہارے ساتھ نہیں ''اِنّي بَرِئٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ''.
یعنی میں اس کام سے بیزار ہوں جس کو تم لوگ کرتے ہو، جب یہ بات پائی جائے گی تو دوسرے دیکھنے والے لوگ بھی کہیں گے کہ واقعی یہ مخلص معلوم ہوتے ہیں، ان کا جو معاملہ دوسروں کے ساتھ ہے اپنوں کے ساتھ بھی وہی ہے، آدمی کی قدر و قیمت اور اس کی وقعت دل میں اسی وقت بیٹھتی ہے جب کھلم کھلا اعلان کردے کہ ہم کو تمہارا یہ طرز عمل پسند نہیں، اس غلط کام میں ہم تمہارے ساتھ نہیں۔

مبلغ کو خاص طور پر توکل کی ضرورت

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ .

اور آپ خدائے قادر ورحیم پر توکل کیجئے۔

مبلغ جب حق کی تبلیغ کرے گا، نہ ماننے والوں سے براءت ظاہر کرے گا، تو اندیشہ ہے کہ لوگ اس کے مخالف ہوجائیں، اس کا ناطقہ بند کردیں، اس کا رہنا اور جینا دوبھر کردیں، اس کے بعد فرمارہے ہیں کہ ایسا خیال مت کیجئے! اللہ پر بھروسہ کیجئے جو غالب بھی ہے رحیم بھی ہے، قدرت والا ہے، سب کو ابھی دبوچ سکتا ہے، جب اللہ پر بھروسہ ہوگا تو پھر کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

صرف توکل کافی نہیں رحمت کے اسباب بھی اختیار کرنے چاہئے

وَتَقَلُّبَكَ فِيْ السَّاجِدِيْنَ.

اللہ تعالی نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف توکل کافی نہیں بلکہ توکل کے ساتھ اعمال بھی ایسے ہونے چاہئے جس کو اس آیت کے اندر بیان کیا گیا ہے یعنی خدا کے سامنے سر جھکانا، اس سے دعا کرنا، یعنی ایسے اعمال واوصاف اختیار کرے جن سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، کیونکہ نتیجہ اعمال ہی پر مرتب ہوتا ہے۔

شعر و شاعری پر تبصرہ

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ .

اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔

شعراء کی عادت ہوتی ہے مبالغہ کرنا، زمین وآسمان کے قلابے ملا دینا، اگر کسی کی تعریف کریں گے تو آسمان پر چڑھا دیں گے، مذمت کریں گے تو بالکل گرا دیں گے، مبالغہ کریں گے تو اس طرح ''کاش کہ وہ منظر سامنے ہوتو جان دیدوں'' یہ مبالغہ نہیں تو اور کیا ہے، اور جسکو اس کا چسکا لگتا ہے پھر وہ ضروری کاموں کو بھی چھوڑ بیٹھتا ہے، جب میں پڑھا کرتا تھا درس بخاری شریف میں ایک طالب علم شاعر تھا، دوران درس اشعار ہی بنایا کرتا تھا، ادھر سبق ہو رہا ہے ان کے اشعار بن رہے ہیں، لوگ سمجھتے تھے کہ بڑا محنتی طالب علم ہے، کاپی میں درس لکھ رہا ہے۔

پسندیدہ شاعری

شاعر اگر شاعری کرے اور اعمال صالحہ اور ضروری کاموں میں اس کی وجہ سے کوتاہی نہ ہوتو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ شاعر اگر ذاکر شاغل اور خود صالح ہے تو اس کے اشعار بھی صالح ہوں گے، اللہ کے ذکر اور عمل خیر کی طرف لے جانے والے ہوں گے، لوگوں کی ہدایت اور نفوس کی اصلاح کا ذریعہ ہوں گے، خواجہ مجذوب صاحب اور مولانا

محمد احمد صاحب پرتا بگڑھیؒ کے کتنے اشعار ہیں لیکن وہ ایسے ہیں جن سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔مولانا الطاف حسین حالیؒ بڑے اچھے اشعار کہتے تھے، حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بلکہ رشتہ دار بھی ہوتے تھے، شمس العلماء ان کا خطاب تھا، پانی پت میں مسلم ہائی اسکول قائم کیا تھا، میں نے وہ اسکول دیکھا ہے، ہائی اسکول تک جو پڑھ لیتا تھا جلالین شریف تک کی تعلیم حاصل کر لیتا تھا، دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہوتی تھی، ان کا لباس بھی اسلامی ہوتا تھا، دو پلی ٹوپی اور بغیر کالردار قمیص اور پائجامہ یہ ان کا لباس ہوتا تھا، اگر ان کو کھڑا کر دیا جائے تو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ کالج کے لڑکے ہیں یا دینی مدرسے کے، آج کے مدرسوں کے لڑکوں سے اس کالج کے لڑکے اچھے تھے، ان کے اندر دینداری تھی، ایسے کالجوں کے قائم کرنے کی آج بھی ضرورت ہے۔

(تمت سورة شعراء)

افادات درسِ قرآن
سورۂ نمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افادات درس قرآن سورۂ نمل

عورتوں کے نام کا پردہ

بلاضرورت بیوی اور گھر کی عورتوں کا نام نہیں ظاہر کرنا چاہئے

اِذْ قَالَ مُوْسیٰ لِاَهْلِهٖ .

قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہل سے کہا، اپنی بیوی کے لئے اہل کہا، بیوی کا نام نہیں لیا، اس سے معلوم ہوا کہ بے ضرورت اپنی بیوی کا نام نہیں ظاہر کرنا چاہئے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کہیں عورتوں کا نام نہیں لیا، اگر کہیں لیا ہے تو خاص ضرورت کے تحت، عورتوں کا تو پردہ ہوتا ہی ہے عورتوں کے نام کا بھی پردہ ہے، اگر نام لیا جاتا تو سب پڑھنے والے پڑھتے، کوئی ناجائز حرام نہیں ہے لیکن ادب اور حیاء کا تقاضا یہی ہے کہ بغیر خاص ضرورت کے اپنی بیوی کا بھی نام لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے، لیکن آج کل تو بڑے اہتمام سے عورتوں کا نام ظاہر کیا جاتا ہے، شادیوں میں کارڈ چھپتے ہیں فلاں کی شادی فلاں کی لڑکی ''نصرین بیگم ایم اے'' یہ سب لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کارڈ ہی چھپوانا ہے تو لڑکیوں کا نام لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ لکھ دے کہ فلاں کی بیٹی، بنت فلاں، بعض لوگ بڑی بے تکلفی کے ساتھ نام لے کر بیان کرتے ہیں اور بڑا فخر سمجھتے ہیں کہ فلاں نے یوں کہا، فلاں نے سلام کہا ہے، ارے یہی کہہ دے کہ گھر والوں نے سلام کہا ہے، میری اہلیہ نے سلام کہا ہے۔

انسان کے وہ اعمال جو اسوہ اور نمونہ بننے کے قابل ہوں جن سے دوسروں کو ہدایت ہوسکتی ہو انہیں باتوں کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے تا کہ لوگوں کو ہدایت

ہو،سوانح لکھنے کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ سوانح (بزرگوں کے حالات) میں ان کی اولاد کا بھی ذکر ہوتا ہے،لڑکوں ،لڑکیوں کے حالات اوران کے نام بھی لکھے جاتے ہیں،فرمایا: کوئی حرام نہیں اگر ضرورت کی وجہ سے لکھے جائیں تا کہ دوسروں کو عبرت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔(حدیث کی سند میں اور تاریخ میں صحابیات اور تابعیات کے نام کثرت سے آئے ہیں وہ بھی ضرورت کی بنا پر ہیں)

بزرگوں کی سوانح اور حالات میں کیا چیز لکھنا چاہئے؟

فرمایا: سوانح لکھنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں جو ایسے اعمال واخلاق ہوں جن سے دوسروں کو ہدایت اور عبرت ہو سکتی ہو، جو دوسروں کے لئے نمونہ اور ہدایت کا ذریعہ بن سکتے ہوں بس انہیں حالات کو لکھ دے، زیادہ تفصیل کی کیا ضرورت ہے،اصل زندگی اور زندگی میں جو واقعات پیش آئے ہوں جس کو پڑھ کر لوگ عبرت پکڑیں بس وہی سوانح ہے،زیادہ تفصیل لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

اور حدیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دو پہاڑوں کے درمیان یا کسی کوٹھری کے اندر بھی کوئی عمل کرے جہاں کوئی اس کو دیکھنے والا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کے عمل سے دوسروں کو ہدایت دلانا مقصود ہو تو کسی نہ کسی بہانہ سے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرمادے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے لیکن لوگوں کو جتلا کر اور بتلا کر نہیں بلکہ اس طرح کہ کسی کو معلوم نہ ہو،عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سب کے ساتھ مسجد سے باہر

تشریف لاتے، گھر جا کر تھوڑی دیر آرام فرماتے پھر مسجد تشریف لے آتے اور فجر سے پہلے پھر گھر چلے جاتے، فجر کی نماز کے وقت پھر مسجد تشریف لاتے، کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ظاہر کرا دیا، ساری دنیا جان گئی لیکن امام صاحب نے اس کو پوشیدہ ہی رکھنا چاہا تھا، اللہ تعالیٰ جس عمل سے دوسروں کو ہدایت دینا چاہتے ہیں کسی نہ کسی طریقہ سے اس کو ظاہر کروا دیتے ہیں، اور لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے، ورنہ یہ اللہ کے بندے تو اپنے کو بہت چھپاتے ہیں، اپنا کمال ظاہر نہیں کرتے، دوسرے لوگوں کو ان کے حالات کی خبر نہیں ہوتی، کسی کو کیا معلوم، کون کس حال میں ہے اور کس پر کیا گذر رہی ہے، وہ تو بہت تھوڑے حالات ہوتے ہیں جو لوگوں کے سامنے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ بعض باتیں ظاہر کروا دیتا ہے اس طرح ان کو چھپانے کا بھی ثواب مل جاتا ہے اور وہ باتیں دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہیں اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔

حضرت کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ (ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور) کا واقعہ

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے کو بہت چھپایا کرتے تھے، میں نے بھی لڑکپن میں حضرت سے حالات لکھنے کی درخواست کی تھی، فرمایا ''میں کیا اور میرے حالات کیا''۔ میرا بھی ایسا ہی مزاج ہے، حضرتؒ اپنے کو بہت چھپاتے تھے، میں ان کے اتنا قریب تھا لیکن مجھے بھی بہت سی باتیں نہیں معلوم تھیں بعد میں ظاہر ہوئیں۔

تھانہ بھون کا قصہ

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ حضرتؒ تھانہ بھون تشریف لے گئے، ہمارے حضرت نے حضرت تھانویؒ سے پڑھا بھی ہے، تھانہ بھون جا کر کئی کئی روز رہا کرتے تھے، تھانہ

بھون کا قانون یہ تھا کہ سردی کے موسم میں حمام سے گرم پانی استعمال کرنے کی ہر ایک کو اجازت نہ تھی، جو استعمال کرے مہینہ میں دو پیسہ جمع کرے، اور حضرت تھانویؒ تہجد ہی کے وقت خانقاہ تشریف لے آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو دیکھا سخت سردی کے موسم میں حوض کے ٹھنڈے پانی سے کوئی وضو کر رہا ہے، پوچھا، کون ہے؟ حضرت نے سر نیچے کرلیا، پھر پوچھا کون، اسعد اللہ؟ فرمایا جی! حضرت تھانویؒ نے فرمایا گرم پانی سے وضو کیوں نہیں کرتے، اب حضرت خاموش، حضرت تھانویؒ سمجھ گئے اور فرمایا کہ اچھا تم گرم پانی استعمال کرلیا کرو، تمہاری طرف سے میں پیسے جمع کردیا کروں گا، یہ قصہ ہمارے حضرت کی طالب علمی کے زمانہ کا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور خوف ہوتا ہے تب یہ باتیں ہوتی ہیں اور آج کل مدارس میں اسی کا فقدان ہے، دیانت داری اٹھتی جارہی ہے۔ آج ہی رات ایک لڑکے کو دیکھا کہ مدرسہ کا پنکھا چلا کر علیحدہ ٹانگ پھیلائے سو رہا ہے، حضرت کا واقعہ کون جان سکتا تھا، رات کی تاریکی میں کون ان کو دیکھتا لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے عمل سے ہدایت دلانا مقصود تھی اس کو اس طرح ظاہر فرمادیا۔

بچت کی ایک صورت

اسی طرح حضرت کا ایک اور واقعہ ہے کہ وہ بہت مقروض ہو گئے اور آمدنی کی کوئی صورت نہیں تھی، دوسروں سے قرض لے کر اگر قرض ادا کرتے پھر بھی وہ قرض ہی رہتا اس لئے اس کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ خرچ کم کردیا، آمدنی اور بچت کی ایک یہ بھی تو صورت ہے کہ خرچ کم کردے، چنانچہ حضرت نے کئی برس تک سالن نہیں استعمال فرمایا، بغیر سالن کے روٹی کھاتے تھے، اس طرح بچا بچا کر دوسروں کا قرض ادا فرمایا اور فرماتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے میں اس وقت صاحب نصاب ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لے کر جا رہے تھے راستہ بھول گئے، تکوینی نظام کے تحت ان کو راستہ بھلا دیا گیا، آگ دیکھ کر راستہ پوچھنے کی غرض سے اس مقام پر پہنچے، آگ کے پاس تشریف لے گئے وہاں جب گئے تو معاملہ ہی کچھ اور تھا، اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی، یہ سب اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام ہے۔

بیوی بچوں کی ضرورت اوران کی راحت رسانی کی فکر

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِأَھْلِہٖ اِنِّیْ آنَسْتُ نَارًا .

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کے واسطے آگ لینے خود تشریف لے گئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کی ضرورت اور اس کی راحت رسانی کا انتظام مرد کو کرنا چاہئے، اس کو آرام پہنچانے کی کوشش بھی کرنی چاہئے، ضرورت کے وقت اس کی خدمت بھی کرے، جب خدمت لیتا ہے تو وقت آنے پر خدمت کرے بھی، موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لئے تشریف لے گئے تھے، سردی سے بچنے کا انتظام کرنے گئے تھے اس وقت ان کی اہلیہ کو اسی کی ضرورت تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر ضرورت پوری کرنی چاہئے، علاج کے لئے اگر سفر کی ضرورت پیش آئے تو سفر بھی کرنا چاہئے، سردی سے بچنے کے لئے لحاف، بستر، گدّے وغیرہ کا انتظام بھی کرنا چاہئے، ہیٹر کی ضرورت ہو اور گنجائش ہو تو اس کا بھی انتظام کرنا چاہئے۔

الغرض اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، وقت پر ضرورت کے موافق اس کی خدمت کرنا، یہ اخلاقی فریضہ ہے۔ اس کے کاموں میں شریک ہونا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرٌ

لِأَهْلِیْ"۔ تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہوں، اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے اہل کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اپنے اہل کے ساتھ کام میں شریک ہوتے، گھر کا کام خود بھی کرتے تھے اور آپ کے گھر میں کام ہی کیا ہوتا بکریوں کا دودھ دوہنا، جھاڑو لگانا، صفائی کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں کو بھی ضرورت کے وقت خود کر لیتے تھے، بعض لوگ تو بیوی کو نوکرانی اور باندی بنا کر رکھتے ہیں، باندی جیسا سلوک کرتے ہیں، لکڑی ڈنڈے سے خبر لیتے ہیں۔ غصہ میں کہتے ہیں حرام زادی! ابتک کام نہیں کیا، شرم نہیں آتی ابھی حرام زادی کہہ رہا ہے تھوڑی دیر بعد بیوی بنا تا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو شریک حیات بنایا ہے اس کے حقوق مقرر کئے ہیں، اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا چاہئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی حکایت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کا کام خود بھی کر لیتے تھے اس مناسبت سے فرمایا کہ آج کل طلبہ گھر کا کام بالکل نہیں کرتے، اس میں عار سمجھتے ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے والد صاحب کسان تھے، کبھی ہل بھی جوتا کرتے تھے اور مولانا محمد قاسم صاحب گھر سے کھانا لے کر اپنے باپ کے لئے کھیت جاتے تھے ان کے باپ فرماتے قاسم! جتنی دیر میں کھانا کھاتا ہوں تم ہل جوتو، چنانچہ وہ آرام سے کھانا کھاتے اور مولانا محمد قاسم صاحب ہل جوتا کرتے تھے، یہ ہیں مولانا محمد قاسم صاحب! اور طلبہ کا حال یہ ہو گیا کہ اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ادھر ادھر سیر تفریح کر رہے ہیں، دعوتیں کھا رہے ہیں، بوڑھا باپ سر پر گٹھر لاد کر لا رہا ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں شرم نہیں آتی۔

برکت کی جگہ مقصود بالذات نہیں

جَاءَ هَا نُوْدِیَ ان بُوْرِکَ .... وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

برکت کے بعد فوراً سبحان اللہ فرمادیا کیونکہ عام طور سے جہاں برکت ہوتی ہے لوگ اس جگہ ہی کو مقصود بالذات سمجھنے لگتے ہیں، اسی واسطے سبحان اللہ کہہ دیا کہ فوراً اللہ کی طرف ذہن منتقل ہوجائے، اسی جگہ کو مقصود اور معبود نہ بنالے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو سب کچھ سمجھے۔

یا اس واسطے کہہ دیا کہ کہیں لوگ حلول کے قائل نہ ہوجائیں کیونکہ جس جگہ سے آواز آرہی تھی خطرہ تھا کہ آگے چل کر اسی جگہ میں حلول کے قائل ہوجاتے اور کفر وشرک میں مبتلا ہوجاتے اس لئے فرمادیا کہ سبحان اللہ! یعنی اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے۔

اللہ کی تربیت کا انداز

یَا مُوْسیٰ لَا تَخَفْ .

اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی تربیت فرمائی ہے کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں، اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے وہ ہر ایک کی تربیت اس کی شان اور اس کے حال کے موافق کرتا ہے، نبی کی تربیت اس کی شان کے مطابق اور ولی کی اس کی شان کے مطابق کرتا ہے۔

امتحان اور مناظرہ کی تیاری پہلے سے کرنا چاہئے

وَاَلْقِ عَصَاکَ .

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ک اے موسیٰ اس عصا (لاٹھی) کو ڈال دو، چونکہ اس عصا

سے فرعون کے مقابلہ میں کام لینا تھا اور اسی کے ذریعہ سے مقابلہ کرنا تھا اگر اک دم سے اچانک ایسے حالات پیدا ہوتے تو شاید موسیٰ علیہ السلام گھبرا جاتے اس لئے پہلے سے اس کی مشق کرادی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر امتحان ہونا ہو یا کسی سے مقابلہ کرنا ہو، یا مناظرہ کرنا ہوتو اس کی تیاری اور مشق پہلے سے کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ بغیر تیاری اور مشق کے میدان میں کود پڑے۔

اللہ تعالیٰ کو جن بندوں سے کام لینا ہوتا ہے اس کے مطابق پہلے ہی سے ان کو مشق کرادیتا ہے۔

بشری تقاضوں سے انبیاء بھی خالی نہیں ہوتے

وَلّٰى مُدْبِرًا. موسیٰ علیہ السلام نے اژدہے کو دیکھا تو ڈر گئے اور ڈر کی وجہ سے بھاگنے لگے، مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اور نبی بھی بشری تقاضوں اور انسانی خواص سے خالی نہیں ہوتے، ان کے اندر بھی یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔

''جَــانٌّ'' اس سانپ کو کہتے ہیں جو دبلا پتلا، پھرتیلا، تیز چلنے والا ہو، دوسری جگہ ''ثُــعْبَــانٌ'' کا لفظ آیا ہے اور ثعبان اس سانپ کو کہتے ہیں جو بہت بڑا موٹا ہو کر تیز سے چل بھی نہ سکتا ہو، تطبیق کی شکل یہ ہے کہ وہ سانپ موٹا اور بڑا تو تھا اژدہے کی طرح اور تیز چلنے دوڑنے میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا۔

اصلاح کی کوشش برابر کرتے رہنا چاہئے

فِيْ تِسْعِ آيَاتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ.

اللہ کی سنت یہی بتلاتی ہے کہ اگر کسی کے اندر کوئی گمراہی اور قصور پایا جائے تو اس کی اصلاح کی کوشش اور تدبیر اختیار کرنا چاہئے، ایک نہیں دوسری، دوسری نہیں

تیسری، جوبھی تدبیر مناسب ہوانفرادی یااجتماعی سب طرح کی تدبیریں کرنا چاہئے۔

تکبر سے بچنے کی آسان تدبیر

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْن . بےشک یہ اللہ تعالیٰ کافضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس کو جوبھی نعمت دی ہو،اور جس قسم کی بھی نعمت ہو،علم ہو،عمل ہو،فضل وکمال ہو،فہم ہوتقویٰ ہو،ذکروشغل،عبادت وتلاوت،لوگوں کا رجحان اور حسن ظن یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں،اسی طرح اللہ اگر کسی کو مال دے اور وہ اللہ سے غافل نہ کرے تو وہ مال بھی اللہ تعالیٰ کاانعام ہےاور یہ بھی ایک نعمت ہے۔

ان سب چیزوں کی اپنی طرف نسبت نہ کرے محض اللہ کا فضل اور اس کا احسان سمجھےاپنی طرف ذہن ہی نہ جائےتو کبھی تکبر پیدانہیں ہوسکتا۔

کسی نعمت پراترانانہیں چاہئے بلکہ اس کواللہ کافضل واحسان سمجھنا چاہئے

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْن . بےشک یہ اللہ تعالیٰ کافضل ہے۔

حضرت داؤداور حضرت سلیمان علیہما السلام کواللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے انعامات سے نوازا تھا،جن وانس کالشکران کے تابع کردیا،پرندوں کی زبان اور بہت سےعلوم عطافرمائے،لیکن ان سب انعامات کواللہ کی طرف منسوب فرمایا کہ سب کچھ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے،اسی کافضل اوراسی کااحسان وکرم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کوکوئی علم یاکسی اورنعمت سے نوازیں تواس پر اترانانہیں چاہئے،تکبر نہ کرے،اس کواپنا کمال نہ سمجھے بلکہ یوں سمجھے کہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے،سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے وہ چاہےتو چھین بھی سکتا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو کیسی عظیم الشان سلطنت نصیب فرمائی تھی کہ جنات بھی ان کے تابع، ہوا بھی ان کے لیے مسخر، پرندے بھی ان کی ماتحتی میں اوران سب کی زبان بھی آپ جانتے تھے، سب کچھ اللہ نے ان کو دے رکھا تھا لیکن ان سب کے باوجود کبھی تکبر نہیں کیا، اترائے نہیں، بلکہ ساری نعمتوں کو اللہ کی طرف منسوب کیا اوراسی کا فضل واحسان سمجھا، اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ کسی کے پاس کیسی ہی بڑی دولت ہواس کو چاہئے کہ وہ اترائے نہیں محض اللہ کا فضل سمجھے، یہ نہ سمجھے کہ ہم اس کے مستحق تھے بلکہ یہ خیال کرے یہ تو اللہ کا فضل اوران کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو یہ نعمت نصیب فرمائی ورنہ ہم اس کے مستحق کہاں تھے، "وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ" اللہ تعالیٰ نے ہر چیز عطا کی یعنی ہر وہ چیز جو آپ کی ضرورت کی اورآپ کے حال کے مناسب تھی وہ سب چیزیں عطا کیں۔

مصیبت میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ الخ

اللہ نے جو نعمتیں دے رکھی ہیں ان کا شکر کرنا چاہئے، جب نعمتوں پر شکر ہوگا تو اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اوراضافہ فرمائے گا، نعمت ہو تو شکر کرے، مصیبت آئے تو صبر کرے، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ نعمت ہو تو اس کا شکر نہیں کرتے، مصیبت آئے تو جزع فزع کرنے لگتے ہیں، مصیبت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے، ہر مصیبت کے وقت اس کا استحضار ہونا چاہئے کہ اس سے بڑی مصیبت نہیں آئی، صرف کان ہی میں درد ہے، ہاتھ پیر میں درد تو نہیں، ہم تو اس سے زیادہ بڑی مصیبت کے مستحق تھے اللہ نے چھوٹی ہی مصیبت دی ہے، عین مصیبت کے وقت بھی اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک غار میں لوگوں نے ان کو ڈالدیا تھا، ایک ایک عضو کٹ کٹ کر گر رہا تھا لیکن زبان سے الحمد للہ، سبحان اللہ جاری تھا، ایک صاحب کا ادھر سے

گذر ہوا تو دریافت کیا کہ کس بات پر سبحان اللہ، الحمد للہ کہہ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ زبان باقی ہے جس سے اپنے پروردگار کا نام لیتا ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ مصیبت میرے جسم پر ہے ایمان باقی ہے، اس نعمت پر شکر ادا کر رہا ہوں۔

نیز یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ادنی سے ادنی مصیبت میں تو ثواب کا وعدہ ہے، ذرا ذرا سی بات میں اجر ملتا ہے، کانٹا لگ جائے تو ثواب ملتا ہے، یہاں تک لکھا ہے کہ جیب میں کوئی سامان رکھا تلاش کے باوجود نہیں ملا، دوسری جیب میں دیکھنا پڑا اس تلاش کرنے میں جو الجھن پریشانی ہوئی اس پر بھی اجر وثواب ملتا ہے، چراغ گل ہو جائے اس پر بھی ثواب ملتا ہے، پھر اگر دل پر آرے چلیں تو کیا اس پر صبر کرنے سے ثواب نہ ملے گا۔

شکر کی توفیق ہونے کی اہم دعاء

رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ.

(ترجمہ) اے میرے رب! مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی اُن نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں، اور اس پر بھی مداومت دیجئے کہ میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمتِ خاصہ سے اپنے اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں داخل کیجئے۔

یہ ایک دعا ہے اس کو مانگنا چاہئے اس کی برکت سے اللہ کا شکر کرنے کی توفیق ہوگی۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ والدین کا اچھی حالت میں ہونا اور ان پر نعمت ہونا، یہ ہمارے لئے بھی نعمت ہے، اس کا بھی شکر ادا کرنا چاہئے۔

عمل صالح کا معیار

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضٰاهُ:

اس سے معلوم ہوا کہ عمل صالح اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو پسند کرلے، اللہ کو اچھا معلوم ہو خواہ ہم کو اچھا لگے یا نہ لگے، ہمارا جی لگے یا نہ لگے، اور ہم کہتے ہیں کہ نماز میں ہمارا جی نہیں لگتا اس کی شکایت کرتے پھرتے ہیں گویا عمل صالح وہ ہوا جو ہم کو اچھا لگے اور جس میں ہمارا جی لگے، ارے عمل صالح تو وہ ہے کہ بس اللہ کو اچھا لگے اور اللہ کو اچھا اس وقت لگے گا جب سنت کے مطابق ہو، خواہ ہم کو اچھا لگے یا نہ لگے اور جی چاہے یا نہ چاہے۔

صحبت صالح اور نیک بندوں میں شامل ہونے کی اہمیت

اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِکَ فِيْ عِبَادِکَ الصَّالِحِيْنَ.

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیسے کیسے انعامات سے نوازا تھا، کسی چیز کی کمی نہ تھی اور کون سی چیز تھی جو آپ کے پاس نہ تھی اللہ نے سب کچھ دے رکھا تھا، دولت کا خزانہ تھا، مخلوق ان کے تابع تھی، سب پر اُن کی حکومت تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگ رہے ہیں ''اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِکَ فِيْ عِبَادِکَ الصَّالِحِيْنَ''. اے میرے رب! مجھ کو نیک بندوں میں داخل فرمالیجئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیک بندوں میں شامل ہونا بہت بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس سے نیک صحبت کی قدر معلوم ہوتی ہے، نیک صحبت بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چیونٹیوں کا واقعہ

حَتّٰی اِذَآاَتَوْاعَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یٰاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ ،لَایَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمَانُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَایَشْعُرُوْنَ:

(ترجمہ) یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تم کو سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر چلا آرہا تھا چیونٹیوں کی سردار چیونٹی نے تمام چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا ہے کہیں تم کو پیس نہ ڈالے۔

چیونٹی کو قوت شامہ، باصرہ، سامعہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ بہت دور کی چیزوں کو دیکھ لیتی ہے، سن لیتی ہے اور بہت دور کی خوشبو سونگھ لیتی ہے، ابھی یہاں پر ایک چیونٹی بھی نہیں ہے مٹھائی کا ڈبہ رکھ دو دیکھو بھاگی چلی آئیں گی، حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر بہت دور سے آتا دیکھ کر چیونٹی کی سردار نے سب کو اندر گھس جانے کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو یہ آواز پہنچادی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوراً لشکر کو روک دیا، لشکر ٹھہر گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کا مکالمہ بھی ہوا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی سے فرمایا کہ تم کو میرے متعلق ایسا گمان کہ میں ظلم کروں گا، میرا لشکر تم کو پیس دے گا، چیونٹی نے عرض کیا حضور ہم نے آگے اور بھی تو کہا کہ سلیمان کا لشکر تم کو پیس نہ ڈالے اور ان کو پتہ بھی نہ چلے، یعنی لاعلمی میں کہیں کچل نہ دے۔

جو اللہ تعالیٰ چیونٹی کی مدد کر سکتا ہے اور چیونٹیوں کو بچانے کے لئے پورے لشکر

کو روک سکتا ہے، کیا وہ اللہ انسان کی مدد نہیں کرسکتا ہے؟ لیکن یہ انسان پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق تو جوڑے، اس کے بس میں جتنا ہے کم از کم اتنا تو کرے، پھر دیکھو اللہ کی مدد آتی ہے یا نہیں۔

اللہ کی مخلوق کے ساتھ نرمی کرنے کی اہمیت

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سن کر اس پر ترس کھایا اور فوراً لشکر کو روک دیا، یہ ہے مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور شفقت، مخلوق کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوتا ہے، اس سلسلہ میں بزرگان دین کے بہت سے واقعات ہیں، بہتوں کو صرف اسی مخلوق کے ساتھ نرمی و ہمدردی کا برتاؤ کرنے سے ولایت نصیب ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اس کو جو ادا پسند آجائے اسی کی بدولت نواز دے، اور اصل بات یہ ہے کہ جب دینا ہوتا ہے تو اس کے ہزار بہانے ہوتے ہیں البتہ اس کا ذریعہ کوئی خاص واقعہ ہوتا ہے، ورنہ جس کو دینا ہوتا ہے اس کو مل کر ہی رہتا ہے، اس عمل کی اہمیت کو بتلانے کے واسطے اس عمل کو ذریعہ اور واسطہ بنا دیا جاتا ہے، چنانچہ ایک بزرگ کو چیونٹی کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے نتیجہ میں ولایت ملی تھی، وہ قصہ یہ ہے۔

ایک بزرگ اور چیونٹی کا قصہ

ایک بزرگ کسی ضرورت سے بازار سودا لینے گئے، شکر بھی خریدی اور گھر واپس آگئے، گھر آکر جب سامان کھول کر دیکھا تو اس میں چیونٹی تھی، ان کو اس کا بہت صدمہ ہوا کہ یہ چیونٹی یہاں بیچاری اکیلی آگئی، اس کے ساتھی اس سے چھوٹ گئے، یہاں اس کا کوئی نہیں، اس بات کا ان کو بہت افسوس اور خیال ہوا، چنانچہ اس چیونٹی کو لے کر پھر

اُسی دکان پر گئے اور اس کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے، اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت پسند آئی اور اسی عمل کی بنا پر ان کو بزرگی اور ولایت نصیب فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بندہ کا جیسا معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوگا، اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، حضرت جنید بغدادیؒ کے بھی اسی قسم کے واقعات ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کو ولایت کیسے ملی؟

والدین کی خدمت کا ثمرہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ والدین کی خدمت کے نتیجہ میں اللہ نے ان کو یہ مقام نصیب فرمایا، ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ان کی والدہ نے پانی طلب کیا، آپ پانی پلانے کے لئے تشریف لے گئے، آنکھ لگ گئی، جگانا مناسب نہیں سمجھا، پانی لئے کھڑے رہے کہ جب والدہ کی آنکھ کھلے گی اس وقت پلادوں گا، پوری رات اسی طرح گذر گئی، والدہ نے ان کو دعا دی اللہ پاک نے قبول فرمائی اور اتنا بڑا مرتبہ نصیب فرمایا۔

مہمانوں کی خدمت سے بھی بزرگی ملتی ہے

بعض لوگ دوسرا قصہ بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو یہ مقام نصیب فرمایا تھا، وہ یہ کہ ایک مرتبہ ان کے یہاں مہمان آئے ہوئے تھے، در میں دروازے تھے نہیں، کھلا دروازہ تھا، جس سے ٹھنڈی ہوا آرہی تھی، سردی کا موسم تھا، مہمانوں کو تکلیف ہورہی تھی اور آڑ و پردہ کے لئے کوئی چیز نہیں تھی، جس کے ذریعہ اس کو بند کردیتے، چناں چہ خود ہی دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور رات بھر کھڑے رہے، اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند آئی اور اس کے نتیجہ میں آپ کو یہ قرب اور بلند مقام نصیب ہوا۔

سادات کے ساتھ خیر خواہی کا ثمرہ

بعض لوگوں نے ایک قصہ اور بھی بیان کیا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بلند مقام نصیب فرمایا، وہ یہ کہ آپ بہت بڑے شاہی پہلوان تھے، شاہی دربار میں رہتے تھے، بادشاہ کو ان کی پہلوانی اور بہادری پر فخر تھا، اور وہ لوگوں سے مقابلہ کرواتا تھا، ان کی ٹکر کا کوئی پہلوان نہ تھا، جتنے کشتی لڑتے سب آپ سے ہار جاتے تھے۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ کشتی کا اعلان ہوا، جس میں پہلوانوں میں کشتی کا مقابلہ ہوتا ہے، بڑے بڑے پہلوان میدان میں اترے؛ لیکن حضرت جنید بغدادیؒ کے مقابلہ میں کوئی میدان میں نہ آیا؛ البتہ ایک دبلا پتلا کمزور شخص میدان میں آیا اور آگے بڑھ کر حضرت جنید بغدادیؒ سے ہاتھ ملا لیا، بڑے بڑے پہلوان تو آپ کے سامنے ٹکتے نہ تھے، اور یہ دبلا پتلا آدمی کیا کر سکتا تھا؛ لیکن اس نے ہاتھ ملا لیا اور سارا مجمع بڑی حیرت اور تعجب میں تھا، کشتی شروع ہوئی، اس شخص نے چپکے سے کان میں کہا کہ میں سید ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا ہوں، غریب ہوں، پریشان حال ہوں، میری جوان لڑکیاں ہیں، اگر تم ہار جاؤ تو میرا کام بن جائے گا، چناں چہ حضرت جنیدؒ ایک دو مرتبہ تو آگے پیچھے ہوئے، اور تیسری مرتبہ خود ہی گر پڑے؛ لیکن لوگوں نے مانا نہیں اور کہا کہ پھر سے کشتی ہوگی، بادشاہ کو بھی غصہ آیا کہ شاہی پہلوان کیسے ہار جائے؟ اس میں اس کی توہین تھی۔ الغرض دوبارہ کشتی ہوئی، پھر آپ گر گئے، تیسری مرتبہ پھر کشتی ہوئی تالی پٹ گئیں اور ایک کہرام مچ گیا، اور سید زادہ کا بول بالا ہو گیا، بہت انعام ملا، بادشاہ نے جو انعام مقرر کیا تھا وہ بھی ملا اور جنید بغدادیؒ کی بڑی رسوائی ہوئی، لوگوں نے بہت برا بھلا کہا، بادشاہ کے پاس حاضری ہوئی، بادشاہ نے بھی

ملامت کی کہ تم نے میری ناک کٹوادی، آپ نے فرمایا کچھ بھی ہو، اس نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی جس کی وجہ سے مجھے سب کچھ برداشت ہے۔ بعد میں بادشاہ کو جب پورے قصہ کا علم ہوا تو بادشاہ کے نزدیک آپ کی قدر اور بڑھ گئی اور پہلے سے زیادہ آپ کو اعزاز بخشا، اور اللہ تعالیٰ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس کی وجہ سے اتنا اونچا مقام نصیب فرمایا، اور آپ کو ایسی عزت ملی کہ آج تک آپ کا نام روشن ہے، اگر آپ پہلوان ہی رہتے تو آج کوئی ان کو جانتا بھی نہیں، اور آج ساری دنیا آپ کو جانتی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ تم نے ہمارے محبوب کی اولاد کے سامنے اپنے کو ذلیل کیا ہم قیامت تک کے لئے تم کو عزت دیتے ہیں، جب آدمی دوسروں کے نفع کے واسطے اپنے کو ذلیل کرتا ہے اللہ پاک اس کو عزت نصیب فرماتا ہے، اور یہ سب تو بہانے ہوتے ہیں، ورنہ جب کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے تو دے ہی دیتا ہے، گو کسی بہانے سے دے، لیکن صرف اس عمل کی اہمیت اور اس کو نمایاں کرنے کے لئے اس عمل کو ذریعہ بنادیا جاتا ہے؛ تاکہ اس کی فضیلت ظاہر ہوجائے۔

ذمہ دار کو چاہئے کہ اپنے ماتحتوں کی حفاظت وآرام کا انتظام کرے

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر دیکھ کر چینٹیوں کی ملکہ نے کہا کہ اے چینٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ، سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا ہے، کہیں تم کو کچل نہ دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر ذمہ دار کو چاہئے کہ اپنے ماتحتوں کی حفاظت کا خیال رکھے، ان کو بچانے اور آرام پہنچانے کی کوشش کرے، اپنی رعایا کے ساتھ اچھا

سلوک کرے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ایک چیونٹی اپنے ماتحت اور رعایا کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہے، ان کی حفاظت اور آرام پہنچانے کا اتنا خیال رکھتی ہے؛ لیکن یہ انسان انسان ہوکر دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، طرح طرح کی اسکیمیں بنتی ہیں، ایک اسکیم یہ بنائی گئی ہے کہ سو کماؤ تو اسّی ہم کو دو، بیس خود رکھو، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ کیسا اندھیر مچا رکھا ہے، اللہ ہی ان کو ہدایت دے۔

ذمہ داری کا احساس اور اس کی اہمیت

اُدْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ: چیونٹیوں کی سردار نے سلیمان علیہ السلام کا لشکر دیکھ کر تمام چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذمہ دار کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے، ہر وقت چوکنا اور اپنی رعایا کی دیکھ بھال کرتے رہنا چاہئے، ان کو ہلاکت و بربادی اور نقصان سے بچانے کی تدبیریں کرنا چاہئے؛ لیکن آج یہ بات مفقود ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک چیونٹی کو تو اپنی ذمہ داری کا اس قدر احساس اور اپنے ماتحتوں کی حفاظت کا اتنا خیال اور ہم کو باوجود یکہ ہم انسان ہیں، اپنی ذمہ داری کا کچھ بھی احساس نہیں۔ جب سردار، حاکم اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہے، رعایا کی دیکھ بھال کرتا ہے، تب مخلوق اور اس کی رعایا چین وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے، اور اگر حاکم و بادشاہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہ ہو، رعایا کی راحت کا لحاظ نہ ہو تو حاکم تو آرام سے رہے گا؛ لیکن رعایا چین سے زندگی بسر نہیں کرسکتی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا حال

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حال سب کو معلوم ہے، کس قدر ذمہ

داری کا احساس تھا، اوران کے زمانہ میں کس طرح عدل وانصاف قائم تھا کہ بھیڑیا اور بکری بھی ایک گھاٹ پر پانی پیا کرتے تھے، اوراگر ذمہ داری کا احساس نہ ہوتو پھر جس قدر بھی فتنے ہوں کم ہیں۔

حضرت اقدسؒ کے بعض رشتہ داروں کا حال

ہمارے خاندان میں بعض لوگ ایسے گذرے ہیں جو ذمہ داری کا پورا احساس کرتے تھے، میرے پھوپھا جان کو برٹش گورنمنٹ کی طرف سے ذمہ دار بنایا گیا تھا، وہ چوکیدار کو لے کر رات بھر گشت کرتے تھے، ان کے دور میں یہاں چوری نہیں ہوئی، ہر طرح سکون رہا، ذمہ داری کا احساس جس کو ہوجائے اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ راتوں کی نینداس کی اڑ جاتی ہے۔

حضرت اقدسؒ کی باندہ کی ایک کمیٹی میں شرکت

اسی ضمن میں فرمایا کہ بندیل کھنڈ اوراس میں خاص طور پر باندہ کا علاقہ بہت بدنام ہے، آئے دن قتل وغارت گری، فتنہ فسادو لوٹ مار کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، کافی عرصہ قبل یہاں ایک کلکٹر آیا تھا، اس نے واقعی چاہا تھا اور کوشش کی تھی کہ علاقہ میں سدھار ہو، فتنہ فساد ختم ہو، امن وامان قائم ہو، اس کے لئے اس نے ایک جلسہ کیا جس میں بڑے بڑے لوگوں کو اس نے بلایا تھا، کہ اس کی کیا تدبیر ہو کہ یہاں کے حالات درست ہوں، مجھے خاص طور پر بلایا تھا، اس وقت میں نے مختصر تقریر کی تھی، اس میں یہی بات کہی تھی کہ اگر ذمہ دار حضرات اپنی ذمہ داری کا احساس کرلیں تو آج بھی امن وامان قائم ہوسکتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ جو بڑے اور ذمہ دار قسم کے لوگ ہیں وہ اس فکر کو اوڑھ لیں اوران کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوجائے، بڑا بننے کا مقصد یہ نہیں

ہے کہ ہم آرام سے زندگی بسر کریں؛ بلکہ بڑے بنے ہیں اس واسطے؛ تا کہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں، اور اس کے مطابق کام کریں تو امن ہو جائے گا، اور یہ سارے فتنے ختم ہو جائیں گے، آج جو سارے ملک میں فساد برپا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا جارہا ہے، جب حکام فتنہ پردازوں کی حمایت کریں گے تو فساد کیسے ختم ہو سکتا ہے؟؟؟۔

ماتحت کو بغیر اجازت کے نہیں جانا چاہیئے

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَا اَرٰى الْهُدْ هُدَ.

(ترجمہ) اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی تو ہُد ہُد کو نہ دیکھا، فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد پرندہ کو اپنے لشکر سے غائب پایا تو فوراً اس کی خبر لی کہ کہاں غائب ہو گیا؟۔

ایک بات اس سے معلوم ہوئی کہ چھوٹوں کو اپنے بڑوں اور اپنے نگراں کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جانا چاہیئے، اگر کہیں جانا ہو تو اجازت لے کر، چھٹی لے کر جائے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی حکایت

موقع کی مناسبت سے حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں، میں کثرت سے جایا کرتا تھا، ہمارے حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ وہاں جاتے رہا کرو، اور یہ بھی فرمایا کہ کہہ دینا کہ اس نے کہا ہے کہ وہاں جایا کرو، چنانچہ میں نے الہ آباد جا کر حضرت سے یہی کہا، حضرت اس سے بہت خوش ہوئے، اس زمانہ میں منو بھائی کی بسیں باندا سے الہ آباد جایا

کرتی تھیں اور میرا کرایہ لگتا نہیں تھا اس لئے کثرت سے جایا کرتا تھا، اور اس وقت ٹرک بھی بہت چلا کرتے تھے، اس زمانہ میں باندا کے بازار میں غلہ بہت آتا تھا، یہاں سے دوسرے مقامات پر جاتا تھا جس کی وجہ سے ٹرک کی آمد و رفت بہت تھی، موقع پر بس نہیں ملتی تو ٹرک ہی سے جایا کرتا۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ فتح پور، ضلع اعظم گڑھ میں ایک گاؤں ہے وہاں کے رہنے والے تھے، مسجد خانقاہ وہیں بنالی تھی، مکان بھی تھا اور اب بھی ہے، وہاں اہل بدعت کافی ہیں، حضرت کے مخالفین بھی بہت تھے لیکن حضرت سب کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، بدعتیوں کی مدد بھی کرتے تھے اور ہمیشہ ان کے ساتھ خیر خواہی کرتے تھے، ایک مرتبہ آپس میں ان میں لڑائی ہوئی، رپورٹ کردی گئی، اس میں مخالفین نے حضرت کا نام بھی لکھا دیا، حضرت کو اس سے بہت صدمہ ہوا۔

جتنے بھی اللہ کے بندے گذرے ہیں ہر ایک کے ساتھ ایسے حالات پیش آئے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے ”عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِي اِسْرَائِيْل“ کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے، کسی میں کوئی شان پائی جائے گی، کسی میں کوئی شان، کسی کو برادری اور خاندان والے پریشان کریں گے اور کسی کو بستی والے، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو بھی لوگوں نے بہت پریشان کیا، لوگوں نے آپ کے خلاف رپورٹ کردی، مقدمہ بھی قائم ہوا، آپ کو بہت صدمہ ہوا، حضرت نے فیصلہ کرلیا کہ فتح پور میں اب رہنا ہی نہیں، گورکھپور والوں کو جب معلوم ہوا تو ان لوگوں نے درخواست کی کہ آپ یہیں تشریف لے آیئے، ہمارے یہاں قیام کیجئے، چنانچہ آپ نے وہیں رہنے کا فیصلہ فرمایا، گاڑی لینے آئی تھی، چنانچہ آپ گورکھپور

[1] قال السخاوی: لاأصل له ولايعرف فی كتاب معتبر (ملخصاً) المقاصد الحسنه ص ۲۸٦

رہنے لگے، میں گورکھپور بھی جایا کرتا تھا، حضرتؒ کے علاقہ کے حکّام تھانیدار وغیرہ سب جانتے تھے کہ یہ سب شرارت ہے، محض پریشان کرنے کے لیے رپورٹ لکھادی ہے، تھانیدار نے شاہ صاحب کا نام کاٹ دیا، دوسرے لوگوں کا باقی رہا، لیکن مقدمہ برابر چلتا رہا، مقدمہ کی پیروی کے لئے ایک حکیم صاحب کو حضرت نے مقرر فرمایا تھا، حکیم صاحب جاکر پیروی فرماتے اور پوری رپورٹ سناتے، حضرت کرایہ دے کر صرف اسی کام سے ان کو بھیجا کرتے تھے اور واپسی کا شدت سے انتظار رہتا تھا، ایک مرتبہ حکیم صاحب کو بھیجا اور جلدی آنے کی تاکید کردی، اب حضرت برابر انتظار کررہے ہیں کہ اب آتے ہوں گے، بڑی شدت اور بے چینی کے ساتھ انتظار کیا، شام ہوگئی اور انتظار برابر ہورہا ہے، حضرت کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی کہ معلوم نہیں کیا خبر لاتے ہیں، انتظار ہی تھا کہ اتنے میں کسی نے آکر خبر دی کہ حکیم صاحب آج نہیں آئیں گے، وہ کسی کام سے گھر چلے گئے ہیں کل آئیں گے، چنانچہ دوسرے دن حکیم صاحب تشریف لائے، شاہ صاحب بہت ناراض ہوئے کہ اللہ کے بندے! تم کو اسی کام کے لیے بھیجا تھا برابر انتظار تھا تم کو معلوم نہیں ہے؟ وہ عذر بیان کرنے لگے کہ کچھ کام پیش آگیا تھا، میں نے سوچا کہ گھر کی بھی خیریت معلوم کرلوں، حضرت نے فرمایا میں اس کو نہیں کہتا رکاوٹ پیش آگئی تھی تو اطلاع تو کرنا چاہیے تھا، آکر پھر چلے جاتے، یہاں انتظار میں کتنی سخت بے چینی اور پریشانی ہوئی۔

یہ سب چیزیں معمولی نہیں، اخلاق اور معاملات کی گندگی یہی تو کہلاتی ہے، ایسا کوئی کام جس سے دوسرے کو الجھن اور پریشانی ہو، کیا یہ ناجائز نہیں ہے؟ مگر ان باتوں کو آج کل کون سوچتا ہے اور کون رعایت کرتا ہے، اور یہ سب باتیں حاصل ہوتی ہیں کسی اللہ والے کے پاس رہنے سے، کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے، جوتیاں

سیدھی کرنے سے نہیں بلکہ جوتیاں کھانے سے یعنی ان کی ڈانٹ اور سختی کو برداشت کرنے سے، ادب، سلیقہ، تہذیب اسی طرح آتا ہے، جو اس راہ میں قدم رکھتا ہے اس کو روک ٹوک کی جاتی ہے، تنبیہ کی جاتی ہے۔

ہمارے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

اس واقعہ کی مناسبت سے حضرت نے اپنا واقعہ طلبہ کی اصلاح کے لیے بیان فرمایا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ (یعنی حضرت اقدس کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ) آنکھ کے علاج کے سلسلہ میں سہارنپور سے سیتاپور تشریف لائے، مجھ کو اطلاع ہوئی، ادھر سے میں پہنچ گیا اور حضرت کے خدّام اور تلامذہ میں سے جس جس کو اطلاع ہوتی گئی آتا گیا، حضرت نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی، میں سیتاپور ہی میں تھا کہ باندا کے حاجی سعید خاں صاحب جن سے میرے پرانے گہرے تعلقات تھے اور وہ بھی حضرتؒ کے یہاں سہارنپور جاتے تھے ان کی لڑکی کا نکاح تھا اور ان کا اصرار تھا کہ نکاح میں ہی پڑھاؤں اور میں وعدہ بھی کر چکا تھا، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ایسی ایسی بات ہے، میں وعدہ کر چکا ہوں، انشاء اللہ نکاح پڑھا کر کل ہی فلاں ٹرین سے آجاؤں گا، حضرت نے اجازت دیدی، فرمایا بہت اچھا! چلے جاؤ، اتفاق سے نکاح میں دیر ہوگئی، میں بڑا پریشان تھا جس گاڑی سے جانا تھا وہ گاڑی بھی چھوٹ گئی اور یہ بھی خیال تھا کہ وہاں انتظار ہوگا، کوئی شکل سمجھ میں نہ آئی، میں نے فوراً یہاں سے تار کیا کہ یہ گاڑی چھوٹ گئی ہے اب اس کے بعد والی گاڑی سے حاضر ہوں گا، وہاں تار پہنچا ادھر ٹرین سے میں پہنچ گیا، میرے پہنچنے سے دس ہی منٹ پہلے تار پہنچا تھا، جب میں پہنچا تو میرا ہی ذکر ہو رہا تھا، تعریف ہو رہی تھی، حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ دیر سے آنے کی کوئی بات

نہیں لیکن تمہاری فہم اور سلیقہ مندی سے بہت خوشی ہوئی، مجھ کو تم سے ایسی ہی امید تھی، بہت خوشی کا اظہار فرمایا، گلے سے لگا لیا۔

نگراں کی ایک ذمہ داری

حاضری لینے کی ضرورت اور اس کا مقصد

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی مجلس میں ہدہد پرندہ کو نہ پایا تو فوراً دریافت فرمایا کہ ہدہد کہاں ہے؟ کیا موجود ہے اور میں دیکھ نہیں رہا؟ یا وہ مجلس سے غائب ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ نگراں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے ماتحتوں کی نگہداشت رکھے، اور ان کے بارے میں دریافت کرتا رہے کہ کون آیا؟ کون نہیں آیا؟ اس کی تحقیق کرے کہ کون کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ اور کیوں نہیں آیا؟ حاضری بھی لیتے رہنا چاہئے، اس سے حاضری لینے کا بھی ثبوت ہوتا ہے، اور صرف اتنی ہی بات نہیں؛ بلکہ اس کے جان لینے کے بعد اس کے جان و مال کی حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے، یعنی صرف حاضری لے کر نہ چھوڑ دے؛ بلکہ تفقد کرے، تفقّد کا مطلب صرف حاضری نہیں ہے؛ بلکہ اس کے نفع ونقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے حق میں جو بہتر ہو وہ معاملہ کرے، پہلے پوری تحقیق کرے کہ فلاں جگہ گیا تھا واپس کیوں نہیں آیا؟ کوئی بات پیش آ گئی ہوگی، بیمار پڑ گیا، ڈوب گیا، آخر کیا بات ہے؟ اگر ایسی کوئی بات ہو تو اس کا انتظام کرے، مریض ہو تو علاج کا انتظام کرے، اس کا ثواب علیحدہ ملے گا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف حاضری ہی مقصود نہ ہو؛ بلکہ اس کے نفع ونقصان کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے حق میں جو بہتر ہو، وہ معاملہ کیا جائے، غلطی ہو تو اس پر تنبیہ کرے، معقول عذر ہو تو

اس کا عذر تسلیم کرے۔ خلاصہ یہ کہ اس سے دو سبق ملتے ہیں: (۱) ایک ذمہ دار کا اپنے ماتحتوں کی نگرانی کرنا، حاضری لینا اور ان کی خبر گیری کرنا۔ (۲) دوسرے غیر حاضری پر تنبیہ کرنا۔

نگرانی نہ ہونے کے نقصانات

جب سے نگرانی ختم ہوئی حاضری بند ہوئی، اسی وقت سے تباہی آگئی، ملک کے اندر نگرانی بند ہوئی تو ملک میں فساد ہونے لگا، مدرسوں میں نگرانی اور حاضری بند ہوئی تو مدرسوں میں خرابیاں آگئیں، مدرسہ والوں کو دیکھنا چاہئے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ کون پڑھ رہا ہے؟ کون نہیں پڑھ رہا ہے؟ درجہ میں حاضری بھی لینی چاہئے، اگر کوئی سبق میں نہیں آیا تو اس کی وجہ معلوم کی جائے کہ کیوں نہیں آیا؟ اور اسی کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے۔

الغرض ہر شخص اپنی ذمہ داری کا احساس کرے، حاکم ہے تو محکوم کی نگرانی کرے، پیر ہے تو مرید کی نگرانی کرے، استاذ ہے تو شاگرد کی نگرانی کرے، گھر کا بڑا اور ذمہ دار ہے تو اپنے ماتحتوں کی نگرانی کرے۔

غلطی کی نسبت اپنی طرف کرنی چاہئے

فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ: سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد پرندہ کو نہیں دیکھا تو یہ نہیں فرمایا کہ وہ غیر حاضر ہے، کہاں چلا گیا؛ بلکہ یہ فرمایا: **ما لی لا اری الهدهد** (مجھے کیا ہو گیا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟) میری نگاہ کا قصور ہے یا کیا بات ہے؟ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی بات پیش آجائے تو پہلے اپنی طرف نگاہ جانی چاہئے، غلطی کی نسبت پہلے اپنی طرف کرے، دوسرے کو اک دم سے بغیر تحقیق کے قصوروار نہ ٹھہرادے، جیسے سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو فوراً ملزم نہیں ٹھہرایا؛

بلکہ یہ فرمایا کہ کیا ہوگیا ہے کہ میں ہدہد کونہیں دیکھ رہا ہوں؟ یعنی ہوسکتا ہے کہ وہ موجود تو ہو؛ لیکن میں دیکھ نہ پا رہا ہوں۔

اور ایک بات اور بھی اس سے آگے کی ہے، میرا آدمی میری ماتحتی میں رہنے والا مجھ سے خفا تو نہیں ہوگیا، کیا بات ہے؟ میں اس کو کیوں نہیں دیکھ رہا ہوں؟ آیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے؟ یا میری نگاہ کا قصور ہے، میرا آدمی میری نگاہ سے کیوں غائب ہے؟ کیا اس کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچ گئی ہے؟

ایک مشفق استاذ کا حال

ایک استاذ کا قصہ ہے کہ جب کوئی شاگرد پڑھنے نہیں آتا تو خود اس کے پاس پہنچ جاتے، اس کے کمرہ پہنچ جاتے، اور پوچھتے کہ کیوں نہیں پڑھنے آئے؟ معقول عذر ہوتا تو وہیں جا کر اس کو پڑھا دیتے، کہاں تک کوئی نہ پڑھے گا، میں نے بھی اس طرح کیا ہے کہ بسا اوقات لڑکے پڑھنے نہیں آئے، تو خود ان کی قیام گاہ میں جا کر پڑھا دیا، گرمی اور دھوپ کی وجہ سے پڑھنے میں سستی کرتے تو کہہ دیتا کہ اچھا چلو یہیں ٹھنڈی ہوا میں پڑھ لو، اسی میں وہ پانی پانی ہوجاتے، کہاں تک عذر کرتے اور کب تک نہ پڑھتے؟ لیکن اب لڑکے زیادہ ہوگئے ہیں، کوئی کہیں رہتا ہے کوئی کہیں، اس لئے اب نہیں ہو پاتا، ورنہ پہلے تھوڑے لڑکے ایک ساتھ رہتے تھے، جہاں چاہا پڑھا دیا، جب چاہا بلا لیا۔

شہر باندہ سے نومیل کے فاصلہ پر بس سے اتر کر مدرسہ ہتھورا تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر پیدل جانا پڑتا ہے، جس جگہ بس رکتی ہے وہ جگہ باندہ سے نومیل کے فاصلہ پر ہے، اس لئے اس کو نومیل ہی کہا جانے لگا۔ نومیل میں میں نے بہت سے اسباق پڑھائے ہیں، پیدل سفر ہوتا تھا طلبہ کو ساتھ لے لیتا ان کے اسباق بھی ہوتے رہتے تھے۔

نظام درست رکھنے کے لئے مجرم کو سخت سزا دینا

سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد کو غیر حاضر پایا تو فرمایا کہ میں اس کو سخت قسم کی کڑی سزا دوں گا، اس کو ذبح کر ڈالوں گا؛ کیوں کہ ہدہد نے ایسا جرم کیا تھا جس سے نظام میں گڑ بڑی پیدا ہوتی کہ جس کا جو جی چاہے کرے، جی چاہے آئے جی نہ چاہے تو نہ آئے، اس سے سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، نظام کو درست کرنے کے لئے سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے۔

غصہ کے وقت غصہ آنا کوئی بری بات نہیں

غصہ کے وقت غصہ آنا کوئی بری بات نہیں، اور غصہ نہ آنا کوئی کمال نہیں، غصہ والی بات میں غصہ آنا ہی چاہئے؛ اس لئے سلیمان علیہ السلام نے غصہ میں اس کو سخت دھمکی دی، اور یہ صرف اس واسطے، تاکہ نظام مختل نہ ہو اور آئندہ کسی کو ایسا جرم کرنے کی ہمت نہ پڑے، دوسروں کو اس سزا سے عبرت ہو، اور ہمیشہ کے لئے دروازہ بند ہو جائے اور آئندہ کوئی ایسی غلطی کی جرأت نہ کرے۔

طلبہ کی غیر حاضری پر تنبیہ

اس پورے قصہ سے معلوم ہوا کہ طلبہ کی بھی حاضری لینی چاہئے، اور جو طالبعلم غیر حاضر ہو اس کو سزا دینی چاہئے؛ تاکہ دوسرے طلبہ غیر حاضر نہ ہوں، حاضری کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے اور تنبیہ اسی واسطے کی جاتی ہے کہ نظام درست رہے، اور جہاں حاضری وغیرہ کا نظام نہیں ہے وہاں لڑکے غائب رہتے ہیں، پتہ نہیں چلتا کون آیا؟ کون نہیں آیا؟ لڑکوں میں آزادی آجاتی ہے، اس لئے حاضری ضرور لیتے رہنی چاہئے۔

حاکم ونگراں کوسزا دینے وتنبیہ کرنے کا حق

اس سے ایک بات اور نکلتی ہے، حاکم اور نگراں کوحق ہے کہ اس کی ماتحتی میں رہنے والے پورا کام نہ کریں یا کسی قسم کی کوتاہی کریں تو ان کوسزا دے، تنبیہ کرنے اور سزا دینے کا ان کوحق ہے، اوراس میں تنخواہ دار غیر تنخواہ دارسب برابر ہیں، جس کوتنخواہ نہیں ملتی وہ بھی اگر نگراں مقرر ہواس کی بھی یہی ذمہ داری ہے، جس کے ذمہ جوکام لگادیا جائے اور جن لوگوں کو ماتحت کردیا جائے اس کو چاہئے کہ ان کی پوری نگرانی اور دیکھ بھال کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کوگشت لگایا کرتے تھے، کسی کوکوئی حاجت ہوتی اس کی حاجت پوری فرماتے تھے، اس سلسلہ میں ان کے بہت سے واقعات بھی ہیں۔

بڑوں سے پوچھے بغیر خودرائی سے کوئی کام نہ کرنا چاہئے

حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد پراس وجہ سے ناراض ہوئے کہ اس نے بغیر پوچھے خودرائی سے کام کیوں کیا؟

اس سے معلوم ہوا کہ جوبھی کام کرے اپنے بڑوں سے پوچھ کرکرے، خودرائی کبھی نہ کرے، یہ بہت بڑا مرض ہے، خودرائی خواہ اچھی نیت سے ہو، خلوص اورمحبت کے جذبہ سے ہو؛ لیکن چوں کہ خودرائی ہےاس لئے مذموم ہے کیونکہ اس کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔

شاہ غلام بھیکؒ کا واقعہ

سہارن پورعلاقہ میں انبہٹہ میں ایک بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے، ان کے ایک مرید جن کا نام غلام بھیک تھا، یہ ضلع انبالہ کے ایک دیہات کے رہنے والے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کے ساتھ سہارن پورتشریف لائے،

سہارن پور کے حضرات جب حضرت شاہ ابوالمعالیؒ سے دعوت کے لئے کہتے تو فرماتے غلام بھیک سے بات کرو، کسی اور نے تو دعوت نہیں کی؟ جب وہ لوگ غلام بھیک سے دعوت کی بات کرتے تو فرماتے دعوت تو منظور ہے لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ کچھ کھانا جس کی مقدار وہ بیان کردیتے تھے، مجھے علیحدہ سے دینا ہوگا، اس کی وجہ آپ لوگوں کو نہ بتاؤں گا، وہ حضرات خوشی سے اس کو منظور کر لیتے کہ یہ تو ہماری سعادت ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کے گھر میں اکثر فاقہ ہوتا تھا، اور اسی واسطے غلام بھیک کھانا زیادہ پکواتے تھے، اور شیخ کی اطلاع کے بغیر چپکے سے روزانہ بلا ناغہ عشاء کے بعد سہارن پور سے انبہٹہ پیدل جاتے اور رات ہی رات کھانا دے کر واپس بھی آجاتے، اور تہجد میں شیخ کو وضو بھی کراتے، سہارن پور سے انبہٹہ تقریباً بیس میل ہے؛ لیکن ان کا یہ روز کا معمول تھا کہ رات کھانا لے کر جاتے اور واپس آجاتے، حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کئی دن کے بعد جب گھر واپس تشریف لے گئے، پوچھا کیسی گذری؟ فاقہ ہوتا ہوگا، ان کے گھر میں فرمایا کہ فاقہ کیسا؟ اب کی مرتبہ تو آپ نے بڑا خیال فرمایا، روزانہ کھانا غلام بھیک لاتے تھے اور ہم لوگ آسودہ ہو کر کھاتے رہے، شاہ صاحب نے غلام بھیک کو بلایا، پوچھا کہ تم کھانا لاتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا جی حضور! اور معذرت کی کہ حضرت جب گھر کا حال مجھے معلوم تھا کہ فاقے پر فاقے ہو رہے ہیں، پھر کیسے میرے پیٹ کے اندر لقمہ دھنس سکتا تھا؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے کام اگرچہ بڑے خلوص ومحبت اور ہمدردی کے جذبہ سے کیا؛ لیکن تم نے خود رائی کی، تم کو مجھ سے پہلے پوچھنا چاہئے تھا، یہ خود رائی بہت بڑا مرض ہے، چناں چہ شیخ نے تنبیہ کے واسطے ان کو نکال دیا۔

خود رائی جب ایک مرض ہے تو یہ اندر ہی اندر پکے گا یا نہیں؟ اندر ہی اندر بڑھے گا، ترقی کرے گا اور آگے چل کر کسی وقت بری شکل میں ظاہر ہوگا؛ اس لئے شیخ

نے ان کی اصلاح کے واسطے ایسا کیا؛ لیکن یہ خادم بھی ایسے نہ تھے کہ نکال دیا تو بس بھاگ جائیں، ان کو برا بھلا کہنا شروع کردیں، انتقام لینا شروع کردیں، آج کل کوئی ہوتا نہ معلوم کیا کرتا، لوگوں سے کہتا پھرتا کہ صاحب ان کے پیچھے میں نے زندگی کھپادی، اتنا سب کچھ کیا اور مجھے نکال دیا، پوسٹر شائع کرادیتا، اخبار میں نکلوادیتا، لیکن یہ وہیں در پر پڑے رہے، آس پاس پھرتے رہے، بارش کا موسم آیا، کچا مکان تھا، بارش کی وجہ سے اس کی چھت ٹپک رہی تھی، شاہ صاحب نے فرمایا کہ کاش! کوئی ہوتا اس کی مرمت کردیتا، ان کے گھر میں سے کہا کہ ایک تھا بھی تو آپ نے اس کو نکال دیا، شیخ نے فرمایا کہ میں نے نکالا ہے تم نے تو نہیں نکالا، میں نے اگر نکالا ہے تو تم بلالو، چناں چہ انہوں نے بلوا کر چھت درست کرنے کے لئے کہا، ان کی تو اب عید ہوگئی، یہ تو چاہتے ہی تھے، موقع کی تلاش میں تھے کہ کوئی بہانہ مل جائے، شاہ صاحب کو ابھی علم بھی نہ تھا، گھر میں کھانا کھا رہے تھے، پوچھا کہ یہ بَھد بَھد کی آواز کیسی ہے؟ گھر میں بتلایا کہ غلام بھیک چھت درست کررہا ہے، اسی وقت شاہ صاحب نے فرمایا کہ غلام بھیک آجاؤ، کھانا کھالو، اتنا سننا تھا کہ بے قابو ہوگئے، مارے خوشی کے چھت سے کود پڑے اور شیخ کے ساتھ کھانا کھایا، ساتھ کھانا کھانا تھا کہ اللہ نے کہیں سے کہیں ان کو پہنچایا، اور اس کے بعد ہزاروں کو ان سے فیض پہنچایا ہے۔

گھبراہٹ وخوف کی وجہ سے بے ادبی کا کلمہ نکل جائے تو درگذر کردینا چاہیئے

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ:

سلیمان علیہ السلام کی باز پرس کے وقت ہدہد نے عذر بیان کرنے کی کوشش

کی اور معذرت کے ساتھ عرض کیا کہ حضور والا! میں ایک ایک ایسی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کا علم نہیں، بظاہر یہ بے ادبی کا جملہ ہے۔

بعض وقت جب آدمی پریشان ہوتا ہے، پریشانی کے عالم میں جان بچانے اور خلاصی حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے کلمات نکل جاتے ہیں، اور اس کو اس طرف توجہ نہیں ہوتی؛ کیوں کہ اس کو تو اپنی جان بچانے کی فکر ہوتی ہے، جیسے ہدہد کے ساتھ یہاں پیش آیا۔ اسی طرح بسا اوقات شاگرد سے استاذ کے سامنے، چھوٹے سے بڑے کے سامنے گھبراہٹ میں کوئی بے ادبی ہوجاتی ہے، مثلاً یہی کہہ دے کہ آپ نہیں جانتے تھے، بات یوں ہے، گھبراہٹ کی وجہ سے اگر اس طرح کی بے ادبی ہوجائے تو درگذر کردینا چاہئے؛ لیکن اگر اس کا منشا لاپرواہی اور قصداً بے ادبی اور گستاخی کرنا ہو تو اس پر تنبیہ اور سرزنش کرنی چاہئے۔

جب عذر معقول ہو تو درگذر کردینا چاہئے

وَجِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍ الآیۃ:

سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب ہدہد کا مقدمہ پیش ہوا اور اس نے معذرت کی، نیز عذر معقول بیان کیا کہ میں ایک یقینی خبر آپ کے پاس لے کر آیا ہوں، سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات کو غور سے سنا اور قبول فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ گرفت تو سخت قسم کی ہونی چاہئے؛ لیکن اگر عذر معقول ہو تو قبول کرلینا چاہئے اور معاف کردینا چاہئے، اور آج کل یہ ہوتا ہے کہ غصہ اگر آ گیا تو پھر کوئی سنوائی نہیں، سزا پر سزا دئے چلے جاتے ہیں، اس سے فتنہ برپا ہوتا ہے، ہر ایک شریعت کا خیال رکھے اور اپنے کو پابند بنائے۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر واقعی کوئی غلطی کا اعتراف کرلے اور قرائن سے

اس کا نادم و پشیمان ہونا معلوم ہو جائے تو اب زیادہ چھیڑنا نہ چاہئے۔اب دوسرے انداز سے گفتگو کرنا چاہئے کہ اچھا کیا واقعہ ہوا تھا؟ کیا بات تھی؟ جیسے سلیمان علیہ السلام نے کیا تھا کہ شروع میں تو غصہ تھا اور بعد میں صیغہ ولہجہ سب بدلا ہوا تھا۔

تحقیق کے بعد ہی عذر قبول کرنا چاہئے

سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ:

سَنَنْظُرُ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے؛ کیوں کہ شاہانہ خطاب ہے، سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم تحقیق کریں گے ہدہد نے جو خبر دی ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ اس کا عذر واقعی ہے یا گڑھا ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ طالب علم یا کوئی بھی اگر عذر بیان کرے تو فوراً نہیں مان لینا چاہئے؛ بلکہ تحقیق کرنا چاہئے کہ آیا یہ عذر صحیح بھی ہے یا نہیں؟ طالب علم درجہ سے غیر حاضر ہے، عذر بیان کردیا کہ بخار ہے تو تحقیق بھی کرنا چاہئے کہ آیا واقعی بخار ہے یا نہیں، باندہ دوا لینے گیا ہے یا اور کوئی مقصد ہے؟ بخار ہے تو کمرہ میں لیٹا آرام کررہا ہے یا ہوٹل میں بیٹھے مٹھائی کھارہا ہے؟

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ نگراں کو ہوشیار چوکنا رہنا چاہئے، لوگوں کی چال بازیوں اور حیلوں سے بھی واقف ہو، یہ نہ ہو کہ جس نے جو عذر بیان کردیا فوراً قبول کرلیا، اس عذر کی تحقیق بھی کرے، لڑکے نے بیماری کی وجہ سے باندہ جانے کا عذر کیا فوراً تسلیم کرلیا، نہیں، اس سے پوچھے کہ رات کہاں ٹھہرے تھے؟ کون سے ڈاکٹر کو دکھلایا تھا؟ اگر وہ کہے کہ فلاں ڈاکٹر کو دکھلایا تھا، مرکز میں ٹھہرے تھے، تو اس سے کہے اچھا میں تحقیق کروں گا، تم سچ کہتے ہو یا جھوٹ۔

سلیمان علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا

آگے قصہ لمبا ہے، ہدہد پرندہ کی بات واقعی صحیح نکلی، اس نے ایک ایسی خبر دی جس کا علم سلیمان علیہ السلام کو نہ تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب کلی نہیں ہوتا، ورنہ اگر آپ کو علم غیب کلی ہوتا تو آپ اس طرح تحقیق کیوں فرماتے؟ اور یہ کیوں پوچھتے کہ ہدہد ہے یا نہیں؟ کہاں ہے؟ کیوں غائب ہے؟ بغیر اجازت کے کیوں گیا؟ اس کا عذر معقول ہے یا نہیں؟ اگر آپ کو سب باتیں معلوم تھیں تو پھر تحقیق کی کیا ضرورت تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا عقیدہ

بہت سے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی علم غیب کلی ثابت کرتے ہیں، اور اس کے لئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:

اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ. مجھے اولین وآخرین کا علم دیا گیا۔

حالاں کہ اس سے علم غیب کلی ثابت نہیں ہوتا، سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی تو آیا ہے، ابھی گذرا کہ: ”وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ“ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز عطا فرمائی تھی۔ آپ تو پرندوں کی زبان بھی جانتے تھے، اسی طرح بلقیس عورت کے بارے میں بھی تو ہے: ”وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ“ کہ اس کو ہر چیز عطا کی گئی تھی۔ تو کیا وہ بھی عالم الغیب تھی؟ اس کو بھی علم غیب کلی حاصل تھا؟ حالاں کہ وہ تو اس وقت مسلمان بھی نہ تھی، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے علم غیب کلی ثابت ہوتا ہے تو لازم آتا ہے کہ بلقیس کو بھی علم غیب کلی حاصل تھا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ حکومت سے متعلق جتنی ضروری چیزیں تھیں، وہ سب اس کو عطا کی گئی تھیں، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکومت دی گئی تھی اور حکومت سے متعلقہ تمام ضروری چیزیں آپ کو عطا کردی گئی تھیں، اسی طرح دیگر انبیاء علیہ السلام کو ہر اس شئ کا علم دے دیا گیا جو شریعت سے اور احکام سے متعلق تھا، یہ مطلب نہیں کہ ہر چیز کا علم دے دیا گیا، اس کی ضرورت بھی نہیں، جن علوم کی ضرورت تھی وہ سارے علوم عطا کئے گئے، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے زیادہ دیا گیا؛ لیکن سب کچھ دے دیا گیا یہ مطلب نہیں اور نہ اس کی ضرورت تھی۔

خطا کار اور مجرم کی بھی توہین نہیں کرنا چاہئے

اَصَدَقْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ: سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کا عذر سننے کے بعد فرمایا کہ میں تحقیق کروں گا، واقعی تم سچ کہتے ہو یا جھوٹ بولنے والوں کی فہرست میں ہو؟ سچ کے بارے میں ﴿اَصَدَقْتَ﴾ کہا کہ تو سچا ہے؛ لیکن جھوٹ کے بارے میں اس طرح نہیں کہا؛ بلکہ ﴿اَمْ کُنْتَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ﴾ (تم کاذبین میں سے ہو) کہا، صراحۃً جھوٹ کی نسبت نہیں کی؛ کیوں کہ اس میں اس کی توہین تھی، اس سے معلوم ہوا کہ خطا کار کی بھی توہین نہیں کرنا چاہئے۔

خط لکھنے کے آداب

بڑوں کے پاس خط لکھے تو ان کی شان کے مطابق لکھے

سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ بلقیس کے پاس خط لکھا تو اس طرح جیسے بادشاہوں کے پاس لکھا جاتا ہے، اس میں مہر لگائی، سیل بند کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس خط لکھا جائے اس کی شخصیت کو مدنظر

رکھتے ہوئے، اس کی حیثیت اور شان کے مطابق لکھا جائے، مثلاً اگر کسی بڑے کے پاس خط لکھے تو اچھے عمدہ کاغذ میں لکھے، لفافہ میں بند کر کے بھیجے، یہ بھی اسلامی اخلاق میں سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل بادشاہ کے پاس جو خط بھیجا تھا اس میں بھی ان سب امور کا لحاظ فرمایا تھا۔

خط لکھنے کا طریقہ

اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ:

اس سے ایک ادب معلوم ہوا کہ جب خط لکھے تو پہلے اپنا نام لکھے، خط کا مضمون بعد میں ہوگا، یہ اس واسطے؛ تاکہ خط پڑھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ کس کا خط ہے؟ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مضمون سے پہلے بسم اللہ بھی لکھا جائے، اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا بسم اللہ پہلے لکھے یا اپنا نام کہ ''از طرف فلاں'' یہ پہلے لکھے؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنا نام پہلے لکھا تھا، بسم اللہ بعد میں لکھا تھا؛ لیکن راجح قول یہ ہے کہ بسم اللہ سب سے پہلے لکھا جائے، سلیمان علیہ السلام کے خط کا مضمون ہی بسم اللہ سے شروع تھا؛ البتہ لفافہ میں اوپر سلیمان علیہ السلام کا نام لکھا تھا۔

احقر نے عرض کیا کہ اب تو تمام اکابر بزرگان دین سارے ہی لوگ اپنا نام بعد ہی میں لکھتے ہیں، شروع میں تو کوئی نہیں لکھتا۔ حضرت نے فرمایا: سنت ہی پر عمل کرنا چاہئے، اس کی صورت یہ مناسب ہے کہ ایک جانب نام لکھو ''از فلاں'' اور درمیان میں ''بسم اللہ'' لکھ دے۔

کافر کے خط میں یا تعویذ میں بسم اللہ لکھنا

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر کے خط میں بھی اللہ اور بسم اللہ لکھ سکتے ہیں، راقم الحروف نے عرض کیا کہ کافر کے تعویذ میں بسم اللہ لکھنا چاہئے یا نہیں؟ فرمایا: اس

سے معلوم ہوا کہ اس کی گنجائش تو ہے؛ لیکن میں تو لکھتا نہیں۔

ایک اہم ضروری ادب

اِذْهَبْ بِّكِتَابِىْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ:

(ترجمہ) میرا یہ خط لے جا اور اس کو اس کے پاس ڈال دینا پھر ذرا وہاں سے ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں؟

اس سے ایک اور اہم ادب معلوم ہوا کہ کسی کے پاس کسی کام سے جائے مثلاً خط لے کر جائے تو اِک دم سے اس کے سر پر مسلط نہ ہو جائے کہ فوراً کام کر دیجئے، جواب لکھ دیجئے؛ بلکہ اس کو اطمینان سے پڑھنے غور کرنے اور سوچنے کا موقع دیا جائے، وہ نہ معلوم کسی ضروری کام میں لگا ہو، اور آپ اس کے سر پر جا کر مسلط ہو گئے، بسا اوقات بعض باتیں خُفیہ ہوتی ہیں، سب کے سامنے کہنے کی نہیں ہوتیں، ان میں مشورہ کی ضرورت پیش آتی ہے؛ اس لئے اس کا موقع بھی دینا چاہئے، ہونا یہ چاہئے کہ مثلاً خط دے دیا اور وہاں سے ہٹ گئے اور بتلا دیا کہ میں اس کام سے آیا ہوں، اس پرچہ کا جواب مانگا ہے، میں ابھی تھوری دیر میں حاضر ہوتا ہوں، جب وہ آنے کو کہیں اس وقت حاضر ہو جائے، ان کو جب موقع ہوگا فرصت میں کام کر دیں گے، ان کے وقت کی بھی تو رعایت کرنا چاہئے۔

تعویذ والے بھی آتے ہیں اور سر پر آ کر مسلط ہو جاتے ہیں کہ ابھی فوراً تعویذ چاہئے، یہ طریقہ بھی غلط ہے؛ لیکن ان لوگوں کو کون سمجھائے؟

مشورہ کرنا عقل مندی کا تقاضا ہے

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِىْ:

ملکۂ بلقیس کے پاس جب خط پہنچا، اس نے کھولا، پڑھا، اور ارکانِ حکومت

وزراء سے مشورہ لیا، ان سے رائے لی کہ اس اس طرح کا ایک خط آیا ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟ اس سے مشورہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشورہ کی ترغیب فرمائی ہے، وہ تو ایمان بھی نہ لائی تھی، پھر بھی اس نے مشورہ کیا عقل کی بنا پر، اس سے معلوم ہوا کہ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ مشورہ کیا جائے، اسلام نے تو اس کی اہمیت بھی بتلائی ہے، صاف طور پر اس کا حکم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ صحابہ سے مشورہ کیجئے، چناں چہ آپ صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے، حالاں کہ آپ کو مشورہ کی ضرورت بھی نہ تھی؛ لیکن صحابہ کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کی خاطر آپ حکم خداوندی سے صحابہ سے بھی مشورہ کرتے تھے، یہ تو شرعی حکم ہے، اس کے علاوہ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ مشورہ کیا جائے، بغیر مشورہ کے کوئی کام کرنا بے عقلی ہے۔

بعض حالات میں جاسوسی کرنے کی ضرورت

اِدھر ملکۂ بلقیس مشورہ کر رہی تھی اور ادھر ہد ہد پرندہ خاموشی سے ان کا مشورہ سن رہا تھا کہ دیکھیں یہ لوگ آپس میں کیا مشورہ کرتے ہیں؟ تاکہ اسی کے مطابق سلیمان علیہ السلام کو جا کر خبر دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس طرح کے حالات پیدا ہوں اور مصلحت کا تقاضا ہو تو خط دے کر یا پیغام پہنچا کر وہاں سے علیحدہ تو ہو جائے؛ لیکن کان لگائے رہے اور خبر گیری کرتا رہے کہ یہ لوگ آپس میں کیا طے کرتے ہیں؟۔

احقر نے عرض کیا کہ یہ تو تجسس ہوا، اور قرآنِ پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ کہ تجسس مت کیا کرو، خفیہ طور پر کسی کی بات مت سنو، کسی کا راز لینے کی فکر میں نہ رہو، اور یہ تجسس ہی ہے، حضرت نے فرمایا یہ صورت اس میں داخل

نہیں ہے۔حکومتی نظام کے تحت حاکم کے لئے تو جاسوسی کرنا بہت ضروری ہے،اس کو تو ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے کہ کہیں کوئی سازش تو نہیں ہورہی،اسی طرح وہ حضرات جن کے ذمہ تربیت کا کام ہو،ان کو بھی جاسوسی کرنا چاہئے،حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخؒ کے یہاں بھی جاسوس مقرر تھے،جو سب دیکھا کرتے تھے،اور کوئی بات ہوتی تو فوراً حضرت کو اطلاع کرتے،جو غلطی کرتا اس کی شکایت حضرت کے یہاں پہنچ جاتی۔ایک مرتبہ میرے سامنے کی بات ہے کہ کچھ لوگ باتیں کررہے تھے،ایک صاحب مجھ سے بھی آکر باتیں کرنے لگے(یعنی مسجد میں بحالت اعتکاف)فوراًوہاں اطلاع پہنچی اور حضرت شیخ نے لاؤڈاسپیکر اٹھایا اور فرمایا کہ فضول باتیں کیوں کی جاتی ہیں،یا تو عبادت کریں یا سوجائیں،باتوں میں اپنے اوقات کو ضائع نہ کریں۔

الغرض نظام حکومت چلانے اور تربیت کے لئے جاسوسی کی ضرورت ہوتی ہے،اسی طرح مدرسہ والوں کو بھی ضرورت کے وقت جاسوسی کرنا چاہئے کہ مدرسہ میں کہیں کوئی سازش تو نہیں ہورہی،فلاں فلاں مشتبہ قسم کے لڑکے آپس میں کیا مشورے کررہے تھے؛البتہ اس میں وہ صورتیں داخل نہیں ہیں جو عام طور پر ہوا کرتی ہیں کہ کوئی بات کررہا ہے اور دوسرا شخص خفیہ طور پر اس کی بات سننے کی کوشش کررہا ہے،اس طرح تجسس کرنا جائز نہیں،باقی حکومت،جہاد اور تربیت کے لئے تو جاسوسی ضروری ہے،یہ جاسوسی نظام درست کرنے کے لئے ہے،عیب جوئی مقصود نہیں۔

بلقیس کون تھیں؟

اور جناتوں سے شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

قوم سباء کی ملکہ''بلقیس''،جس کا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک جنیہ(جنات عورت)سے پیدا ہوئی تھیں،اور قصہ اس کا یہ ہوا تھا کہ

اس علاقہ میں ایک بادشاہ تھا، اس نے شادی اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ وہ اپنے برابر کسی کو نہ سمجھتا تھا؛ اس لئے شادی نہ کرتا تھا؛ اس لئے اس کی شادی نہیں ہوئی، جنات میں اس کے ہم پلہ لوگ موجود تھے: اس لئے ایک جنیہ سے اس کی شادی ہوئی، جس سے بلقیس پیدا ہوئی۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ جناتوں سے انسانوں کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور سلسلۂ توالد وتناسل قائم رہ سکتا ہے یا نہیں؟ مختلف رائے ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ شادی نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ وہ دوسری جنس سے ہیں ان سے شادی کرنا ایسا ہے جیسے غیر جنس بیل، بھینس وغیرہ سے شادی کرنا؛ لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اگرچہ غیر جنس سے ہیں؛ لیکن پھر بھی آپس میں شادی ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ مکلّف دونوں ہی ہیں، جنات بھی انسان بھی، اس لئے رشتہ بھی ہوسکتا ہے، اور اس طرح کے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ جنات وانسان کے اختلاط سے اولاد پیدا ہوئی، جیسے یہ بلقیس ہی کا قصہ ہے کہ اس کا باپ تو انسان تھا اور ماں جنیہ تھی، اور بلقیس کے اندر دونوں ہی کے اثرات تھے، زیادہ اثر باپ کا تھا؛ کیوں کہ نسب تو باپ ہی سے چلتا ہے؛ لیکن جو لوگ رشتہ کو ناجائز کہتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب جنس دوسری ہے تو نکاح کے جو اغراض ومقاصد ہیں یعنی سکون، الفت ومحبت اور توالد وتناسل وہ حاصل نہ ہوں گے۔ آپس میں سلسلۂ توالد وتناسل جاری نہیں رہ سکتا؛ اس لئے یہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا، راجح قول یہی ہے، اور بلقیس کے واقعہ کا جواب دیا ہے کہ یہ واقعہ صحیح نہیں، اسرائیلی روایت ہوگی۔ واللہ اعلم

جناتوں سے دوستی کا ایک واقعہ

میرے ایک ساتھی تھے وہ بتلاتے تھے کہ میرے رفقاء درس میں ایک جنات لڑکا بھی پڑھتا تھا، ایک لڑکے سے اس کی دوستی ہوگئی، عصر کے بعد وہ اپنے گھر بھی اس کو

لے جایا کرتا تھا، مسجد کے پیچھے ہی اس کا مکان تھا، جنات اس سے کہتے کہ آنکھیں بند کرو، وہ آنکھیں بند کرتا، بس اندر پہنچ جاتے، ایک مرتبہ اس جن کی بہن کی شادی ہوئی اس نے اپنے دوست کی بھی دعوت کی، جب یہ گیا تو دیکھا کہ کرسیاں لگی ہوئی ہیں، قسم قسم کے کھانے لگے ہوئے ہیں، جیسے ہم لوگوں میں ہوا کرتا ہے، دوسرے جناتوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے بتلا دیا کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں، ساتھ پڑھتے ہیں۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اتنے لڑکوں میں کوئی نہ کوئی جنات بیٹھا ہوگا، کسی کو کیا پتہ یہ کون ہے؟ ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت جنات تو کوئلہ وغیرہ کھاتے ہیں، یہی ان کی غذا ہے، یہ سب مٹھائیاں کہاں کھاتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ کوئلہ بھی غذا ہے، اور اس کے علاوہ دوسری بھی غذائیں ہیں، یہ تھوڑی کہ صرف ایک ہی چیز غذا ہو، جس طرح تم لوگ گوشت، دال چٹنی، سب کھاتے ہو، اسی طرح ان کی بھی بہت سی غذائیں ہیں، ان میں ایک کوئلہ بھی ہے، ہڈی ہے، اور دوسری غذائیں بھی ہیں۔

طلبہ کی کاہلی وسستی

جلالین شریف کا سبق پورا ہو چکا تھا، حضرت اقدس نے دوا کھانے کے واسطے طلبہ سے پانی مانگا، طلبہ نے ادھر ادھر پانی دیکھا، کہیں نہ ملا، لوٹے جو تھے وہ خالی تھے، ایک طالب علم نے بالٹی سے پانی نکالنے کا قصد کیا، وہ بھی خالی نکلی، حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ طالب علم کا کمرہ ہو اور پانی مل جائے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر ایک لطیفہ سنایا۔

لطیفہ

ایک کمرہ میں چند لڑکے کھانا کھا رہے تھے، اتفاق سے ایک لڑکے کے حلق

میں لقمہ پھنس گیا، وہ عاعا کرنے لگا، پانی مانگا تلاش کیا تو کہیں نہ ملا، دوسرے لڑکوں سے اشارہ سے پانی مانگا کوئی نہ اٹھا، ہر ایک دوسرے سے کہے کہ تم جاؤ! بڑی دیر میں ایک لڑکا اٹھا، اتنی دیر میں لقمہ اتر چکا تھا، تو اب وہ بولا کہ بس بس! اب نہ لاؤ لقمہ نگل گیا۔

جامع العلوم میں حضرت تھانویؒ اور ایک جن طالب علم کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جامع العلوم پٹکا پور کانپور میں پڑھایا کرتے تھے، ایک مرتبہ لڑکے پڑھ رہے تھے، آپس میں تکرار (مذاکرہ) کررہے تھے، ان میں ایک جنات طالب علم بھی تھا، طلبہ میں آپس میں گفتگو ہو رہی تھی کہ تم چراغ اٹھاؤ! وہ کہہ رہا تھا کہ تم اٹھاؤ! ہر ایک دوسرے پر ٹال رہا تھا، ساتھیوں نے ان جنات طالب علم سے بھی ساتھی سمجھ کر کہا کہ تم اٹھاؤ، پہلے تو انہوں نے عذر کیا اور اس کے بعد ہاتھ لمبا کر کے وہیں سے بیٹھے بیٹھے اٹھا دیا، طلبہ جتنے تھے سب سہم گئے، دہشت کھا گئے، ڈر گئے، حضرت تھانویؒ کے پاس اس کی اطلاع پہنچی، حضرت ناراض ہوئے اور مدرسہ سے اس کا اخراج کر دیا، اس نے بہت عاجزی کی، معافی مانگی؛ لیکن حضرت نے معاف نہیں فرمایا اور اخراج کر ہی دیا؛ کیوں کہ اب تو طلبہ جان ہی گئے تھے، سب ڈرتے رہتے۔

مدرسہ ہتھورا میں بھی جنات پڑھتے تھے

احقر نے عرض کیا کہ ہتھورا میں بھی جنات رہتے اور پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں یہاں بھی رہتے ہیں، اور پڑھتے ہیں، پہلے تو بہت رہتے تھے، اب کم ہو گئے، ایک مرتبہ حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے، رات کو قیام فرمایا اور صبح فرمایا کہ بھائی تمہارے شاگردوں نے آج بہت پریشان کیا، کوئی ہاتھ

دبا رہا ہے کوئی پیر دبا رہا ہے، کوئی ادھر سے آتا ہے، کوئی ادھر سے آتا ہے، رات بھر سونے نہیں دیا، یہ شاگرد جنات ہی تھے، پھر فرمایا کہ رہنا تو یقینی ہے، پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں۔

ناشائستہ حرکت اور جنات کا انتقامی جذبہ

مولوی شبیر صاحب پہلے یہاں پڑھا کرتے تھے، مغرب کے بعد مدرسہ کی چھت پر سب لوگ اوابین کی نماز پڑھا کرتے تھے، اس وقت مدرسہ میں مسجد نہ تھی، مولوی شبیر صاحب روزانہ ذرا کچھ آگے بڑھ کر پڑھا کرتے تھے، کئی روز اس طرح ہوا، ایک مرتبہ کسی نے پیچھے سے ایک چپت رسید کی، ٹوپی جا کر دور گری، اور کہا کہ روزانہ ہماری جگہ میں آ کر قبضہ جما لیتے ہو۔

اسی طرح ایک مرتبہ ''برولی'' سے ایک عقد کے سلسلہ میں بہت سے لوگ آئے، اس میں کچھ غیر مسلم بھی تھے، گرمی کی وجہ سے کچھ آ کر مدرسہ کی چھت پر رات کو سو گئے، مدرسہ میں صرف ایک طرف چھت تھی، پھاٹک بھی نہ تھا، ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ تھی، نہ انہوں نے اطلاع کی، ان میں سے ایک غیر مسلم اوپر چھت سے پیشاب کرنے لگا، نیچے دھڑام سے گرا، بہت زور سے چیخا چلایا، لوگ دوڑ پڑے، پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میں اوپر سے پیشاب کر رہا تھا، کسی نے پیچھے سے آ کر دھکا دے دیا، میں گر گیا؛ لیکن اس کے چوٹ بالکل نہیں آئی تھی۔

فرمایا مدرسہ میں طلبہ اتنی شرارت کرتے ہیں، عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں، کوئی اوپر سے پیشاب کرتا ہے، گندگی پھیلاتا ہے، کوئی اکیلے ادھر ادھر جاتا ہے، وہ لڑکوں کی بہت رعایت کرتے ہیں، ورنہ ان کی مرمت کر دیں۔

ایک اور واقعہ

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مولوی ابوبکر یہاں پڑھتے تھے، جب کتاب کا مطالعہ کرتے تو ایک سانپ چراغ کے پاس آکر کھڑا ہوجاتا، جب تک مطالعہ کرتے اس وقت تک سانپ موجود رہتا، جب مطالعہ بند کردیتے سانپ بھی چلا جاتا، پھر جب مطالعہ شروع کرتے تو پھر آجاتا، اور فرمایا کہ مولوی انتظام صاحب کے مکان میں گھر کے اندر بادل کے جیسے ٹکڑے گرتے تھے، قریب جاکر دیکھا جاتا تو کچھ نہ ہوتا۔

کیا جنات حضرت سے پڑھتے ہیں؟

احقر نے عرض کیا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ رات میں جنات آپ سے پڑھتے بھی ہیں، آپ ان کو پڑھاتے ہیں؟ فرمایا: رات میں پڑھانے کی شہرت غلط ہے، البتہ ایسا کئی بار ہوا ہے کہ میں سو رہا ہوں، رات کے آخری حصہ میں کسی نے میرا پیر پکڑ کر ہلایا، اور مجھے جگادیا، اسی لئے مجھے اکیلے سونے میں ڈر معلوم ہوتا ہے، کمرہ میں تنہا سونے میں وحشت ہوتی ہے۔

فرمایا: مدرسوں میں جنات رہتے تو ضرور ہیں، یہاں بھی ہیں، پہلے بہت تھے، مدرسوں میں پڑھتے بھی ہیں، آخر جائیں کہاں؟ وہ بھی علم دین حاصل کرتے ہیں، ان کو بھی تو مدرسوں کی ضرورت ہے، انہیں مدرسوں میں وہ بھی پڑھتے ہیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی جناتوں سے ملاقات

حضرت مدنیؒ جن ایام میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں مشغول تھے، اسی وقت کسی جگہ ایک جماعت حضرت مدنیؒ سے ملاقات کے لئے خدمت میں حاضر ہوئی، اور عرض کیا کہ حضرت! آپ نے ہم لوگوں کو پہچانا نہیں، ہم لوگ جن ہیں، پورا وفد

حضرت سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہے، فلاں سن میں دارالعلوم دیوبند میں آپ سے ہم لوگ بخاری شریف پڑھا کرتے تھے، اور اس نام کا جولڑکا آپ کے پاس پڑھنے آیا کرتا تھا وہ میں ہی تھا، حضرت مدنیؒ نے ان سے فرمایا کہ انگریزوں سے ہمارا مقابلہ ہے، اس میں تم لوگ ہماری مدد نہیں کرتے، ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ اتنی قلیل مقدار میں ہیں اور ایسے رہتے ہیں جیسے ۳۲ ؍دانتوں کے درمیان زبان رہتی ہے، غیر مسلم جنات کی اکثریت ہے، اگر ہم لوگ کھل کر ساتھ دینے لگیں تو وہ لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے اور ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

مضطر کی دعا قبول ہوتی ہے

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ:

مضطر کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، اور مضطر ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے لئے چاروں طرف سے سارے اسباب ختم ہو جائیں، بالکل مایوس و ناامید ہو جائے اور اسباب کی طرف بالکل نگاہ نہ رہے، ہر طرف سے یکسو ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف نگاہ جائے، ایسے وقت میں دل کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ جو دعا نکلتی ہے وہ ضرور قبول ہو کر رہتی ہے، مضطر کی دعا رد نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں بہت سے واقعات منقول ہیں، ایک واقعہ بڑا عبرت ناک ہے اس کو سناتا ہوں۔

عبرت ناک واقعہ

تاریخ کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بہت بڑا مشہور ڈاکو تھا، اور وہ ڈاکہ اس طرح ڈالتا تھا کہ راستہ میں بیٹھ جاتا اور گذرنے والوں سے کہتا کہ میں مسافر ہوں، رہ گیا ہوں، مجھے بھی ادھر جانا ہے، مجھے بھی ساتھ لیتے چلو، لوگ بٹھا لیتے، وہ کہتا

کہ مجھے اس سے بھی قریب راستہ معلوم ہے، اس راستہ کے بجائے میں آپ کو قریب راستہ سے لے چلوں گا، اور وہ راستہ جنگل کی طرف جا کر وہیں پر ختم ہوجاتا تھا، ایک بیچارہ شریف دین دار مسافر پھنس گیا، ڈاکو اس کو بھی اسی بہانہ سے لے گیا، جب جنگل پہنچے تو اس ڈاکو نے مارنے کا ارادہ کیا، مسافر نے کہا کہ تجھے مال لینا ہو تو جو کچھ میرے پاس موجود ہے سب کچھ لے لے، میری جان تو چھوڑ دے، اس نے کہا کہ میری تو عادت ہے کہ پہلے جان مارتا ہوں پھر مال لیتا ہوں، اس کے بغیر مال نہیں لیتا، پہلے تو میں تجھے جان سے ماروں گا، اس نے کہا اچھا! مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے دے، ڈاکو نے کہا اچھا! پڑھ لے، بس اور تو کچھ نہیں چاہئے، انہوں نے وضو کر کے دو رکعت نماز کی نیت باندھی اور بے اختیار زبان پر یہی آیت آئی: ﴿اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ (کیا ہے کوئی ذات ایسی جو مضطر کی دعا قبول کرے، اس کی مصیبت دور کرے)

اس آیت کا پڑھنا تھا کہ اتنے میں ایک سوار نمودار ہوا، جو گھوڑے پر سوار تھے، اور اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا، اس سوار نے زور سے خنجر اس ڈاکو کو مارا، وہ وہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور اس کے اندر سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگے، وہ سوار مار کر جانے لگا، اس مسافر نے پوچھا کہ اللہ واسطے بتاؤ تو آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں ﴿اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ﴾ کا غلام ہوں، مجھے اللہ نے تمہاری مدد کے واسطے بھیجا ہے، اضطرار کی حالت میں جو تم نے دعا کی تھی وہ مقبول ہوئی، اس دعا سے عرش تھرّا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے! مظلوم بندے میں تیری ضرور مدد کروں گا اگر چہ تھوڑی دیر لگ جائے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ میرے بھی دو قصے مشہور ہیں، ان میں بھی اضطرار کی حالت تھی اللہ کے سوا کوئی نصرت و مددگار نہ تھا، پھر حضرت نے قصے بیان نہیں فرمائے،

دین کا کام کرنے والے کے ساتھ دوطرح کے حالات ضرور پیش آتے ہیں

وَلاَ تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ:

(ترجمہ)اور جو کچھ یہ شرارتیں کررہے ہیں اس سے تنگ نہ ہوجیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے؛ لیکن لوگ آپ کی بات مانتے نہ تھے؛ بلکہ آپ کے خلاف سازشیں کرتے تھے، اس کا آپ کو بہت رنج ہوتا تھا، جو بھی دین کا کام کرتا ہے ہر کام کرنے والے کے سامنے دوطرح کے حالات آتے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ محنت وکوشش کے باوجود لوگ جب بات نہیں مانتے اس کا غم ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے جب کام ہوتا ہے تو اس کی مخالفت ہوتی ہے، طرح کی طرح کی اسکیمیں بنتی ہیں، سازشیں ہوتی ہیں، اس کا بھی رنج ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تسلی دے رہا ہے کہ آپ رنجیدہ نہ ہوئیے، نہ ہم کیجئے نہ غم کیجئے، یعنی نہ فکر کیجئے اور نہ افسوس کیجئے، اگر آپ کے خلاف لوگ سازشیں کررہے ہیں تو کرتے رہیں، اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ ہم ان کی سازشوں کو تارتار کرکے رکھ دیں گے، چنانچہ کفار کی تمام سازشوں کو اللہ تعالیٰ نے ملیا میٹ کرکے رکھ دیا اور دنیا ہی میں وہ عذاب میں مبتلا کردئے گئے، قحط پڑا، جنگ بدر میں مارے گئے۔

اختلاف و پریشانی کے وقت

صبر و تسلی حاصل کرنے کا بہترین نسخہ

اِنَّکَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ:

(ترجمہ) یقیناً آپ صریح حق پر ہیں۔

کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے الزامات لگاتے تھے، آپ کو ستاتے تھے، اور آئے دن طرح طرح کی اسکیمیں بناتے تھے، آپ کو گمراہ، جادوگر، مجنون بھی کہتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی کہ آپ ان کے کہنے کی پرواہ نہ کریں، آپ تو بالکل حق پر ہیں۔

اختلاف اور لڑائی جھگڑے کے وقت اگر اس بات کا استحضار ہوجائے کہ ہم تو بے قصور ہیں، حق پر ہیں، ہمارا جرم نہیں، غلطی دوسرے لوگوں کی ہے، محض اس تصور سے بھی تسلی ہوتی ہے، یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے، اختلافات تو ہوتے ہی رہتے ہیں، اس کی وجہ سے تنگی بھی ہوتی ہے، رنج افسوس اور ملال بھی ہوتا ہے، پریشانیاں ہوتی ہیں؛ لیکن ان سب کے باوجود اپنے کو اس بات سے تسلی ہوتی ہے کہ ہم حق پر ہیں، ہمارا جرم وقصور نہیں، لوگ کہتے ہیں تو کہتے رہیں، یہ تو ممکن نہیں کہ ساری دنیا کے لوگ اس کے موافق ہوجائیں اور سب کام اسی کی منشا کے مطابق ہونے لگے، اور کون کس کا منہ بند کرسکتا ہے؟ جو کہتا ہے کہتا رہے، کہنے والا خود ذمہ دار ہے؛ لیکن ہم خود اپنے کو دیکھ لیں کہ آیا ہم حق پر ہیں یا نہیں؟ ہم خود اپنے ذمہ دار ہیں، ہماری طرف سے کوتاہی نہ ہونی چاہئے، دوسرے کے ہم مکلّف نہیں، جو کرے گا خود بھگتے گا، اگر اپنا حق پر ہونا معلوم ہوجائے تو اس سے بھی آدمی کو بڑی تسلی ہوجاتی ہے۔

اختلاف کے وقت سب سے پہلے اپنے کو دیکھنا چاہئے کہ ہمارا قصور تو نہیں؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑے اور اختلاف کے وقت سب سے پہلے اپنی فکر کرنا چاہئے کہ ہمارا کیا حال ہے؟ کہیں ہم قصوروار تو نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ہی غلطی پر ہوں؛ لیکن اس میں ضرورت اس کی ہے کہ خود اپنے بارے میں یہ فیصلہ نہ کرلے اور خود ہی یہ نہ سوچ لے کہ ہم تو حق ہی پر ہیں، اپنے فیصلہ کا اعتبار نہیں؛ بلکہ کسی بڑے سے پوچھے، وہ شہادت دے کہ تم حق پر ہو، جیسے اللہ نے شہادت دی ہے کہ ﴿اِنَّکَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ﴾ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو حق پر ہیں، اور جو حق پر ہوتا ہے اللہ اس کی مدد ضرور کرتا ہے، اس کی تائید من جانب اللہ ہوتی ہے، اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا، اللہ کی طرف سے اس کی مدد ضرور ہوتی ہے، اگرچہ کچھ دیر لگ جائے اور اس دیر لگنے میں مصلحت ہوتی ہے، اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے مظلوم بندے! میں تیری ضرور مدد کروں گا، ''وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ'' اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہو'' کسی مصلحت سے تاخیر کردی جاتی ہے، جس میں بندہ کا فائدہ ہوتا ہے۔

سارے جھگڑے ختم ہوسکتے ہیں

اگر ہر شخص اپنے بارے میں غور وفکر کرے اور اپنے دل سے سوچ کر خود ہی یہ فیصلہ کرے کہ ہم حق پر ہیں یا نہیں، تو سارے جھگڑے ختم ہوسکتے ہیں، زبان سے ہم کچھ بھی کہیں؛ لیکن دل تو ہمارا خوب جانتا ہے، دل تو تمام اعضاء کا بادشاہ ہے اور زبان

اور دوسرے اعضاء وزیر ہیں، غلطی آگے پیچھے والے کرتے ہیں، دل صحیح شہادت دیتا ہے، زبان گڑبڑ کرتی ہے، اسی لئے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے جنہوں نے کوئی بات پوچھی تھی، فرمایا تھا: ''اِسْتَفْتِ عَنْ قَلْبِکَ'' اپنے دل سے پوچھ لو، کیوں کہ دل صحیح گواہی دے گا، دنیا کے جتنے بھی جھگڑے ہیں، زمین، جائیداد، مکان کے جتنے بھی جھگڑے ہوتے ہیں، وہ سب ختم ہو سکتے ہیں اگر ہر شخص خود اپنے بارے میں غور کرے کہ ہم حق پر ہیں یا نہیں؟ اور ہم کو کیا کرنا چاہئے؟

(تمت سورۃ نمل)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علوم ومعارف کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا)

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارك الله في حياته وفي افادته) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کر رہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے......

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدر دانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدر دانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پا رہے ہیں۔ اطال الله بقائه وعمم نفعه جزاه الله خيرا۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی ۱۷ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

اس جامعیت کے ساتھ اب تک کام نہیں ہوا تھا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا ومقتدانا الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بزمانہ طالب علمی اکابرامت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسندارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہرعام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''

خداوندقدوس نے حضرت والا کو تجدیداوراحیاء سنت کے جس اعلی مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور موعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے، حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطافرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی تین درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطافرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ
خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)